شیو برت لال ورمن
اور
ان کی علمی و ادبی خدمات

ڈاکٹر ذکیہ خاتون

شیو برت لال ورمن

اور

ان کی علمی وادبی خدمات

Dr. Naz Quadri
(Collections)

ڈاکٹر ذکیہ خاتون

۲۰۰۱ء

نام کتاب: شیو برت لال ورمن اور ان کی علمی و ادبی خدمات

نام مصنفہ: ذکیہ خاتون ایم اے، پی ایچ ڈی (علیگ)

تعداد : چھ سو

طابع : رائل پرنٹرز، دودھ پور، علی گڑھ

قیمت : لائبریری ایڈیشن عوام کے لیے: چار سو روپے

ملنے کا پتا:

شیو برت لال اکیڈیمک ریسرچ سوسائٹی (رجسٹرڈ)

۲/۱۱/۷ سر سید روڈ، سر سید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

الحمدللہ

اس مقالے پر

مصنفہ کو

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(شعبہ اردو)

نے

پی۔ایچ۔ڈی

کی ڈگری تفویض کی

ساقی ارباب ذوق
PDF BOOK COMPANY

فہرست مطالب

☆☆☆

مقدمہ

شیو برت لال اوسط درجے کے ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ شکل صورت بھی ایسی لے کر آئے تھے کہ خود ان کے والد انھیں کراہیت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن انھوں نے محنت اور لگن سے تعلیم حاصل کی۔ پھر ان کی شادی ایک نیک دل خاتون سے ہوگئی۔ اس خاتون نے اپنی ساری صلاحیتیں ان کے بنانے کے لیے وقف کر دیں۔ اس کی کوششوں سے ان کی صورت بھی بہتر ہوگئی اور آخر زمانے میں تو حال یہ تھا کہ ان کے والد اپنی اولاد میں سب سے زیادہ ان سے ہی محبت کرتے تھے۔

شیو برت لال نے اپنی تحریروں میں یہ اعتراف کیا ہے کہ اب جو کچھ اور جیسا کچھ بھی میں ہوں اسے میری بیوی کی لیاقتوں اور کوششوں کا ثمر سمجھا جانا چاہیے۔ اس خاتون کے کہنے سے انھوں نے شجاع و عالم ہندو استریوں کے حالات اردو زبان میں لکھنے شروع کیے۔ پھر تو انھیں تصنیف و تالیف کا ایسا چسکا لگا کہ آخر تک بقول خود وہ ''قلم کی گھس گھس سے'' پیچھا نہ چھڑا سکے۔ انھوں نے سوجھ بوجھ سے کام لے کر رادھا سوامی مت میں ایک الگ راہ نکالی، اور اپنے اس طریق کی اشاعت بین الاقوامی سطح پر کی اور تصنیف، تالیف اور ترجمے کی قبیل سے اپنی بے شمار کتابیں اور رسالے یادگار چھوڑ گئے۔

شیو برت لال اپنے آخر زمانے میں مہرشی، داتا دیال، مہاپربھو اور انسانِ کامل وغیرہ کہلائے۔ جہاں ان کے قدم جاتے تھے عقیدت مند آنکھیں بچھاتے تھے لیکن ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی گویا اقبال نے بھی آنکھیں بند کر لیں۔ زمانے نے بہت جلد انھیں گویا فراموش کر دیا۔ علی گڑھ کے امتیازات میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کے فرزند ہمیشہ ''دع ما کدر، اور خذ ما صفا'' کے اصول پر کاربند رہے ہیں

انھوں نے شیو برت لال کے علمی اور ادبی کاموں کو ہمیشہ محبت اور احترام کی نظر سے دیکھا ہے۔ ڈاکٹر محمد عزیر کے ڈاکٹریٹ کے مقالے میں ان کی کئی تصانیف کا تعارف کرایا گیا ہے۔ سہ ماہی اردو ادب علی گڑھ اور ہفتہ وار ہماری زبان علی گڑھ، میں ان کی کئی تصانیف پر تبصرے شائع ہوئے تھے۔ علی گڑھ تاریخ ادب اردو کی جلد اول میں شیو برت لال کی تصنیف کبیر جوگ کو ایک علمی ماٗخذ کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے۔ پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر عالی جناب سید ہاشم علی صاحب نے آنجہانی موہن لال نیر صاحب کی تحریک سے میرے پدر محترم ڈاکٹر محمد انصار اللہ صاحب سے مہرشی شیو برت لال کی علمی شخصیت سے متعلق تحقیقی کام شروع کرنے کے لیے کہا اور جس زمانے میں پروفیسر نعیم احمد مرحوم شعبۂ اردو کے صدر ہوئے، میرے والد بزرگوار کی کوششوں سے اس موضوع سے متعلق ایک یادگار کل ہند سمینار ہوا جس کا افتتاح اس وقت کے وائس چانسلر محترم محمد نسیم فاروقی صاحب نے بڑی دلچسپی اور شوق کے ساتھ کیا تھا۔ اسی علی گڑھ میں میرے والد محترم نے شیو برت لال اکیڈیمک ریسرچ سوسائٹی قائم کی تھی جس نے مہرشی جی کی ایک کتاب نیر اعظم کو پہلے دیوناگری خط میں اور پھر دیوناگری خط میں متن انگریزی ترجمہ کے ساتھ اس شان کے ساتھ چھپوایا کہ اس کے بارے میں مہرشی شیو برت لال شودھ سنستھان، گورکھپور کی طرف سے ڈاکٹر راجارام سنگھ صاحب نے جو مہرشی جی کے سگے نواسے بھی ہیں لکھا کہ:

> ''نیرِ اعظم مہرشی جی کی ہزاروں کتابوں میں سے پہلی کتاب ہے
> جو اتنی دیدہ زیب چھپی ہے۔''

اپنے بزرگوں کے ان کاموں کو دیکھ کر مجھے بھی کچھ کرنے کا شوق ہوا۔ استاد محترم ڈاکٹر صغیر افراہیم صاحب نے میرے شوق کو دیکھ کر محض از راہ شفقت پی ایچ ڈی کے لیے میرے واسطے یہی موضوع مقرر کروادیا۔ زندگی کے جھمیلوں اور ہنگاموں کے باوجود جو کچھ ہوسکا میں نے کردیا ہے مجھے معلوم ہے کہ مہرشی شیو برت لال کی تمام تصانیف کا مجمل تعارف بھی کئی جلدوں میں سمائے گا اس لیے میں اپنے اس مختصر سے

تحقیقی کام کے لیے کوئی بڑا بول بولنے کی جرات نہیں کر سکتی۔ اتنی بات ضرور ہے کہ اس مختصر سے قاری کو مہرشی جی کی علمی شخصیت اور ان کے تحریری کارناموں کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ اس مقالے کے ابواب کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔

پہلا باب :۔ شیو برت لال ورمن کے سوانحی حالات:

اس باب میں شیو برت لال کے خاندانی اور پھر ذاتی حالات کا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ بریلی میں قیام کے زمانے میں ان کی تصنیفی کارکردگیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ پھر ان کے مختلف سفروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی تنظیمی کارکردگی، رسالوں کے ایڈیٹری اور آخر عمر تک کی کتابوں کی اشاعت اور پھر ان کی موت کا احوال بھی قلمبند کیا گیا ہے۔

دوسرا باب :۔ شاعر اور شارح:

(الف) اس کے شروع میں مہرشی جی کے ان چند عقیدت مندوں کا تعارف کرایا گیا ہے، جن کے نام سے مہرشی جی کا کچھ کچھ کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ اس کے بعد مختلف اصناف میں مہرشی جی کے دستیاب کلام کا تعارف کرایا گیا ہے۔

(ب) شعر فہمی بھی شعر گوئی کے لوازمات میں سے ہے چنانچہ اس باب میں مہرشی جی کی بعض شرحوں کا احوال بھی تحریر کیا گیا ہے۔

تیسرا باب :۔ قصے کہانی وغیرہ:

مہرشی جی نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز قصے کہانیوں سے کیا تھا اور بالآخر انھوں نے اپنے زمانے کے مروجہ معیاروں کے مطابق قصے (کہانی) داستانیں، ناول اور ناٹک بھی کچھ لکھے تھے ان میں سے اہم تر کا تعارف کرایا گیا ہے۔

چوتھا باب :۔ ترجمے:

مہرشی جی نے مختلف زبانوں کی نظم و نثر کے اردو میں ترجمے کیے ہیں۔ ہر

زبان سے کیے جانے والے ترجموں کا اس باب میں الگ الگ تعارف کرایا گیا ہے۔

پانچواں باب:۔ سفرنامے اور تذکرے وغیرہ:

مہرشی جی نے اردو میں سفرنامے، تذکرے اور سوانحات وغیرہ بھی لکھے ہیں۔ اس باب میں پہلے ان کے مختلف ممالک اور مقامات کے سفرناموں کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد مختلف قسم کے ان کے تذکروں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ پھر ان کی ایسی کتابوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں جن میں کسی شخص کے سوانح یا اس کے کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

چھٹا باب:۔ علمی تصانیف:

اس باب میں شیو برت لال کی بعض علمی تصانیف کا تعارف کرایا گیا ہے۔

ساتواں باب:۔ مذہبی کتابیں:

شیو برت لال بنیادی طور پر مذہبی آدمی تھے۔ یوں تو ان کی کوئی بھی تحریر ایسی نہیں ہے جو مذہب کے دائرے میں نہ آتی ہو۔ لیکن اس باب میں ان کی ان کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں مذاہب سے متعلق بحثیں کی گئی ہیں۔

خاتمہ:

خاتمہ میں شیو برت لال کی تحریروں کا عمومی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ اتنے متنوع اور بہ کثرت علمی کاموں کے باوجود زمانے نے ان کی طرف سے بہت جلد آنکھیں کیوں پھیر لیں۔

داتا دیال مہرشی شیو برت لال ورمن سے متعلق یہ پہلا سنجیدہ، باقاعدہ اور تحقیقی کام ہے۔ اس نہج پر تفصیلی تحقیق اور تجزیہ کے مقابلے میں زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ مہرشی جی کی تعمیری شخصیت اور ان کے علمی کارناموں کا تعارف کرادیا جائے۔ اور یہی کام میں نے کیا ہے۔ بے شک بحدِ امکان کسی تحقیقی نکتہ کو میں

نے نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ میری اس طالب علمانہ کاوش کی اس طرح پذیرائی کی گئی کہ اس پر مادر درسگاہ یعنی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شعبہ اردو کی طرف سے مجھے پی ایچ ڈی کی سند عطا کی گئی۔ میں اس سلسلے میں شعبہ کے تمام اساتذہ خصوصاً استاد محترم ڈاکٹر صغیر افراہیم صاحب کی دل سے شکر گزار ہوں۔

دل تو چاہتا تھا کہ اطمینان سے اس مقالے پر نظر ثانی کروں لیکن جانتی ہوں کہ ع

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

اور اس بات کی ہرگز امید نہیں ہے کہ مستقبل قریب میں مجھے فرصت میسر آئے گی اس لیے موضوع کی اہمیت کے خیال سے اسے بجنسہٖ کتابی صورت میں چھپوا کر صاحبانِ علم وشوق کے خدمت میں پیش کر رہی ہوں۔ ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

میں شیوبرت لال اکیڈیمک ریسرچ سوسائٹی (رجسٹرڈ) علی گڑھ کی ممنون ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کا بار اٹھانا منظور کیا۔ اس موقع پر آنجہانی سومتر کمار صاحب کی علمی نوازشوں اور آنجہانی موہن لال نیّر صاحب کی بے لوث سرپرستیوں کے علاوہ عالی جناب ڈاکٹر راجارام سنگھ صاحب کی نہایت مشفقانہ عنایتوں کا اعتراف بھی واجب ہے کہ ان کے بغیر اس کام کے کیے جانے کا خیال بھی ممکن نہیں تھا۔

میں محترم ٹھاکر کمل سنگھ صاحب (ہنمکنڈہ) کی بھی ممنون ہوں کہ پیرانہ سالی کے باوجود انھوں نے اس کتاب میں شامل کرنے کے لیے بعض تصویریں اور خطوط بھی عنایت کیے۔

فقط

ذکیہ خاتون

پہلا باب

حیات اور مشاغل

(۱)

پیاگ داس پور:

اپنے آبائی مستقر کے بارے میں مہرشی شیوبرت لال نے بزرگوں کی زبانی جو کچھ سنا تھا ضمناً اس کو اس طرح نقل کیا ہے:

"میں[۱] نے تمام عمر پنجاب میں علمی مصروفیت کی زندگی بسر کی۔ بوڑھا ہو گیا۔ وطن میں چلا آیا۔ میرا گھر بنارس بھدوہی میں رادھاسوامی دھام کے قریب ہے۔ صدیاں گذریں میرے آباواجداد دہلی سے یہاں آئے تھے۔ اس جگہ پہلے گھنا جنگل تھا۔ اس کا نام آنند بن مشہور تھا۔ اس جنگل میں والمیکی رشی کا آشرم تھا جہاں رامچندر جی کے دو لڑکے لو اور کش پیدا ہوئے تھے۔ ان میں سے لو نے لاہور لیا اور کش نے کشور (قصور) کو آباد کیا۔ وہاں کے راجہ ہوئے اور یہ شہر ان کی راجدھانی بن گیے۔

آنند بن گھنا جنگل تھا۔ میرے بزرگوں نے اسے کاٹ کر قابل زراعت بنایا۔ کوئی یہاں آباد ہونے کے لئے راضی نہیں تھا۔ میرے بزرگوں نے براہمنوں کو تلاش کر کے یہاں لا کر بسایا۔ زمینیں دیں۔ گاؤں گراؤں دیے۔ یہ سبب ہے کہ یہاں زیادہ تر براہمن ہی آباد ہیں۔ روایتاً یہ سب کو معلوم ہے۔"

اس بیان کی تفصیل اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ یہ گھرانا اصلاً دہلی کا رہنے والا تھا۔ مغلوں کی آمد سے پہلے ملک میں جو انتشار کی صورت پیدا ہو گئی تھی غالباً اس سے متاثر ہو کر اس نے پورب کی طرف رخ کیا۔

بنارس زمانہ قدیم سے ایک بارونق شہر تھا۔ لیکن اس کے باہر وسیع جنگل تھا۔ اس جنگل میں والمیکی رشی کا آشرم تھا اور بہ گمان غالب اسی آشرم کے تعلق سے اس کا

نام آنند بن پڑ گیا تھا۔ اسی جنگل میں رہائش اختیار کی اور اپنی ضرورت کے مطابق جنگل کو کاٹ صاف کر کے زراعت کے لائق بنالیا تھا۔ رفتہ رفتہ اور لوگ بھی یہاں آکر بس گئے اور اس طرح ایک چھوٹی سی بستی وجود میں آگئی جسے غالباً اس کے بانی (پریاگ داس ؟) کے نام کی مناسبت سے پریاگ داسپور کہنے لگے۔ یہی بعد میں پیاگ داسپور ہو گیا۔ پیاگ داسپور کے کایستھوں نے اپنی مذہبی اور علمی ضرورتوں کے سبب سے کچھ برہمنوں کو بھی یہاں لاکر بسالیا۔

ٹھاکر :

شیر شاہ سوری پورب کے علاقے کا حکمراں تھا۔ وہ سلطان نصیر الدین ہمایوں کا تعاقب کرتا ہوا مغرب کی طرف چلا جارہا تھا۔ اس کا گذر موضع پیاگ داسپور میں بھی ہوا۔ یہاں کے کایستھوں اور براہمنوں نے اس کا استقبال کیا اور ہر طرح خدمت بجالائے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر ان کو ٹھاکر[۲] خطاب کے علاوہ دو گاؤں اور بھی معافی میں عطا کئے۔ معافی داری کا یہ سلسلہ مہاراجہ بنارس اور پھر حکومت برطانیہ کے زمانے تک بھی جاری رہا تھا۔ بادشاہ کا وہ فرمان تانبے کی تختی پر کندہ تھا اور وہ اس علاقے کے کسی معزز کایستھ یا برہمن گھرانے میں تادیر محفوظ تھا۔

شیر شاہ نے پیاگ داسپور اور مضافات کے معاشرتی معاملات کی اصلاح کی طرف بھی توجہ کی تھی۔ آنجہانی سومتر کمار نے لکھا تھا کہ :

”روایت ہے کہ پیاگ داسپور میں ایک بیوہ براہمنی تھی جس کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا گاؤں کا کوئی بھی فرد نہیں کھاتا تھا۔ سلطان کے کانوں تک بیوہ براہمنی کی بیچارگی کی داستان پہنچی تو ان کو بہت ملال ہوا۔ انھوں نے گاؤں کے تمام معزز کایستھ اور براہمن لوگوں کو بلوا کر انھیں اس بات پر راضی کیا کہ سب اس براہمنی کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا کھائیں گے۔ پھر ایک عظیم دعوت کا انتظام کیا جس کے لئے اس براہمنی نے کھانا بنایا۔ سب نے خوشی

کے ساتھ اس کھانے کو کھایا اور اس طرح ذات پات اور رسم و رواج کے بھید بھاؤ کو ختم کر دیا"۔

لیکن بادشاہ کا یہ مستحسن اقدام دیرپا ثابت نہیں ہو سکا۔ رسوم وقیود کو مذہب کی حمایت اور تائید حاصل تھی اس لئے جلدی ہی انھیں پھر غلبہ حاصل ہو گیا چنانچہ مہرشی شیو برت لال نے لکھا ہے کہ:

"[۳] جہاں میں رہتا ہوں وہ مہاراجہ بنارس کا علاقہ ہے اور زیادہ تر اس علاقہ کے پرگنوں میں براہمنوں کی قوم آباد ہے ان میں لڑکپن کی شادی کا رواج اس قدر زوروں پر ہے کہ برس برس دن کی کنیائیں بیاہی جاتی ہیں اور بسا اوقات ساٹھ برس کے بوڑھے کی شادی چھ سات بلکہ چار پانچ برس کی کمسن لڑکی سے کر دی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکی کے دس گیارہ برس تک پہنچتے تک شوہر رحلت کر جاتا ہے اور وہ بیچاری رنڈاپا بھوگنے کے لئے مجبور ہوتی ہے۔"

پورہ قانون گویان:

ہندوؤں میں سے بعض کو مسلمانوں کی زبانوں اور علم کے سیکھنے کا شوق بہت قدیم زمانے سے رہا ہے، البتہ فارسی کی طرف میلان سکندر لودی کی تحریک سے زیادہ ہوا تھا، اگرچہ اس تحریک کی مخالفت بھی پوری شدت سے کی گئی تھی۔ مہرشی شیو برت لال نے اس بارے میں لکھا ہے کہ:

"[۴] کایستھ ہمیشہ سے اس ملک میں راجاؤں کے اہل کار تھے۔ سکندر (لودی) نے ان کو فارسی پڑھنے کا شوق دلایا۔ بڑے بڑے منصب دئے اور اس طرح ہندو سلطنت کے ایک بہت بڑے رکن کو اپنی طرف کر لیا۔ اس بادشاہ سے پہلے کوئی ہندو فارسی نہیں پڑھتا تھا۔ سب کو قسم تھی کہ کبھی کوئی یون (= ملیچھ = مسلمان) بھاشا نہ سیکھے۔ جب تھوڑے سے کایستھ اس کے دام میں

آگئے، ہندوؤں کی تمام قوم نے ان کو اپنے درمیان سے خارج کر دیا۔ وہ بے عزت اور ذلیل ہوئے۔ ان کی عورتوں نے مردوں کے ہاتھ کا کھانا پینا ترک کرر کھا تھا۔ برہمنوں نے بہت کچھ کوشش کی کہ یہ سلطان کے دام میں نہ پھنسیں مگر ان کی ایک قوم جسے بھٹناگر کہتے ہیں دھوکا کھاگئی۔ وہ فارسی پڑھ کر شاہی منصب دار بنالئے گئے۔"

اس بیان میں بہت زیادہ مبالغہ ہے۔ سکندر لودی سے پہلے بھی ہندویون بھاشائیں (مسلمانوں کی زبانیں) جانتے تھے۔ اگرچہ مشہور یہی ہے کہ ان زبانوں کے سیکھنے میں کایستھوں نے پہل کی تھی لیکن حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس باب میں بھی براہمن ہی پیش پیش تھے۔

شیر شاہ کے زمانے میں ہندوؤں میں فارسی لکھنے پڑھنے کا رواج زیادہ ہو گیا تھا چنانچہ مورخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ:

"[۵] کافراں بخواندن و نوشتن خطِ فارسی کہ آں زماں درمیان ایشاں معمول نہ بود پرداختند"۔

معلوم ہوتا ہے کہ پیاگ داسپور کے کایستھ گھرانے بھی فارسی زبان اور علوم کی تحصیل میں پیچھے نہیں رہے اور انھوں نے زبان دانی کے ساتھ ساتھ قانون دانی میں بھی خود کو اس حد تک ممتاز کر لیا کہ ان کا مسکن "پورہ قانون گویان" کے نام سے معروف ہو گیا۔ مہرشی شیوبرت لال نے ناول کے ایک کردار کی زبان سے اپنے گھرانے کے بارے میں کہلوایا ہے کہ:

"[۶] پورہ قانون گویان میں کایستھوں کا قدیم خاندان آباد ہے جو پڑھے لکھے بے پر کی اڑانے والے مشہور ہیں۔"

اس گھرانے کے افراد زور استدلال سے اپنی بات منوا لینے کی وجہ سے "بے پر کی اڑانے والے" کر کے بدنام (مشہور) ہو گئے ہوں گے۔

اسلاف:

انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں پورہ قانون گویان کے مذکورہ کایستھ گھرانے کے معززین میں کاندھامل نامی ایک شخص تھے۔ جناب سومتر کمار کے قول کے مطابق وہ چترگپت (گوتر) ونشی خاندان کی شاخ (سریواستوا) کھرے تھے۔ ان کے ایک بیٹے کا نام گورودیال سنگھ تھا۔ باپ بیٹے کے حالات کچھ معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ قیاس کہتا ہے کہ وہ مذہب پسند اور علم دوست شخص تھے۔

جناب سومتر کمار نے ٹھاکر گورودیال سنگھ کے دو بیٹوں کے نام یہ بتائے ہیں:

چنی لال، اور کرشن کمار،

کرشن کمار کے بارے میں تو کوئی بات معلوم نہیں البتہ چنی لال کے بارے میں خود مہرشی شیوبرت لال نے لکھا ہے کہ:

"[۷] ٹھاکر چنی لال راقم کے دادا تھے۔"

ہندوؤں کے مذہبی علوم میں اپنشدوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور اس سلسلے میں شیوبرت لال کا کہنا ہے کہ:

"[۸] اپنشد کی تعلیم کا تعلق ہمیشہ سے کشتریوں ہی سے رہا ہے۔ یہ علم پہلے براہمنوں میں نہیں تھا۔ اس کے اچاریہ کشتری ہی ہوئے اور براہمنوں نے ان سے تعلیم پائی ہے"۔

چنانچہ ٹھاکر چنی لال بھی جو اصلاً کشتری تھے اپنشدوں کے علم میں یگانۂ روزگار تھے۔ برہمن زادے ان سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ اور وہ صرف ادھیکاری (مستحق) کو ہی اپنشدوں کے رازوں سے آگاہ کرتے تھے۔ مذکور ہے کہ:

"[۹] ہیمراج براہمن کا لڑکا تھا۔ اسے اپنشدوں کے مطالعہ کا بیحد شوق تھا۔ اس نے سنا کہ پیاگ داسپور (راج بنارس) کے ٹھاکر چنی لال کو اپنشدوں کے راز سے واقفیت ہے۔ وہ گھربار کو چھوڑ کر ان کے پاس چلا آیا اور مکان کے

قریب والے باغ میں مقیم ہوا۔ اس نے کہا: میں نے سنا کہ آپ کو اپنشدوں کا گیان ہے اس لئے دوڑا چلا آیا۔ میں ذات پات کو بھی فرضی اور وہمی سمجھ رہا ہوں۔ چنی لال نے ہیمراج کو محبت کی نظر سے دیکھ کر کہا: تم سچے براہمن ہو، تم میں برھمہ کا پیار ہے۔ میں تم کو اپنشد کے پوشیدہ راز بتانے سے اعتراض نہ کروں گا۔ جو شخص لڑکے یا شاگرد کی حیثیت میں آئیں اپنشد کا بھید صرف انھیں کو بتایا جاتا ہے۔ باقی اور لوگوں سے چھپایا جاتا ہے۔"

ٹھاکر چنی لال انیسویں صدی عیسوی کے ربع ثالث تک زندہ تھے۔ ان کی اولاد میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، اس طرح

۱۔ کاشی پرشاد ۲۔ گیا پرشاد ۳۔ جڑوادیوی
۴۔ مونی دی دیوی ۵۔ پریاگ دت ۶۔ شیوسمپت لال

زمینداری کی بدولت یہ سب فارغ البالی میں بسر کرتے تھے۔ علم دوستی اور مذہب پسندی ان کی موروثی تھی۔

شیوبرت لال ورمن نے ضمناً اپنے ایک چچا کے مرنے کا حال اس طرح لکھا ہے:

"[۱۰] ہندوؤں میں دستور ہے کہ مردے کو کھاٹ سے اتار کر باہر کر دیتے ہیں۔ ۱۹۰۷ء کا ذکر ہے میرے چچا پریاگ دت صاحب بیمار پڑے اور جانبر نہ ہو سکے۔ حالتِ نزع کے وقت پتاجی نے مجھ سے کہا: بیٹے انھیں کھاٹ پر سے ہٹادو اور مکان کے باہر زمین پر رکھ دو تاکہ یہ وہاں دم توڑیں۔"

میں نے پوچھا: "ایسا کیوں کیا جائے؟" فرمایا "کھاٹ بندھن ہے، مکان کے چھپر، چھت سب بندھن ہیں، ان میں رہ کر جان دینا ٹھیک نہیں۔"

کاشی پرشاد کی اولاد کے نام اس طرح تھے:

۱۔ گنیش پرشاد ۲۔ باگیشور پرشاد ۳۔ پاروتی دیوی
۴۔ جینتی پرشاد ۵۔ رنگیلی دیوی ۶۔ کریشور پرشاد
۷۔ گومتی پرشاد

ان میں سے گنیش پرشاد ساڑسٹھ برس کی عمر میں ۳/اپریل ۱۹۱۱ء کو مرے۔ ان کے دونوں بیٹے ان کی زندگی میں پہلے ہی عین جوانی میں انتقال کر گئے تھے۔ سب سے چھوٹے بھائی ٹھاکر شیو سمپت[11] لال نے دو شادیاں کی تھیں۔ دونوں بیویاں مدھیہ پردیش کے ضلع ستنا میں اونچہرہ گاؤں کی رہنے والی تھیں۔ پہلی راج وید بہاری لال کی اور دوسری راج وید رام بھدر کی بیٹی تھی۔ ان کی اولادوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ جاگیشور پرشاد ۲۔ اشرفی لال ۳۔ شیو برت لال
۴۔ شیو شنکر لال ۵۔ سون برسا دیوی

یہ سب پہلی بیوی کی اولاد ہیں۔ اور دوسری بیوی سے صرف ایک بیٹا سورج نرائن ہوا۔ ان میں سے چوتھا بیٹا یعنی شیو شنکر لال سادھو ہو کر گھر سے نکل گیا۔ پھر پتا نہ چلا کہاں اور کس حال میں رہا۔

اشرفی لال کے پاس صرف ایک بیٹا تھا رامانج پرشاد۔ جاگیشور پرشاد کے دو بیٹے تھے

۱۔ بدری پرشاد ۲۔ نربدا پرشاد

نربدا پرشاد (دوسرا) جنوری ۱۹۱۵ء میں فوت ہوا۔ سورج نرائن کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ ۱۸۸۰ء کے قریب پیدا ہوا تھا اور اس نے صرف دو بیٹے چھوڑے تھے۔ رام کشور سنگھ اور لکشمن کشور سنگھ۔ بیٹی سون برسا دیوی کی شادی ضلع رائے بریلی موضع اشرف پور کے جناب ہر ہر پرشاد کے ساتھ ہوئی تھی۔

ٹھاکر شیو سمپت لال کے مرنے کا حال خود شیو برت لال نے اس طرح قلمبند کیا ہے:

"میرے[12] پتاجی کا دیہانت ۲۹/مارچ ۱۹۱۱ء کو ہوا۔ وہ عرصہ سے فرماتے تھے کہ ایام قریب آگئے ہیں، زندگی کا ٹھکانا نہیں ہے، کیونکہ ناک کا سرا نہیں دکھائی دیتا۔ پتاجی اس بات کو عرصہ سے کہتے چلے آرہے تھے مگر کسی کو یقین نہیں تھا۔ ان کی عمر اسی برس کے قریب تھی مگر قوا اب درست تھے۔ یہ سبب تھا یقین نہ کرنے کا۔ میری بھی عقل پر پردہ پڑ گیا۔..... ناک کے سرے کا چھ مہینے پہلے سے نظر نہ آنا ایک علامت ہے جس کا علم صرف مرنے

والے کو ہوتا ہے"۔

"میرے[١٣] پتاجی کی عمر صرف اسّی برس کی تھی۔ وہ ونددھیاچل دیوی جی کے درس کو گئے۔ طاعون کی ان کو شکایت نہیں تھی۔ کھانسی زکام میں مبتلا تھے۔ وہاں سے آتے ہی بخار چڑھا۔ حالت غیر ہونے لگی۔ ۲۸/مارچ کی رات کو میرے پاس لاہور میں تار گیا اور وہ ۲۹/کی رات کو دنیا سے کوچ کر گئے۔"

شیو سمپت لال کے مرنے کے بعد شیو برت لال نے اپنے رسالہ سادھو میں یہ عبارت شائع کی تھی۔

"سنئے[١٤]! میرے پتاجی بابو شیو سمپت لال جی کا ۲۹ مارچ کی رات کے وقت دیہانت ہو گیا۔ مالک کی اچھیا......... پتاجی کی مرتیو کے تیسرے دن بڑے چچازاد بھائی بابو گنیش پرشاد جی کا دیہانت ہو گیا۔ ان سے پہلے میرے گھر میں دو موتیں اور ہو چکی ہیں۔ ہم چاروں طرف موت سے گھرے ہوئے ہیں۔ جن صاحبوں نے ہمدردی اور ماتم پرسی کے خطوط بھیجے ہیں ان سب کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں"۔

مولد :

شیو برت لال کا مولد پیاگ داسپور عرف پورہ قانون گویان تھا اور اس جگہ کے بارے میں اپنے ایک ناول میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

"پورہ[١٥] قانون گویان میں ہمارے کایستھ ہمسایہ ہیں جن کے لڑکے جب بی۔ اے۔ ایم۔ اے پاس کر لیتے ہیں تو ان کی اچھے گھروں میں شادی ہو جاتی ہے۔"

اس اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں وہاں کے کایستھ گھرانوں میں انگریزی تعلیم کا رواج ہو چکا تھا اور انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قدر کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

ولادت:

کوبیر ناتھ سریواستو نے شیو برت لال کے حالات کا آغاز ان کلمات سے کیا ہے:

"آپ[16] کا جنم مبارک ۱۸۶۰ء میں موضع پورہ قانون گویان متصل ریلوے اسٹیشن گیان پور ضلع مرزا پور کے ایک معزز کایستھ گھرانے میں ہوا۔"

ٹھاکر نندو بھائی نے اپنی تحریروں میں اس پر خاصہ اضافہ کیا ہے۔ انھوں نے انگریزی مہینہ کے علاوہ دن کا بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"داتا[17] دیال کا مبارک ظہور ماہ فروری ۱۸۶۰ء میں موضع پورہ قانون گویان ضلع مرزا پور کے ایک معزز سری واستو کایستھ خاندان میں بروز شیوراتری ہوا۔"

قابل توجہ بات یہ ہے کہ انھوں نے ایک دوسرے موقع پر شیوراتری کے بجائے مہا[18] شیوراتری لکھا ہے۔

نندو بھائی نے دیال جوگ میں ایک مقام پر شیو برت لال کی پیدائش کا وقت بھی قلمبند کردیا ہے:

"[19]۱۸۶۰ء میں شیوراتری کے دن رات کے ساڑھے بارہ بجے راج بنارس میں پرکٹ ہوئے"

اور موہن لال نیر صاحب کے بقول وہ ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے تھے۔ عقیدت نے نندو بھائی اور دوسرے سوانح نگاروں سے یہ حالات لکھوالئے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ یہ معلومات انھیں کن ذرائع سے حاصل ہوئی تھیں۔

خود شیو برت لال کا کہنا ہے کہ:

"ہماری[20] پیدائش شیوراتری کی صبح کو ہوئی تھی۔"

اس بیان سے "مہا شیوراتری" اور ساڑھے بارہ بجے رات کی بات کی قطعی طور پر تردید ہو جاتی ہے۔ شیو برت لال نے جون ۱۹۱۰ء کے رسالہ مارتنڈ میں اعتراف کیا ہے کہ:

"میری[21] عمر چالیس سے زیادہ تجاوز کر گئی ہے۔"

اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کا سال ولادت ۱۸۷۰ء سے کچھ پہلے ہوگا۔ جناب موتی لال کا بیان ہے کہ:

"[22]۷ ار فروری کو شیوراتری اور ان کا جنم دن تھا۔ اتسو منایا گیا۔ یہ ستھترویں

سالگرہ تھی۔"

یعنی اس وقت شیو برت لال اپنی زندگی کے چھہتر سال پورے کر چکے تھے اور ستھتر ویں سال میں داخل ہو گئے تھے۔ اس سے ان کا سال ولادت ۱۸۶۳ء معلوم ہوتا ہے۔ اس بیان کی صحت میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ سالگرہ کے وقت خود شیو برت لال زندہ اور موجود تھے۔

موتی لال مختار کے بیان میں جنم دن شیوراتری کو بتایا گیا ہے اور اس سال یعنی ۱۹۳۹ء میں شیوراتری ۱۷ر فروری کو تھی۔ اسی طرح منشی گوری شنکر لال اختر نے لکھا ہے:

"چونکہ[۲۳] اس بار ۲۳ر فروری ۱۹۴۱ء کو شیوراتری ہے یہی مہرشی جی مہاراج کا مبارک جنم دن ہے۔"

ان دونوں بیانوں کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ شیو برت لال کی ولادت کی تاریخ نہ ۱۷ر فروری ہے اور نہ ۲۳ر فروری ہے۔ ۱۸۶۳ء میں جس تاریخ کو شیوراتری رہی ہوگی وہی ان کی ولات کی صحیح تاریخ ہوگی۔ اس سلسلے میں آنجہانی سومتر کمار نے شیو برت لال کی جنم پتری تلاش کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن افسوس کہ وعدہ وفا ہونے سے پہلے وہ خود ہی چل بسے۔

نام :

اپنا نام رکھے جانے کے بارے میں شیو برت لال نے خود اپنے نقطہ نظر کا بیان اس طرح کیا ہے:

"ہمارا[۲۴] نام شیو ہے چونکہ پیدائش شیوراتری کی صبح کو ہوئی تھی ہمارے بابا (چنی لال) نے ہمارا نام شیو کے اوپر رکھا۔ نام ذرا لمبا چوڑا تھا۔ اکثر لوگوں کو لمبے نام پسند آتے ہیں۔ ہم بھی کبھی اس کو بہت پسند کرتے تھے۔ اب اس کو کاٹ چھانٹ کر کے دو حرفوں کا نام بنا لیا ہے۔"

لیکن یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شیو برت لال کے ایک سگے بھائی کا نام شیو شنکر لال

اور ان کے والد کا نام شیو سمپت لال تھا اس لئے امکان اس بات کا بھی ہے کہ ان کا اور ان کے ایک بھائی کا نام ان کے باپ کے نام پر رکھا گیا ہو۔

ایک جگہ شیو برت لال نے شیوورت (برت) کے مفہوم سے کسی قدر مفصل بحث کی ہے۔ اس بحث میں اپنے نام کی معنویت کے اظہار کا جذبہ بھی کار فرما ہو سکتا ہے۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا اختصار یہ ہے:

"آج شیوورت کا دن ہے۔ شیو کہتے ہیں سدھار، اُنتی، کلیان وغیرہ وغیرہ کو ...... شیوورت کا دن سال بھر میں ۳۶۵ دن کے بعد آتا ہے۔ جو دن گذر گئے گذر گئے اب قسم کھاؤ کہ شیوورت کو دھارن کریں گے۔ کسی میں عیب نہ دیکھیں گے نہ سنیں گے نہ کہیں گے۔......"

جیسے جیسے ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا ان کا نام بھی بڑا ہوتا گیا اور مرنے کے بعد تو وہ خاصا طویل ہو گیا تھا۔ چنانچہ دیال جوگ میں مختلف مقاموں پر جس طرح آیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

"سنتوں کے سرتاج، پرم پورش، پورن دھنی، حضور معلّٰی و مقدس، داتا دیال، مہرشی، شیو برت لال جی مہاراج"

ہریدوار کے زمانہ قیام میں "مہاشہ" کہلاتے تھے اور عمر کے بیشتر حصے میں اپنے نام کے ساتھ وہ خود "ورمن" لکھتے رہے تھے۔ اس سلسلے میں سومتر کمار کا کہنا ہے کہ:

"ادبی علمی دور میں اپنی خصوصی پہچان بنانے کے لئے انھوں نے اپنے نام کے آگے ورمن لکھنا شروع کر دیا تھا تا کہ عوام اس بات سے واقف ہوں کہ کایستھ قوم میں بھی ایسی ادبی شخصیتیں موجود ہیں جو تصنیف کی دنیا پر چھا سکتی ہیں۔ اس دور میں عموماً کایستھ صاحبان مختصر نام "ورما" لکھنے پر ہی اکتفا کرتے تھے۔ چونکہ آپ کو کھرے یا سریواستو لکھنا پسند نہیں تھا اور نہ ہی پنجاب کے لوگ اس ذات سے واقف تھے وہ صرف ورما کو ہی کایستھ مانتے تھے۔"

ان کا کھرے یا سریواستو نہ لکھنا غالباً اس لئے نہیں تھا کہ یہ شیو برت لال کو پسند نہ تھا۔

حقیقت شاید یہ تھی کہ وہ ہر معاملہ میں خود کو ممتاز اور منفرد ظاہر کرنا چاہتے تھے، اسی لئے انھوں نے ورما کو اختیار تو کیا لیکن اس کی صورت بدل لی اور اسے ورمن بنالیا، لیکن خود شیو برت لال کے اخلاف نے ان کی اتباع نہیں کی۔ نئی نسل نے اپنے نام کے ساتھ کھرے، سکسینہ وغیرہ لکھنا شروع کر دیا ہے۔

اپنے نام کو مختصر کر لینے کے عمل کے بارے میں سومتر کمار کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ:

"اصلاحی، روحانی لٹریچر کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد انھوں (شیو برت لال) نے خود کو ذات پات کی تقسیم اور مذہبی بندشوں کے اظہار سے آزاد کر لیا" اور شیو برت لال ورمن کے بجائے صرف "شیو" بن کر رہ گئے۔"

غور کیجئے تو اس انتہائی اختصار میں بھی اظہار عظمت کا جذبہ پوشیدہ معلوم ہوگا۔

چہرہ مہرہ :

عقیدت نے شیو برت لال کی شکل وشباہت کو مختلف زاویوں سے دیکھا ہے اس سلسلے کے بعض لائق توجہ بیان ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔[۱]

"تن وتوش کی لحاظ سے نہایت سڈول اور موزونیت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے۔ سر اور پیشانی فراخ، جو عالی دماغی اور اقبال مندی کی علامت ہیں۔ آپ در حقیقت مالکِ کل کا اوتار تھے۔ جب آپ باتیں کرتے تو لبوں کی جنبش سے ایسا معلوم ہوتا گویا گلاب کی کلیاں چٹک رہی ہیں۔ جنھوں نے آپ کی آنکھیں دیکھی ہیں وہ بلا خوف تردید اقرار کرتے ہیں کہ آپ جملہ اوصاف حسنہ سے متصف تھے۔"[۲]

"بظاہر آپ زمینی باشندے تھے مگر بہ باطن آپ عالم مستی میں عرش بریں پر مسکن رکھتے تھے۔ سادہ لباس، سادہ خوراک، سادہ رہائش، سادہ دلی، سادہ زبانی، غرض ہر طرح کا سادہ پن آپ کی زندگی کی شان خصوصی تھی۔ تکلف

کی بوتک نہیں تھی"۔

"قدو قامت اوسط درجے سے قدرے بڑا تھا۔ جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے سر مبارک ڈیڑھ دوگنا، پیشانی کشادہ، مگر کان سر کی نسبت سے بھی بہت بڑے۔ ناک کی بناوٹ ایسی کہ گویا لطیف سے لطیف شے کے خواص کو فوراً جان لینے کا ملکہ رکھتی ہے۔ چہرے پر چیچک کے ہلکے ہلکے چمکیلے نشان جو بہت ہی بھلے دکھائی دیتے تھے۔ آنکھیں ایسی تیز اور دور بین کہ سامنے سے گذرنے والے ہر راہرو کی دلی کیفیت فوراً بھانپ لیتی تھیں۔ مونچھیں بڑی بڑی اور مانند کمان، خمدار واقع ہوئی تھیں۔ ہونٹ لب شیریں یا لعلیں تھے۔ رخ مبارک ربی نور سے منور، خوشی ہر بن مو سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتی معلوم ہوتی تھی۔ کیا مجال کوئی متفکر اور دکھیا پاس آئے اور اس کا غم دور نہ ہو۔ آواز سریلی، باتوں میں شیرینی، پریم کی مورت، دیا کی صورت"۔[28]

"بچپن میں چیچک کا زبردست عارضہ لاحق ہوا۔ سارے جسم پر چیچک کے گہرے داغ پڑ گئے تھے جس سے چہرے کا رنگ سانولا ہو گیا تھا۔ والد صاحب نے خاندان کے کنول کا خطاب دیا۔"[29]

اب خود شیو برت لال کا بیان سنئے جو آنجہانی سومتر کمار نے نقل کیا ہے اور حقیقت اور عقیدت کے فرق کو دیکھیے:

"میری اپنی زندگی کی مثال کی شہادت شاید سب سے زیادہ پُر اثر اور سبق آموز ہوگی۔ میں دنیا میں نہایت بد صورت بن کر آیا تھا یہاں تک کہ میرے مرحوم والد بزرگوار جنھیں مجھ سے محبت ہونی چاہئے تھی مجھے ہمیشہ برے اور مکروہ نام سے موسوم کرتے تھے۔ بچپن میں لوگوں سے ملتے ملاتے وقت مذاقیہ پیرایہ میں فرماتے تھے کہ:

'اس لڑکے کو برہما نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے'۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ باپ کے ان لفظوں سے بچہ کے دل کو کیسی ٹھیس لگا کرتی

ہو گی لیکن میں نے اپنی ہمدرد عورت کی صلاح کو دل دیکر سنا اور دل میں حُسن کے تصور کو جگہ دی اور دیکھتے دیکھتے میرے خط و خال میں بدیہی فرق آگیا اور تھوڑے ہی دنوں میں میں نے اپنی سعادتمندی فرمانبرداری اور فرزندانہ محبت سے پتا جی کو اپنا گرویدہ بنالیا اور یہ کیفیت ہو گئی کہ وہ مجھے اپنی اولاد میں سب سے زیادہ بہتر سمجھنے لگے اور جدائی کے وقت اکثر رو دیا کرتے تھے۔ مشترکہ گھر میں پتا جی کی نظر صرف میرے ہی اوپر رہا کرتی تھی اور وہ اس وجہ سے تھی کہ میں نے خوش دلی، نیک پسندی، اور مصلحت بینی کے خیال کو جذب کر کے اپنی گڑھت کر لی اور گو اس ستاون برس کی عمر میں میں حسین نہیں ہوں لیکن کوئی بدصورت بھی نہیں کہہ سکتا۔ قوت خیالی سے آدمی کیا نہیں کر سکتا۔"

شیو برت لال کی یہ تحریر ۱۹۲۰ء کی ہے اس وقت انھوں نے اپنی عمر ستاون برس بتائی ہے اس سے بھی ان کا سال ولادت ۱۸۶۳ء ہی معلوم ہوتا ہے۔

مزاج و عادت :

شکل، صورت اور حالات کا آدمی کے مزاج اور اس کی عادتوں کو بنانے بگاڑنے میں اہم کردار ہوتا ہے۔ شیو برت لال نے خود اپنے بارے میں لکھا ہے کہ:

"میں[۳۰] دنیا میں نہایت ہی بدصورت بن کر آیا تھا گھر اور باہر لوگ مجھ کو کراہیت کے نام سے موسوم کرتے تھے، یہاں تک کہ میرے والد بزرگوار اکثر کہا کرتے تھے کہ برہما نے تجھ کو اپنے ہاتھوں سے گڑھا ہے۔ مولوی صاحب جو مجھ کو فارسی پڑھایا کرتے تھے ہمیشہ برے نام سے پکارا کرتے تھے۔ میں سب کی سنتا اور سب کی باتیں برداشت کیا کرتا تھا۔ یہ بدصورتی بھی میرے لئے باعث برکت تھی کیونکہ اس کی وجہ سے مجھ سے کمتر آدمی مانوس ہوتے تھے اور مجھ کو بری صحبت کی ہوا سے ہمیشہ نجات رہتی تھی۔

میں لڑکپن ہی سے تنہائی پسند ہوں اور اب تک بھی اسی طرح زندگی بسر کرتا چلا آرہا ہوں۔"

اس تنہائی پسندی کا ذکر ان کے ایک عقید تمند کو بیر ناتھ سریواستو نے اس طرح کیا ہے:

"نمائش[۳۱] وزیبائش کو پسند نہیں کرتے تھے۔ الگ تھلگ رہنے میں زیادہ خوشی محسوس کرتے، بات چیت بہت کم کرتے، کھیلوں میں کبڈی کو زیادہ پسند کرتے اور اس میں نمایاں حصہ لیتے۔ خودداری کا بہت خیال رہتا تھا اس لئے اپنے آپ کو ہمیشہ ضبط میں رکھتے"۔

ان کے مزاج، اطوار اور خوراک وغیرہ کا بیان ٹھاکر نندو سنگھ نے اس طرح کیا ہے:

"کبھی[۳۲] بیکار نہیں بیٹھے، زندگی بالکل سادہ، قدرتی اور آزادانہ تھی۔ قید و بند کی حالت کبھی پسند نہیں تھی، حق و حلال کی روزی سے زندگی بھر تعلق رکھا۔ خوراک نہایت قلیل یعنی ایک چپاتی تک محدود تھی، خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچاتے تھے۔ مزاج میں حد درجہ کی فروتنی اور انکساری تھی، لوگوں کی غلطیوں کو دیکھ کر چشم پوشی کرنے اور ان کے گناہوں کو معاف کر دینے کا وصف آپ میں نمایاں طور پر موجود تھا۔"

اور زندگی بسر کرنے کے بارے میں اپنے نظریہ کا بیان خود شیو برت لال نے اس طرح کیا ہے کہ:

"میں[۳۳] نے جو زندگی اختیار کی ہے وہ صرف خدمت کی زندگی ہے اور چونکہ بے غرضانہ خدمت کا خیال رہتا ہے میں دوست دشمن سب کے خادم کی حیثیت میں رہنا چاہتا ہوں۔ جو میری عزت کرتے ہیں وہ بھی مجھ کو پیارے ہیں۔ جو میری بے عزتی کرتے ہیں ان سے بھی مجھ کو محبت ہے۔ پھر میں کس پر اپنے غصہ کا اظہار کروں۔ دنیا میں عزت و بے عزتی کے سلسلے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ایک کے خواہشمند کو دوسرے کا بھی نشانہ بننا پڑتا ہے۔"

والدین سے معاملات:

شیو برت لال نے اپنے سفر نامے کے آغاز میں لکھا ہے کہ:

"ماں[۳۴] باپ کا سایہ رحمت الٰہی ہے۔ آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس سایہ سے محرومی سے دل کا کیا حال ہوتا ہے مبارک ہیں وہ لوگ جن کو روز ماں باپ کے درشن نصیب ہوتے ہیں کیونکہ دنیا میں یہ ایشور کی جیتی جاگتی مورتیں ہیں۔"

شیو برت لال ورمن کی ماں اپنے بچوں کو عالم طفلی میں ہی چھوڑ کر مر گئی تھی۔ اس کے بعد ٹھاکر شیو سمپت لال نے دوسری شادی کر لی۔ کہنے کو تو وہ شیو برت لال کی سوتیلی ماں تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سے بہت محبت کرتی تھی اور یہ بھی اس کا پورا پورا احترام کرتے تھے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"لڑکپن کا زمانہ تھا میں کھاٹ پر اپنی سوتیلی ماں کی گود میں لیٹا ہوا تھا میں نے کہا: اماں کوئی قصہ سناؤ جس سے دل بہل جائے"

اس نے کہا: "بہت اچھا سنو"

اس چھوٹے سے مکالمے سے بول چال کے اس طرز کا اندازہ کیا جانا چاہئے جو اس گھرانے کا تھا۔

ٹھاکر شیو سمپت لال کی اس دوسری بیوی کے بطن سے صرف ایک بیٹا ۱۸۸۰ء کے قریب پیدا ہوا۔ اس کا نام سورج نرائن سنگھ رکھا گیا۔ سورج نرائن سنگھ کی ماں کی زندگی نے بھی وفا نہ کی اور وہ بھی جلدی ہی فوت ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ:

"ان کی سوتیلی ماں نے مرتے وقت اپنے بیٹے سورج نرائن سنگھ کو شیو برت لال کی گود میں ڈال کر وعدہ لیا تھا کہ تمام زندگی اس کا خیال رکھیں گے۔"

اپنے شوہر اور بڑے بیٹوں کی موجودگی میں اس کا شیو برت لال سے رجوع کرنا اہم بات ہے۔ شیو برت لال نے آخر عمر تک اپنے وعدے کا پاس کیا اور جب انھیں گھر سے نکلنا پڑا تو وہ اپنے چھوٹے بھائی کو ہر جگہ ساتھ لیتے گئے۔

باپ بھی شیو برت لال سے محبت کرنے لگے تھے۔ ان کے انتقال کا ذکر کرتے ہوئے شیو برت لال نے لکھا ہے کہ:

"[۳۵] پتا جی کا مرتک سنسکار ہو چکا تھا۔ مجھ سے آخری ملاقات نہیں ہوئی۔ مجھ کو رہ رہ کر یاد کرتے رہے کیونکہ سارے لڑکوں میں وہ مجھ کو زیادہ پیار کرتے تھے۔ اس کا باعث یہ تھا کہ مجھ کو اور میری مرحومہ بیوی کو ہر طرح پر ان کی خدمت کا خیال رہتا تھا۔"

شادی:

شیو برت لال جب برسر روزگار ہوگئے تو ان کے باپ کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ اس بارے میں مشہور روایت وہ ہے جو کوبیر ناتھ سریواستو نے نقل کی ہے یعنی:

"[۳۶] آپ انٹرنس میں تعلیم پا رہے تھے آپ کی شادی کا تذکرہ چھڑا مگر آپ برابر انکار ہی کرتے رہے۔ آخر مہر پدری کے باعث والد بزرگوار نے آپ سے مشورہ کئے بغیر شادی کر دینے کا تہیہ کر لیا۔ تلک کا دن مقرر کر کے برادری کے ایک آدمی کو آپ کو بلانے کی لئے متعلقہ اسکول میں چنار بھیج دیا۔ آپ نے گاؤں جانے سے پس و پیش کیا۔ وہ آدمی بہت بگڑا۔ سمجھایا کہ اس وقت آپ کا گاؤں نہ جانا دونوں گھروں کے لئے بے عزتی کا باعث ہوگا چنانچہ آپ گاؤں چلے آئے۔ تلک کی رسم کے کچھ عرصہ بعد آپ کی شادی ضلع الہ آباد کی ایک نیک سیرت اور قبول صورت دیوی موسومہ بہ جسودا دیوی سے مبارک ساعت میں ہوئی۔ اسی سال آپ نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور یوپی بھر کے طلباء میں ممتاز رہے۔"

لیکن اس بیان میں بعض بنیادی غلطیاں ہیں۔ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹھاکر شیو سمپت لال کی دوسری بیوی (سورج نرائن سنگھ کی ماں) کے انتقال کے بعد شیو برت لال کی شادی ہوئی تھی اور ظاہرا اس میں باپ کی طرف سے جبر کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ خود

شیو برت لال کا بیان ہے:

"میری[۳۷] بیوی کا نام جسودا کنور تھا۔ یہ ضلع الہ آباد کے موضع بند حواری پچوارہ (تحصیل منجھن پور) کے زمیندار لالا ماتا پرشاد صاحب مرحوم کی لڑکی تھی۔ ۱۸۸۹ء میں میرے ساتھ اس کی شادی ہوئی ...... ۱۸۸۸ء میں میں نے میور سینٹرل کالج چھوڑا اور چنار میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوا اس کے دوسرے ہی سال میری شادی جسودا کنور سے ہوئی۔ جسودا کنور پاک قسم کی مخلوق تھی۔ پرماتما نے میرے اوپر بڑی مہربانی کی۔ اس نیک دل اور سچی عورت نے مجھ کو چند ہی روز میں کچھ کا کچھ بنادیا...... میری اور باتوں کے علاوہ میری صورت شکل میں بھی سخت تبدیلی پیدا کر دی اور اس کی اصل محبت نے مجھ کو کچھ کا کچھ بنادیا ہے۔ نیک بیوی کا اثر اس کے خاوند پر اس قسم کا ہوتا ہے۔"

سسرال والوں کے ساتھ جسودا کے روابط تاحیات اچھے رہے۔ شیو برت لال ہمیشہ اس کی تعریف کرتے رہے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"راقم[۳۸] کو بھی ایک دوست اس زندگی میں ہاتھ آیا تھا جس نے میری زندگی خاص قسم کے سانچے میں ڈھال دی۔ وہ میری بیوی تھی۔ یہ لکھنے، پڑھنے، کتھا وارتا اور تصوف کا جو شوق تم مجھ میں دیکھتے ہو اس کی برکت سے ہے۔ میں جیسا تھا میں جانتا ہوں یا میرا خدا لیکن اس نے آتے ہی خاص قسم کی دوستی کے پردے میں میری زندگی کی بنیاد رکھدی۔"

اپنی تصنیفی زندگی کے آغاز کے لئے شیو برت لال جسودا ہی کو ذمہ دار مان کر اس کی ستائش کرتے تھے چنانچہ ذیل کے اقتباس میں بھی ہے:

"جب[۳۹] میں ہندوستان کے تمام حصوں میں سیاحت کرنے کے بعد آریہ سماج انسٹی ٹیوشن بریلی کا ہیڈ ماسٹر ہوا میری بیوی بھی وہاں میرے ساتھ ہی رہتی تھی۔ میں اکثر اس کو تلسی داس جی کی راماین سناتا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ تم روزانہ مجھ کو نیک عورتوں کے حالات سنایا کرو۔ اس وقت مجھ کو

نئی فکر دامنگیر ہوئی۔ میں مرحومہ کے خوش کرنے کے لئے قدیم کتابوں سے اس طرح کے تذکرے اکٹھا کرنے لگا............ آخر اس نے درخواست کی کہ سب کو سلیس اردو میں لکھ کر چھپوادو۔ میں نے اس طرح کے پچیس رسالے ترتیب دئے جو بھارت کی شجاع اور عالم استریوں کے کارنامے کے نام سے مشہور اور مقبول ہوئے۔ یہ سلسلہ ہندو خاندان کو بطور تحفہ میری بیوی کی تحریک سے نذر کیا گیا ورنہ میرا خیال اس طرف شاید ہی رجوع ہوتا۔"

ٹھاکر نند و بھاری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"۱۹۰۱ء میں مہرشی جی مہاراج کی اہلیہ وفات پا گئیں"۔[۴۰]

اور انھوں نے دوسرے مقام پر ان کا سال وفات ۱۹۰۴ء تحریر کیا ہے[۴۱]۔ سومتر کمار کا کہنا ہے کہ ان کا انتقال ۲۰ر ستمبر ۱۹۰۴ء کو ہوا شیو برت لال کی ایک کتاب میں چھپا ہے کہ:

"۱۹۰۴ء[۴۲] میں مرحومہ سخت بیمار ہوئی مرض نے اس کو اس طرح دبوچ لیا کہ وہ جانبر نہ ہو سکی اور پورہ قانون گویان ضلع مرزا پور میں جو میری پیدائش کی جگہ ہے اس نے ۳۰ر ستمبر ۱۹۰۴ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت کی۔"[۴۳]

اور ایک دوسری جگہ مذکور ہے کہ: "۲۱ ستمبر[۴۴] کو رحلت کی"

صحیح تاریخ ۲۰ ستمبر ۱۹۰۴ء معلوم ہوتی ہے۔ باقی جگہوں پر شاید کتابت کی غلطی ہو گی۔

یہ بھی مذکور ہے کہ مرنے سے پہلے جسودا کنور نے شوہر سے کہا تھا کہ:

"میرے بعد تم شادی کر لینا ورنہ مشکل سے گذر ہو گی۔ میں اجازت دیتی ہوں" لیکن جب وہ رضامند نہ ہوئے تو کہا کہ:

"پھر گھر میں نہ رہنا۔ ہمیشہ پردیس میں رہنا"۔

شیو برت لال کا کہنا ہے کہ[۴۴] یہی وجہ ہے کہ میں پنجاب میں رہ کر اہل پنجاب کی خدمت میں مصروف ہوں۔ جسودا کنور کے فوت ہو جانے کے بعد وہ تاحیات ان کی وصیت کے مطابق عمل کرتے رہے۔ لکھتے ہیں:

"اس[۴۵] زندگی کو ناکارہ سمجھ کر لاہور میں آ کر اس کی وصیت کو پیش نظر رکھ کر

ہندو استریوں کے متعلق ضخیم رسالے لکھے ہیں جو ہماری ماتائیں، سچی دیویاں، ستی برتانت، راجستھان کی بیر رانیاں، سچی استریاں وغیرہ کے نام سے ہندی اور اردو میں شائع ہو کر فروخت ہو رہی ہیں۔ میں خوش ہوں کہ میری استری کی تحریک نے بہت بڑی ضرورت کے رفع کرنے کا اہتمام کیا۔ اب بھی میں جو کچھ لکھتا رہتا ہوں اس میں اس کے خیال کی روح موجود رہتی ہے اور وہ کام کراتی رہتی ہے۔"

جسودا کنور کی وصیت علمی نقطہ نظر سے نہایت اہم ثابت ہوئی۔ یہ بات بھی خاص طور سے توجہ طلب ہے کہ اس زمانے میں اردو کا ہندوؤں میں اس حد تک چلن تھا کہ ہندو خاتون کو وصیت کرتے وقت دوسری زبان کا خیال بھی نہیں آیا اور مذہبی کتابوں کے لئے بھی اس نے "سلیس اردو" کو پسند کیا۔ شیو برت لال کے عمل پر بھی نظر کی جانی چاہئے کہ انھوں نے اردو خط میں ٹھیٹھ عقیدے سے متعلق بہ کثرت کتابیں لکھ کر کم از کم اپنے معتقدین کے لئے اردو کو مقدس مذہبی زبان کا درجہ دیدیا تھا۔

رہن سہن :

شیو برت لال کی سادگی کا ذکر آچکا ہے۔ یہ سادگی اور ستھرائی ان کے رہن سہن میں بھی نمایاں تھی۔ سومتر کمار کا بیان ہے کہ ان کا سامان بس اسی قدر تھا کہ:

"ایک کرتا، دھوتی، تولیہ، شال، دری، ایک لوٹا، چھتری، قلم اور ایک ٹوتھ برش۔ وہ کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے اور عقید تمندوں کی دی ہوئی چیز فوراً عقید تمندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ غذا میں صرف دو ہلکی پھلکی چپاتیاں ہوتی تھیں جو دال اور سبزی سے کھالیتے تھے۔ آخر زمانے میں رادھا سوامی دھام میں ایک کٹی میں سارا وقت گذار دیتے تھے۔"

اولاد :

شیو برت لال کی تین بیٹیاں جسودا کنور کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔

۱۔ سبھدیٔ دیوی۔ ان کی شادی گورکھپور کے ہری ہر سہائے زمیندار بابو کے ساتھ ہوئی تھی۔

۲۔ دویاوتی عرف چن مُن دیوی۔ یہ کشنی کے منشی گوری شنکر لال اختر کی اہلیہ تھیں۔ اختر کے حالات آگے آئیں گے۔

۳۔ کلاوتی عرف من من دیوی۔ رام چندر نے ضمناً ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"حضور[۴] کی چھوٹی لڑکی من من دیوی جی بھی تشریف فرما تھیں جو آگرہ کے ایک پروفیسر صاحب سے بیاہی ہوئی ہیں۔ وہ حضور کے خاص مذاق کا باعث بنی ہوئی تھیں۔ فرمایا: مُن مُن تم کیسے بھول کر یہاں آگئیں؟ چچا کے ہاں تو تمھیں سب کچھ ملتا ہے۔ فقیر کے پاس تو چارپائی بھی نہیں، زمین پر سونا پڑیگا۔ پھر پوچھا بچوں کا کیا حال ہے؟ جواب ملا بڑی لڑکی ایم ایس سی میں پڑھ رہی ہے۔ حضور نے فرمایا 'میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ لڑکی کو اتنی تعلیم دینے کا تمھارا کیا مطلب ہے؟ کیا نوکری دلوانی ہے؟ مُن مُن دیوی نے جواب دیا: یہ اس کے پتاجی کی اچھا ہے۔ حضور نے فرمایا: خیر میں تو اس کا حامی کار نہیں۔"

نندو بھائی نے مُن مُن دیوی کے شوہر کا تعارف اس طرح کرایا ہے کہ:

"[۷] منمن دیوی کی شادی بہرائچ کے زمیندار بابو اقبال بہادر صاحب کے فرزند بابو جالیا پرشاد صاحب ایم ایس سی پروفیسر کایستھ پاٹھ شالا کالج الہ آباد کے ساتھ انجام پائی۔"

غالباً بعد میں بابو جالیا پرشاد نے آگرے میں ملازمت حاصل کر کے وہیں اقامت اختیار کرلی ہوگی۔

شیو برت لال کی تینوں بیٹیاں عمر طبعی کو پہنچیں اور انھیں سے ان کی اولاد کا سلسلہ قائم ہے۔ شیو برت لال کے یہاں ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا لیکن وہ کمسنی میں ہی فوت ہوگیا۔ غالباً اسی لئے انھوں نے اپنے سوتیلے بھائی سورج نرائن سنگھ کی تمام عمر بیٹے کی طرح پرورش کی تھی۔

تعلیم :

شیو برت لال بقول خود بچپن میں نہایت بد صورت تھے جس کی وجہ سے ان کے والدین کو ملال رہتا ہوگا۔ اس عیب کی تلافی کے لئے انھوں نے ان کی تعلیم اور تربیت پر زیادہ زور دیا اور خود شیو برت لال نے بھی اس معاملے میں محنت کی۔

گھر کا ماحول مذہبی تھا اس لئے شروع میں شیو برت لال کو ہندی پڑھائی گئی۔ اس کے بعد سنسکرت کی تعلیم دی گئی۔ پھر شرفا کے دستور کے مطابق عربی فارسی سکھانے کے لئے اچھے استاد مقرر کئے گئے۔ ٹھاکر نندو سنگھ نے اس بارے میں مختصر اً لکھا ہے کہ:

"آپ[۸] کی ابتدائی تعلیم گیان پور ضلع بھدوہی میں ہوئی۔ آپ اردو فارسی، عربی ہندی اور سنسکرت کے زبردست عالم تھے۔ اوائل تعلیم کے زمانے میں ہی گلستاں، بوستاں اور مثنوی مولانا روم کا حفظ ہو چکا تھا۔ نیز تلسی داس جی کی رامائن بھی آپ کو ازبر تھی۔"

ابتدائی تعلیم کے لئے شیو برت لال کا گیان پور جانا خلاف قیاس ہے۔ صحیح یہ ہے کہ شروع زمانے میں زمینداروں کے دستور کے مطابق ٹھاکر شیو سمپت لال نے اپنے بیٹے کو اپنی نگرانی میں تعلیم دلوائی تھی۔ ان کو درس دینے کے لئے استاد گھر پر آتے تھے۔ چنانچہ سومتر کمار نے اطلاع دی ہے:

"ان کی بچپن کی تعلیم گوپی گنج میں ہوئی تھی۔ جناب لچھمن پرشاد ٹیچر اور مولانا عبدالواحد صاحب نے عربی اور فارسی کی تعلیم بہت دلچسپی سے دی تھی۔"

لچھمن پرشاد کے نام کے ساتھ لفظ ٹیچر کے چسپاں ہو جانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صاحب شاید کسی انگریزی اسکول میں استاد رہے ہوں گے۔ افسوس ہے کہ ان دونوں استادوں کے حالات کا پتا نہیں چل سکا۔

فارسی اور عربی کے مصادر کو شیو برت لال تمام عمر بہت اہمیت دیتے رہے چنانچہ ایک اشتہار اس طرح بھی شائع ہوا ہے۔

"صوفیائے کرام کی کتابیں، جن کے پڑھنے کی ایڈیٹر صاحب وگیانی (یعنی شیو برت لال) اپنے ناظرین کو سفارش کرتے ہیں:[۴۹]
مثنوی مولانا روم، فصوص الحکم، گلشن اسرار، تذکرۃ الاولیاء، تذکرۂ غوثیہ، کیمیائے سعادت، مثنوی بو علی شاہ قلندر کلاں، منتخبات بند یشری، موتیوں کا ہار یعنی مثنوی مولانا روم کی اخلاقی حکایتوں کے اردو ترجمے، دیوان حافظ، دیوان شمس تبریز، مجموعہ رباعیات سرمد، عمر خیام، بیدل، سعدی، وغیرہ"

کوبیر ناتھ سریواستو نے شیو برت لال کی ابتدائی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"عہد[۵۰] طفولیت میں آپ نے ہندی کی تعلیم پائی اور درجہ چہارم والد صاحب کی زیر نگرانی گاؤں (پورہ قانون گویان) کے مدرسہ میں پاس کیا۔"

اس زمانے میں پورہ قانون گویان میں مزید تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے شیو برت لال کو باہر نکلنا پڑا۔ سومتر کمار نے اطلاع دی ہے کہ انھوں نے گوپی گنج کے ڈسٹرکٹ بورڈ اسکول میں تعلیم پائی اور وہیں سے مڈل پاس کیا۔ اس کے بعد بقول کوبیر ناتھ سریواستو:

"آپ[۵۱] نے انگریزی تعلیم تحصیل چنار ضلع مرزاپور میں حاصل کی۔"

لیکن سومتر کمار کا کہنا ہے کہ انھوں نے انٹرنس کا امتحان الہ آباد ہائی اسکول الہ آباد سے پاس کیا تھا۔ ٹھاکر نندو سنگھ نے بھی لکھا ہے کہ:

"ہائی[۵۲] اسکول اور کالج کی تعلیم الہ آباد میں مکمل کی"۔

کوبیر ناتھ سریواستو نے شیو برت لال کی طالب علمی کے زمانے کے حالات کے سلسلے میں کہا ہے کہ:

"زمانہ[۵۳] طالب علمی میں آپ کئی دفعہ اپنے ہاتھوں سے کھانا بناتے، جب کبھی گاؤں کے آدمی چنار جاتے اور آپ کے یہاں ٹھہرتے آپ ان کی اچھی خاطر تواضع کرتے۔ آپ دوسروں کو کھلانے میں بہت خوشی محسوس کرتے۔ اکیلے کھانے میں آپ کو وہ لطف کبھی حاصل نہ ہوتا جو بانٹ کر کھانے میں میسر تھا۔ آپ کا کلام ہے"

تنہا خوری کی نہ آئی عادت نیرؔ — ساتھ اوروں کے میرا کھانا پینا یکسر
جو ہاتھ لگا کر دیا تقسیم اسے — اس ڈھنگ سے ہوتی ہے گذر اور بسر"

ان بیانوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید شیو برت لال ہوسٹل میں نہیں رہتے تھے۔ شہر میں کوئی کمرہ کرائے پر لیکر رہتے ہونگے۔

کوبیر ناتھ سریواستو نے اسی زمانے کا ایک واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:

"ایک[54] دن ایک ماسٹر صاحب جماعت سے کچھ دیر کے لئے باہر چلے گئے۔ لڑکوں نے حسب عادت شور وغل مچانا شروع کر دیا...... اتفاق وقت آپ بھی اس میں شامل ہوگئے۔ جب ماسٹر موصوف واپس آئے تو سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے چپ کرایا۔ ماسٹر صاحب نے آپ کو اپنے پاس بلا کر کہا:
'تمھارے لئے یہ موزوں نہیں تھا۔ مجھے تم سے کبھی ایسی امید نہیں تھی۔'
آپ کے دل پر اس کا بہت اثر ہوا آپ ماسٹر ممدوح کے عمر بھر احسان مند رہے"

شیو برت لال نے کایستھ پاٹھ شالا الہ آباد سے ایف اے کرنے کے بعد میور سینٹرل کالج الہ آباد میں داخلہ لیا اور ۱۸۸۸ء میں وہیں سے ایم اے کی سند حاصل کی۔ خود لکھتے ہیں کہ:

"میں[55] نے ۱۸۸۸ء میں میور سینٹرل کالج چھوڑا"

ڈاکٹر آف لاز:

رسمی تعلیم کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا لیکن تحصیل علم کا شوق بے پناہ بدستور تھا۔ طبیعت جوان اور حوصلے بلند تھے۔ بتایا گیا ہے کہ بریلی کے قیام کے زمانے میں انھوں نے یکے بعد دیگرے دو مقالے لکھے۔ ان کو امریکہ بھیجا تو شکاگو الی نائز کی مغربی یونیورسٹی نے پہلے پر ۲ر جون ۱۸۹۹ء کو ماسٹر آف آرٹس کی اور دوسرے کے لئے ۲۲ر دسمبر ۱۸۹۹ء کو ڈاکٹر آف لاز کی اعلاترین سند عطا کی۔ کوبیر ناتھ سریواستو نے لکھا ہے کہ:

"آپ[56] نے جاپان انگلینڈ اور امریکہ میں دورہ جات کرتے ہوئے جی کھول کر اپنے مشن کا پرچار کیا۔ شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) سے آپ کو ایم اے، ایل ایل

ڈی کی ڈگری حاصل ہوئی۔ وہاں سے واپس آکر چند سال لاہور میں پھر قیام کیا۔"

یہ صحیح نہیں ہے کہ جاپان اور امریکہ کے سفرِ ڈگری ملنے کے کئی برس بعد کیے تھے چنانچہ ان کی تفصیل اپنے موقع پر بیان ہوگی۔

اس دنیا کے معاملات عجیب ہوشربا ہیں۔ کوئی گیارہ برس بعد شیوبرت لال کی مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ طرح طرح کی الزام تراشیاں ہوئیں۔ ایک رسالے میں یہ عبارت بھی چھپی :

"سنتے ہیں کہ رسالہ سادھو کے اڈیٹر بابو شیوبرت ورمن مشکل سے انٹرنس پاس ہیں اور ایم اے کی ڈگری انھوں نے ایک برائے نام امریکن یونیورسٹی سے خریدی ہے۔ اگر کسی معمولی آدمی کے متعلق یہ افواہ اڑتی تو چنداں خیال نہ تھا لیکن بابو صاحب نے ایک مذہبی اخلاقی اور سب سے بڑھ کر روحانی رفارمر کی حیثیت اختیار کر رکھی ہے۔ ایسے شخص کا خریدی ہوئی ڈگری اختیار کرنا، روحانیت کی لیڈری کو بٹہ لگانا ہے اور بابو صاحب کی اخلاقی کمزوری ہے جس کا علاج انھیں فوراً کرنا چاہیے۔ مانا کہ بابو صاحب نے قوم کے لئے ہزاروں صفحے لکھے ہیں۔ عمدہ عمدہ مضمون پبلک کے سامنے پیش کئے ہیں لیکن اگر یہ افواہ صحیح ہے تو سب پر پانی پھر گیا۔ ہمارے خیال میں یہ افواہ غلط ہے اور بابو صاحب ایسے ہی پاک خیال اور نیک دل لوگ ہیں جیسا کہ ان کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے۔"

شیخ محمد ابراہیم ذوق نے خوب کہا ہے۔

جو حسد کسی کو تجھ پر ہو تو ہے یہ تیری خوبی
کہ جو تو نہ خوب ہوتا تو وہ کیوں حسود ہوتا

شیوبرت لال امریکہ سے ڈگری حاصل کرنے سے پہلے اسکولوں میں ملازمت کر رہے تھے اس لئے ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ مشکل سے انٹرنس پاس ہیں بالکل فضول بات ہے۔ انھوں نے بعد کے دنوں میں بھی امریکہ کی ڈگریوں سے ہی نہیں خود ہندوستانی

اداروں کی تعلیمی سندوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ ان کے تصنیفی اور تالیفی کاموں کی اہمیت ان کی سندوں کی وجہ سے ہرگز نہیں ہے۔

فنافی العلم :

شیوبرت لال نہایت ذہین شخص تھے۔ وہ علم کے والہ و شیدا تھے۔ جس جگہ جاتے وہاں کی روایتوں، حکایتوں کو بغور سنتے۔ وہاں کے رہنے بسنے والوں کے معاملوں، عقیدوں، رسموں، رواجوں کو معلوم کرتے اور ان پر غور و فکر کرتے۔ جو سرمایہ تحریری صورت میں دستیاب ہو جاتا اس کا مطالعہ کرتے اور اس طرح اپنے علمی سرمائے میں تمام عمر اضافہ کرتے رہے۔ خود لکھتے ہیں :

"مجھے طالبعلموں کی طرح گورو گرنتھ صاحب کے مطالعہ کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اب اس قابل ہوا ہوں کہ اس کی وضاحت اور صراحت کی جانب توجہ دوں۔"

اور: "میں نے[۵۸] اس ضعیفی کے عالم میں ستار کا شوق کیا۔ پہلے چونکہ فارسی خواں گروہ کے درمیان پرورش پائی تھی موسیقی کے متعلق غلط خیال بھرے تھے۔ اب فقیروں کی صحبت میں اس کے کمال کی سمجھ آئی"۔

کچھ شبہ نہیں کہ انھیں فنافی العلم کا مرتبہ حاصل ہو گیا تھا اور بصورتِ موجودہ ان کے علم و فضل کی حدوں کا تعین کرنا بھی عملاً ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ ان کی تصانیف، ان کے کمالات علمی کی بہترین مظہر ہیں۔

شیوبرت لال کا حافظہ بھی بہت قوی تھا۔ اس پر ان کی غیر معمولی خوداعتمادی مستزاد تھی۔ مثال کے طور پر صرف دو اقتباس یہاں نقل کئے جاتے ہیں :

(الف) منڈک اپنشد کے دیباچہ میں شیوبرت لال نے لکھا ہے کہ :

"اسے حجامت کرنے کے راز کا کاشف سمجھا گیا ہے۔ سوامی شنکر آچاریہ جیسے جید اور زبردست عالم نے بھی یہی غلطی کی ہے۔ اپنشدوں کی تاریخ میں پہلا شخص میں ہوں جو اس قدیم رائے کی مخالفت کرتا ہوں۔"

(ب) اسی طرح کبیر درپن کے مقدمہ میں بھی بہت دوٹوک انداز سے کہتے ہیں کہ:

"میں نے بہت زبانوں کی کتابیں پڑھی، لکھی ہیں۔ اس بزرگ (کبیر) کا کلام میری نظر میں سب پر فائق ہے۔"

وہ بھرے مجمع میں اپنے خیالوں کی صحت کا پر زور طریقے سے اعلان کرسکتے تھے چنانچہ آریہ سماج کے مندر میں ان کی ایک تقریر کو رام چندر نے اس طرح نقل کیا ہے:

"دوستو: آریہ سماج کا مول منتر، گایتری منتر، ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے جتنے بھائی بیٹھے ہیں ان میں سے ایک بھی اسے نہیں سمجھتا۔ یہ بات میں ویسے ہی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ دعوے کے ساتھ کہہ رہا ہوں اور وہ دعویٰ بادلیل ہے۔ سنوے ۱۹۲ء میں میں نے اپنے انوبھو کے آدھار پر گایتری رہسیہ نامی کتاب لکھی اور نہایت محبت اور عزت کے ساتھ مہاتما ہنسراج جی پردھان آریہ پرتی ندھی سبھا لاہور کی سیوا میں بھینٹ کرتے ہوئے پرارتھنا کی:

مہاتما جی گایتری منتر کی نسبت میرا یہ انوبھو ہے۔ اگر آپ کا انوبھو کچھ اور ہو تو مجھے لکھیں تاکہ مجھے آگے سوچنے کا موقع ملے'

آج تک ان کا کوئی جواب نہیں آیا۔ بالآخر میں یہ یقین کرنے پر مجبور ہو گیا کہ آریہ سماج جنتا اس منتر کے مفہوم سے بالکل بے بہرہ ہے۔"

شیوبرت لال کی تصنیفوں کا معیار خاصا بلند ہے ان کی کتاب شری وگیان رامائن کے بارے میں گوری شنکر لال اختر کا دعویٰ ہے کہ:

"ایسی کتاب سنسکرت زبان میں بھی نہ نکلے گی۔"

ان کی دوسری مختلف تصانیف کے بارے میں بھی ان کے عقیدتمندوں کی ایسی ہی رائیں ہیں۔

واقعات بتاتے ہیں کہ شیوبرت لال نے دنیا کے تقریباً سبھی بڑے مذہبوں کی بنیادی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور انھوں نے متعدد زبانوں سے واقفیت حاصل کرلی تھی۔

ایک رائے :

شیو برت لال نے نکتہ رس طبیعت پائی تھی۔ علم اور تجربے نے انھیں اس حقیقت سے آشنا کر دیا تھا کہ مروجہ تعلیمی نظام ملک اور قوم کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں ہے۔ انھوں نے خود ایک واقعہ اس طرح نقل کیا ہے :

"[۶۰] میں آریہ گزٹ کی ایڈیٹری کے زمانے میں مہاتما ہنسراج جی پرنسپل دیانند کالج سے ملنے گیا۔ آپ بورڈنگ کے نقشے دیکھنے میں مصروف تھے۔ مجھ سے پوچھا: 'آپ کا خیال ہمارے کالج کی نسبت کیا ہے؟' میں نے جواب دیا: 'آپ کا کام نہایت شاندار اور مفید ہے'۔ اس سے ان کی تشفی نہیں ہوئی۔ پھر فرمایا: 'سچی رائے دیجئے' میں نے کہا کہ 'سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کے کالج سے کلرک، وکیل وغیرہ کثرت سے نکلینگے لیکن کام کا آدمی بمشکل کوئی پیدا ہوگا۔ یہ تعلیم ریا کاری اور مکاری کی موجد ہوگی اور اصول یا دھرم بھاؤ کی اس سے امید رکھنی غلط ہے۔ آپ ایک آدمی پیدا کر دیجئے وہ بے شمار کالج بنالیگا۔ ہزاروں کالج ہوں اور کوئی آدمی نہ نکلے تو اس محنت سے سوائے افسوس کے کیا حاصل ہوگا؟"

ریاستوں میں :

تعلیم سے فراغت کے بعد شیو برت لال کی ملازمت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جناب کو بیر ناتھ سریواستو نے ذکر کیا ہے کہ :

"[۶۱] بعد اختتام تعلیم آپ نے بنارس راج میں مہاراجہ رام نگر کے یہاں ملازمت اختیار کی اور اپنے فرائض منصبی نہایت مستعدی اور دلچسپی سے سرانجام دیتے رہے جس کے باعث جملہ اراکین سلطنت کی نظروں میں باوقار بنے رہے۔ آپ نے کسی سے کوئی ناجائز رقم بطور رشوت کبھی نہ لی۔ کچھ عرصہ تک آپ نے یہاں کام کیا۔ پھر یہ دیکھ کر کہ رشوت نہ لینے میں سخت دقتیں پیش آتی ہیں آپ نے استعفا دیدیا جسے مہاراجہ صاحب نے بہ

مشکل تمام منظور کیا۔"

اس کے بعد بقول سومتر کمار وہ اپنے کسی چچازاد بھائی کے واسطے سے مہاراجہ ریواں کی خدمت میں پہنچے اور کوئی چھ ماہ تک وہاں مہتمم خزانہ رہے لیکن ٹھاکر نندو سنگھ کا کہنا ہے کہ:

"[۶۲] مہرشی جی مہاراج تعلیم سے فارغ ہونے پر ریاست ریواں میں تعلقہ دار کے عہدے پر سر فراز کئے گئے۔ دل میں فقیروں کا سنسکار تھا۔ جیون سیدھا سادہ تھا۔ اس عہدے کی شان و شوکت آپ کو پسند نہ آئی اس سے علاحدگی حاصل کرلی۔"

تجارت:

ریاستوں کی ملازمتوں سے دل برداشتہ ہونے کے بعد شیو برت لال نے تجارت کی طرف خیال کیا لیکن اس سے بھی کچھ ہاتھ نہ آیا بقول ٹھاکر نندو سنگھ:

"[۶۳] کچھ دنوں کلکتہ میں تجارت کے کاروبار میں دلچسپی لی مگر تجارت کے لئے سرمایہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ وقت پر روپیہ فراہم نہ ہو سکا۔ گھر واپس آگئے۔"

پھر سومتر کمار کے بیان کے مطابق کسی فرم میں ملازمت کی وہ بھی بے حاصل ثابت ہوئی اور اسے بھی چھوڑنا پڑا۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

دو چیزے کشد آدمی را بہ زور
یکے آب و دانہ ، دگر خاک گور

ماسٹری:

شیو برت لال نے اپنی تحریروں میں بار بار یہ بات کہی ہے کہ:

"مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

اور واقعات نے ان کے اس دعوے کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ شروع میں علمی لیاقت کی بنا پر میرٹھ کے دیوناگری پاٹھ شالا میں ان کا تقرر ہو گیا چنانچہ منشی لال

جی گوئل نے لکھا ہے:

"ہم سب[64] لوگ شری چھوٹے لال جی زرگر، صدر بازار، میرٹھ کے یہاں مہمان ہوئے۔ حضور نے صرف ایک ہفتے میں انھیں ہندی سکھادی تھی۔ میرٹھ کا دیوناگری پاٹھ شالہ دیکھا جہاں حضور خود ۱۸۸۱ء میں الہ آباد کالج چھوڑنے کے بعد ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے تھے۔ حضور تھوڑے دنوں یہاں کام کر کے چنار تشریف لے گئے تھے۔"

اس پاٹھ شالا کی ملازمت کا ذکر خود شیو برت لال ورمن نے اس طرح کیا ہے:

"جس[65] چھوٹے سے کام کے ابتدائی حال میں میں شریک ہوا تھا وہ اب بہت عالی شان ہو گیا ہے۔"

اس چھوٹے سے ابتدائی حالت کے پاٹھ شالا کی ملازمت کو ہیڈ ماسٹری سے تعبیر کرنا مبالغہ ہے۔ خود شیو برت لال کے پاس اس وقت باقاعدہ تدریس کا کوئی تجربہ نہیں تھا اس لئے بھی ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے ان کا تقرر نہیں ہو سکتا تھا۔

ٹھاکر نندو سنگھ نے شیو برت لال کی ملازمتوں کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"تعلیمات[66] کی ملازمت کے سلسلے میں انھیں مرزاپور، چنار، بنارس اور بریلی میں کام کرنے کا موقع ملا۔"

امکان ہے کہ میرٹھ سے وہ مرزاپور چلے گئے ہوں اور پھر انھیں اپنے سابقہ تجربوں کی بنا پر چنار میں ملازمت مل گئی ہو گی۔ میرٹھ اور مرزاپور میں ان کے قیام کی مدت مختصر رہی ہو گی اسی لئے اکثر لوگوں نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے البتہ خود شیو برت لال نے لکھا ہے۔

"میں[67] نے ۱۸۸۱ء میں کالج چھوڑا اور چنار میں چرچ مشن اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہو گیا۔ چنار مرزاپور کے ضلع میں واقع ہے اور تاریخی مقام ہے یہاں ہندوؤں کا ایک بہت ہی پرانا قلعہ اب تک موجود ہے۔ قلعہ کی جنوبی دیوار پھٹی تو اس میں سے بودھوں کی بہت سے مورتیاں برآمد ہوئیں جن کے نیچے پالی حرفوں میں بہت سے کتبے لکھے ہوئے تھے۔ میری موجودگی میں بابو ہنومان

پرشاد مرحوم رئیس چنار کی متابعت میں ان کے لئے ان تصویروں اور کتبوں کے عکس لئے گئے جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں تحقیقات کی غرض سے بھیجے گئے تھے۔"

اس زمانے میں مشن اسکول کی ہیڈ ماسٹری بڑی چیز تھی وہاں انگریز طالب علموں اور استادوں کے درمیان رہ کر عیسائیوں کی معاشرت اور معاملت کے ساتھ ساتھ ان کے طرز فکر اور مزاج علمی کو بھی سمجھنے کے مواقع ہاتھ آگئے جو شیوبرت لال کی آئندہ ترقیوں کا سبب بنے۔

شیوبرت لال کی کارکردگی کا بیان کو بیر ناتھ سریواستو نے اس طرح کیا ہے:

"چنار[68] اسکول میں بہ عہدہ ہیڈ ماسٹری مامور ہوئے۔ اس وقت آپ کا یہ حال تھا کہ ہر گھنٹے میں کسی نہ کسی درجے کے طلباء کو پڑھاتے رہتے۔ کبھی رخصت نہیں لی، برابر اسکول کے کاموں میں لگے رہے۔"

چنار کے تجربات کا شیوبرت لال نے مختلف جگہوں پر کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے مثلاً کہتے ہیں:

"میں[69] چنار میں پہنچا۔ وہاں جس بات کو دیکھکر مجھے تعجب ہوا وہ یہ تھی کہ بعض بعض ہندوؤں کے گھروں میں مسلمان شہیدوں کی قبریں تھیں۔ یہاں تک کہ شروع شروع میں جو مکان بابو ہنومان پرشاد صاحب کی وساطت سے مجھے رہنے کے لئے ملا تھا اس میں بھی ایک شہید مرد کی قبر تھی اور ہر برہسپت کو شام کے وقت اکثر ہندو اور مسلمان وہاں آکر ہار چڑھاتے اور چراغ جلایا کرتے تھے۔"

چنار میں شیوبرت لال کوئی سات آٹھ برس تک رہے پھر وہاں کی ملازمت سے مستعفی ہوگئے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:

"میں[70] ہندوستان کے تمام حصوں میں سیاحت کرنے کے بعد آریہ سماج انسٹی ٹیوشن بریلی کا ہیڈ ماسٹر ہوگیا۔"

اس تقرری کا زمانہ ٹھاکر نند و سنگھ[1] نے ۹۷-۱۸۹۶ء بتایا ہے اس نئی ملازمت کو بدیہی طور پر شیو برت لال نے قومی خدمت کے جذبے سے اختیار کیا تھا چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ بریلی پہنچ کر وہ اپنی منزل کے راستے پر لگ گئے تھے۔ اور یہاں سے ان کی زندگی کا وہ دور شروع ہوتا ہے جس نے انھیں امتیاز عطا کر دیا تھا۔

شیو برت لال نے عجیب بے نیاز طبیعت پائی تھی۔ دنیاوی دولت یعنی روپے پیسے کی طرف وہ کبھی مائل نہیں ہو سکے۔ خود کہتے ہیں :

> "جب[2] میں ہیڈ ماسٹر تھا مجھ کو حکم تھا کہ کسی سے ناجائز روپیہ نہ لینا۔ کسی کسی وقت اپنی ساری تنخواہ استادوں اور لڑکوں میں بانٹ دیا کرتا تھا اور خالی ہاتھ گھر آجاتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ اگر رات کے بارہ بجے بھی میں ان کو بلاتا تو وہ فوراً حاضر ہوتے تھے۔"

کم و بیش اسی بات کو کوبیر ناتھ سریواستو نے اس طرح نقل کیا ہے:

> "بہ[3] حیثیت ہیڈ ماسٹر یہ حال تھا کہ جس روز آپ کو تنخواہ ملتی۔ ساتھ ہی دوسرے ماسٹروں کو بھی تنخواہ بانٹی جاتی، آپ سب کو بلا کر پوچھتے: کسی کو اپنی تنخواہ کے علاوہ مزید روپے کی ضرورت تو نہیں؟ اگر ہو تو یہ تنخواہ حاضر ہے جتنی ضرورت ہو مجھ سے لے سکتے ہو۔ ایسا کرنے کے بعد جو روپیہ بچتا وہ گھر لے جا کر طاقچے میں رکھ دیتے اور آپ کی اہلیہ اور خادمہ حسب ضرورت خرچ کرتی رہتیں۔ روپے کو اپنے پاس بالکل نہیں رکھتے تھے۔"

تعلیم اور مذہبی میلان :

شیو برت لال نے روایتی مذہبی ماحول میں تربیت پائی تھی۔ ابتدائی زمانے کے معاملوں کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے خود لکھا ہے :

> "میرے[4] خاندانی گورو موضع نینی (ضلع الہ آباد) کے ایک براہمن تھے۔ باپ کے اصرار پر میں نے اوائل عمر میں ان سے اپدیش لیا تھا مگر ان سے

صاف صاف کہہ دیا تھا کہ جس وقت کوئی روحانی معلم مجھے مل جائیگا میں اس
سے دیکشا لونگا۔ پنڈت جی نے میری شرط خوشی سے منظور کرلی تھی۔ گو یہ
پڑھے لکھے نہیں تھے مگر معمولی پنڈتوں کی طرح متعصب نہیں تھے۔"

تعصب کی بات الگ ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ نوخیز بچے کی مذہبی تربیت اور رہنمائی کے لئے ایک ایسے شخص کا تقرر کیا گیا جو خود پڑھا لکھا نہیں تھا۔ بہر نوع پنڈت جی کی تعلیم اور تربیت کے اثرات نہایت مستحکم اور دیرپا ہے۔

برہمو سماج :

برہمو سماج کی تحریک نے اس زمانے میں تعلیم یافتہ ہندوؤں کے حلقے میں، خصوصاً نوجوانوں میں اپنا اثر قائم کر رکھا تھا۔ شیو برت لال اپنے مخصوص مذہبی نقطۂ نظر سے ہمیشہ ہر لحاظ سے ہندو مذہب کی ترقی کے خواہاں اور ملکی سطح پر ہندوؤں کے واسطے بہتری کی جستجو میں رہتے تھے۔ برہمو سماج ہندوؤں کو متحد اور منظم کر دینا چاہتی تھی اس لئے اس کے اصول اور ضوابط میں انکے لئے بہت کشش تھی۔ وہ بہت جلد اس جماعت کے قریب آگئے اور عملاً اس کے بعض کاموں کے تادیر موید رہے۔ ان کے ایک ناول "جھلکدار موتی" کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ :

"اس کا قصہ عیسائیت کے خلاف اور برہمو حلقہ کی تائید میں ہے"

اس ناول سے شیو برت لال کے نہ صرف مذہبی عقائد کا پتا چلتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ان مذاہب کے بارے میں جو عالمگیر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے خیالات کیسے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہی مدت کے بعد شیو برت لال برہمو سماج سے بددل ہوگئے تھے۔ اس سماج کے لوگ مسلمانوں اور عیسائیوں سے ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھے۔ اس بارے میں لکھتے ہیں :

"ہم نوالہ ہونے سے سماج کی ترقی خاک نہ ہوگی۔ برہمو سماج نے اس کا تجربہ

کر کے دیکھ لیا۔ کتنے مسلمان و عیسائی برہمو ہوئے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو جو مذہب ترک کر کے برہمو بنے تھے علاحدہ کر دیا جائے تو برہمو سماج میں اب تک دل و دماغ کے آدمی بھی بہت کم پیدا ہوئے ہیں ...... جس روز یہ کھان پان کی قید توڑی گئی آپ دیکھیں گے کہ بہت کم لوگ (آریہ) سماج میں نظر آویں گے۔"

آریہ سماج :

شیو برت لال کی طالب علمی کے زمانے میں آریہ سماج کی تحریک اگرچہ نئی تھی، اس تحریک کے اصول اور معاملات میں پرجوش ہندو نوجوانوں کے لئے بڑی کشش تھی کیونکہ اس تحریک نے پہلی مرتبہ ذات پات کی تقسیم کے باوجود ہندوؤں کے مابین مساوات کا پرچار کرنے کے علاوہ غیر ہندوؤں کے ہندو بنا لیے جانے کی راہ نکالی تھی۔ چنانچہ یہ تحریک بہت تیزی سے ملک گیر سطح پر مقبول ہوئی۔ اس تحریک نے ہندو قوم کو نہ صرف نئی زندگی عطا کی تھی بلکہ ان میں خود شناسی کے وصف کو بھی عام کر دیا تھا۔ شیو برت لال جیسا ذہین اور مذہب پرست نوجوان اگر اس تحریک سے متاثر نہ ہوتا تو تعجب کا مقام تھا۔ انھوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ :

"میں ابتدائے ہوش سے آریہ سماج کے کاروبار سے دلچسپی لیتا رہا ہوں"

لیکن طبیعت کا اصلی میلان بھی اپنا اثر دکھاتا رہتا تھا۔ خود شیو برت لال کا بیان ہے:

"جس زمانے میں ہم چنار میں ہیڈ ماسٹر تھے آریہ سماج کے جانبدار اور پیرو کار ہوتے ہوئے بھی فقیر پرستی اور فقیر نوازی کی عادت نہ چھوڑ سکے۔ اکثر سادھو اور مہاتما ہمارے یہاں آیا جایا کرتے تھے اور اڑوس پڑوس کے ہندو لوگ سمجھتے تھے کہ ہم بھی کسی نہ کسی طرح کا فقیری عمل کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہر پہلو سے غلط تھا کیونکہ یہاں اس کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔"

سالگ رام جی :

شیو برت لال مسلسل کسی روحانی معلم کی جستجو کرتے رہے تھے۔ آخر ان کی نگاہِ انتخاب رائے بہادر سالگرام صاحب پر پڑی جو پوسٹ ماسٹر جنرل آف انڈیا رہ چکے تھے۔ وہ سوامی شیو دیال سنگھ سیٹھ کے جانشین اور خود رادھا سوامی مت کے بانی تھے۔

۲۷ اپریل ۱۸۸۷ء کو جب کہ شیو برت لال میور سینٹرل کالج الہ آباد کے طالب علم تھے انھوں نے رائے صاحب کی خدمت میں انگریزی زبان میں درخواست بھیجی تھی اس میں لکھا تھا کہ :

"میرے مرحوم عبرانی کے استاد ریورنڈ ڈبلو ہوپر صاحب ایم۔اے، نے جو نہایت مستعد مبلغ تھے، مجھے اپنے مذہب سے تشفی دینے کی حتی المقدور کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ بھی ایک مذہبی سلسلے کے صدر ہیں۔ عزت افزائی ہو گی اگر آپ اپنے سلسلے کے پاکیزہ ضوابط سے مجھے نوازیں گے۔"

افسوس ہے کہ تلاش کے باوجود ہوپر کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ مذکورہ درخواست کے واسطے سے شیو برت لال کو سالگ رام صاحب کی خدمت میں تعارف حاصل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے اگلے سال اپنے ایک ہم سبق کے ساتھ جو رائے صاحب کا ست سنگی تھا ان کی خدمت میں رسائی حاصل کی۔ اس کی کیفیت انھوں نے خود اس طرح بیان کی ہے :

"مجبوری حضور اعلیٰ کے مقدس قدموں میں لے گئی۔ خیال آیا کہ میری صورت فقیرانہ، تیرا دربار شاہانہ، وہاں بیٹھا جہاں سب کے جوتے اتارے جاتے تھے۔ حضور نے نظر عنایت کی اپنے پلنگ کے کنارے میرے بیٹھنے کی جگہ مقرر کر دی فرمایا :

"اب یہاں بیٹھا کرو مجھے بار بار کہنا نہ پڑے۔"

صرف تین مرتبہ دربار میں حاضر ہوا۔ پہلی مرتبہ ۱۸۸۸ء میں حاضری کے وقت حضور والاشان نے فرمایا:

"یہ کلاسیکل رائٹر ہوگا۔"

حضور مجھے تنہائی میں مذہب فقرا کے مسائل سمجھایا کرتے تھے۔ تیسرے سال (۱۸۹۱ء میں) میں پھر آگرہ گیا۔ مانٹریل ایکسپوزیشن (سین فرانسسکو، امریکہ) نامی سلسلے میں کام کر رہا تھا۔ میرے سر پر دست شفقت پھیر کر کہا:

"جاؤ جہاں رہو پرچار کرتے رہو۔"

میں یہ ارشاد سنکر دنگ رہ گیا۔ ہوش وحواس غائب

نہ عقل تھی نہ تمیز اور دل نہ مائل تھا

نہ اس خیال کا اس وقت میں میں سائل تھا

عہد کیا اب جب تک خاطر خواہ پرچار نہ کرلوں گا دربار میں حاضری نہ دونگا۔"

شیو برت لال کی تیسری اور آخری ملاقات کے ذکر میں کوبیر ناتھ سریواستو نے یہ واقعہ نقل کیا ہے:

"حضور نے منتظم سے فرمایا کہ ہمارے حصے کا دودھ لاؤ۔ دودھ آیا۔ حضور مہاراج نے چند گھونٹ خود پئے اور بقیہ آپ کو پلاتے ہوئے فرمایا کہ: جسمانی طور پر تم میں اور مجھ میں بھلے ہی فرق ہو روحانی نقطۂ نگاہ سے کوئی فرق و تمیز باقی نہیں۔ جاؤ پرچار کا کام پورا کرو۔ میں ہمیشہ تمھارے انگ انگ میں رہوں گا۔"

مولانا عبدالحنان:

تصوف کے رموز سیکھنے کے شوق میں شیو برت لال نے بعض مسلمان بزرگوں کی صحبت بھی اختیار کی تھی چنانچہ ایک موقع پر انھوں نے ذکر کیا ہے کہ:

"جب ۹ بجے میں بریلی میں ہیڈ ماسٹر تھا ایک مسلمان صوفی مولانا شیخ عبدالحنان مرحوم سے ملاقات ہوگئی۔ ان کے یہاں تصوف کی مجلس روزانہ منعقد ہوتی تھی۔ مجھ کو بھی مولانا نے دعوت دی۔ میرے جانے سے ان کے خیالات کو خاص قسم کی حرکت ملتی تھی۔ وہ بڑی وضاحت سے تصوف کے سربستہ رازوں کو واضح کرنے لگتے۔ ایک مولوی نے کہا کہ :

'یہ ہندو ہیں، غیر کفو ہیں، ان کے سامنے اس صفائی کے ساتھ بات چیت نہ کرنی چاہئے۔'

مولانا متعصب نہیں تھے۔ کہنے لگے :

'تم لوگ تصوف کے اہل نہیں ہو، یہ اہل ہیں اس لئے مجھ کو مجبوراً بیساختہ کھلے دل سے بات چیت کرنی پڑتی ہے۔'

شیخ عبدالحنان ان دنوں فصوص الحکم، نامی عربی کی ضخیم کتاب پڑھ کر مجھ کو سنایا کرتے تھے۔ میری آمدورفت دیکھ کر اور ہندو بھی مولانا کے یہاں جانے لگے۔ پھر تو ان کی مجلس بارونق ہونے لگی یہاں تک کہ آریہ سماج کے پریسیڈنٹ منشی بلدیو پرشاد وکیل بھی ایک دو مرتبہ وہاں گئے۔ اس حالت کو دیکھ کر لالہ سیتارام ٹھیکہ دار جو بریلی میں آریہ سماج کے بانیوں میں سے تھے مجھ سے کہنے لگے :

'تم مولانا کے یہاں نہ جاؤ تم سمجھ دار ہو ممکن ہے اور سیدھے سادے لوگ ان کے دام میں پھنس جائیں۔'

"بات ٹھیک تھی میں نے آنا جانا بند کردیا"

مصلحت اندیشی نے لوگوں کو اکثر بڑے نقصان پہنچائے ہیں۔ دیکھنے کی بات ہے کہ ایک ٹھیکیدار کے کہنے سے شیوبرت لال جیسے شخص نے ایک مثبت اور مفید مجلس میں نہ صرف شریک ہونا چھوڑ دیا بلکہ اس کو پھنسانے والے دام سے تعبیر کئے جانے کو بھی ٹھیک مان لیا۔ فصوص الحکم اور اس قبیل کی کتابوں کے مطالب سے شیوبرت لال اس حد تک

متاثر ہوئے تھے کہ آخر عمر میں وہ اپنے عقیدتمندوں کو بھی ان کے مطالعہ کی دعوت دیتے تھے چنانچہ اس کا ذکر شروع میں آچکا ہے۔ مولانا عبدالحنان کی مجلسوں میں آریہ سماج کی معتبر اور موثر شخصیتیں بھی شرکت کرتی تھیں ان کے ساتھ روابط کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول خود شیو برت لال ۹۷-۱۸۹۶ میں عملی اور اصلی معنی میں آریہ سماج میں شریک ہوگئے اور بہت جلد انھوں نے سماج کے اخبار آریہ پتر کی ادارت کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی۔

مہاشے :

بریلی کے زمانۂ قیام میں رفتہ رفتہ شیو برت لال کا قلم رواں ہو گیا تھا۔ ان کی تحریریں متعلق مذہبی حلقے میں عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جانے لگی تھیں اور یہ واقعی بات ہے کہ اس زمانے میں انھوں نے بعض نہایت اہم اور اچھوتے موضوعات سے متعلق بھی بحثیں شائع کر کے اپنے علم و فضل کا سکہ بیٹھا دیا تھا۔ اس زمانے کی ان کی تحریروں میں ایک مختصر سا رسالہ :

"قدیم آریوں میں علم تحریر کا رواج"

بھی تھا جو ستیہ دھرم پرچارک پریس ہریدوار میں ۱۹۰۳ء میں چھپا تھا۔ علم تحریر کے موضوع سے متعلق اس وقت تک ہندوستان کی کسی بھی زبان میں کوئی باقاعدہ مضمون نہیں چھپا تھا۔ اس رسالے کے سرورق پر ان کا نام اس طرح تحریر ہے :

"مہاشے شیو برت لال صاحب ورمن ایم اے"

آریہ سماجیوں میں لفظ مہاشے کو ایک اصطلاح کی حیثیت دی جا چکی تھی اور اس سے مراد وہ لوگ ہوتے تھے جن کو علمی فضیلت کی بنا پر مذہبی تبلیغ کرنے کا اہل تسلیم کیا جا چکا تھا۔ مذکورہ رسالے کے سرورق سے پتا چلتا ہے کہ شیو برت لال کو بھی مہاشے کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ مہاشے شیو برت لال کی تحریروں کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ مختلف موضوعات سے متعلق مضامین بلکہ رسالوں کے لکھنے کے لئے ان کے پاس فرمائشیں آتی رہتی تھیں۔ خود لکھتے ہیں :

"جس[80] زمانے (۱۹۰۳ء) میں آریہ سماج انسٹی ٹیوشن بریلی کا ہیڈ ماسٹر اور آریہ پتر بریلی کا ایڈیٹر تھا، مچھلی شہر ضلع جونپور کی آریہ سماج کے منتری صاحب نے مجھ سے بذریعہ تحریر درخواست کی تھی کہ میں بطور خود رادھا سوامی مت کی اصل تعلیم کے متعلق کوئی پمفلٹ شائع کردوں تاکہ مذہبی محققین کو اس کی بابت رائے قائم کرنے کا موقع ہاتھ آئے۔ میں اپنی اہلیہ کی تیمارداری کی وجہ سے صاحب ممدوح کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔"

ہریدوار میں:

مہاشے شیوبرت لال کو اپنی بیوی کے مرنے کا بہت رنج ہوا تھا۔ ٹھاکر نندو سنگھ نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

"ان[81] کے دل کو سخت صدمہ پہنچا۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سیلانی ہو گئے۔ گھومتے گھامتے پھرتے پھراتے ہریدوار پہنچے۔ ست دھرم پرچارک پریس ہریدوار میں مہاتما منشی رام جی مرحوم کی معرفت ان کی کتابیں چھپا کرتی تھیں پنڈت کیشو دیو شاستری پریس کے منیجر ان کے دوست تھے۔ کچھ دنوں ہریدوار میں ان کا قیام رہا۔"

مہاشے شیو ۱۹۰۴ء کے اواخر میں ہریدوار پہنچے تھے۔ اتفاق سے وہاں مہاتما ہنس راج اور لالہ لاجپت رائے بھی گئے تھے۔ یہ دونوں حضرات مہاشے کے خیالات اور ان کے کاموں سے پہلے سے بخوبی واقف تھے۔ پنڈت کیشو داس نے ان کی ملاقات کرادی۔ ان دونوں حضرات نے مہاشے شیو کو لاہور جانے کے لئے رضامند کر لیا۔ مہاشے شیو کا کہنا ہے کہ:

"میں[82] نے مہاتما ہنس راج سے درخواست کی کہ اگر اپنے قابل قدر انسٹی ٹیوشن یعنی دیانند کالج لاہور میں مجھ سے خدمت لینا منظور کرلیں تو میں حاضر ہوں۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس کالج میں کوئی جگہ خالی نہیں تھی اس لئے انھوں نے آریہ گزٹ کی ایڈیٹری کی خدمت ان کے سپرد کر دی اور یہ اگست ۱۹۰۵ء میں لاہور منتقل ہو گئے۔

(۲)

انگریز :

شیوبرت لال شروع سے انگریزوں کے حامی اور وفادار تھے اور ان کی خواہش یہی تھی کہ ہر ہندو انگریزی حکومت کا مخلص اور موید ہو۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہندو صدیوں سے غلامی کی زندگی گذار رہے تھے اس لئے: "انگریزوں کو ایشور نے ہماری رکشا کے لئے بھیجا ہے"۔ مسلمانوں کے ظلم وجور سے ہندوؤں کی حفاظت کرنے کے لئے ایشور نے انگریزوں کو بھیجا تھا۔ اپنے اس خیال کو انھوں نے بار بار مختلف انداز سے اور تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

"انگریز ہندوستان میں یوں ہی حکومت کرنے نہیں آئے ہیں۔ ان کو پرماتما نے کسی خاص غرض سے اس ملک میں راج کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ ہندو کسی طرح راج کے قابل نہیں رہے تھے۔ ان کی سوسائٹی کی حالت خراب تھی۔ اتفاق اور اتحاد معدوم ہو گیا تھا۔ پرماتما نے اس قوم کو بھیجا تاکہ وہ علم وہنر کی اشاعت کے ساتھ ہندوؤں کو ذہن نشین کرائے کہ ان کی سلامتی اور بہتری صرف اپنے دھرم پر قائم رہنے میں ہے۔ ان کو برطانیہ کی ابتدائے حکومت سے آج تک ایک طرح کی مذہبی آزادی ملی ہوئی ہے۔ جو انگریزوں سے نفرت کرتا ہے وہ دراصل ایشور سے نفرت کرتا ہے۔ جو انگریزوں کی شکایت کرتا ہے وہ دراصل ایشور کی شکایت کرتا ہے۔ ہندو سنسکرت کی ڈینگ مارتے مارتے کسی کام کے نہیں رہے۔"

شروع کے زمانے میں وہ اپنے انگریز استادوں سے متاثر رہے تھے۔ پھر چنار کے مشن اسکول نے ان کے فکر وخیال کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیا تھا :

دبدبۂ قیصری اور زمانہ :

تعلیم سے فرصت پانے کے بعد جب شیو برت لال بریلی پہنچ کر آریہ سماج کے زیر اثر آئے تو حالات نے ان کے خیالوں کو اور پختگی عطا کر دی۔ آریہ پتر کی ادارت کے ساتھ ساتھ انھوں نے ایک ہفتہ وار اخبار اور ایک ماہوار رسالہ بھی جاری کیا چنانچہ موتی لال مختار نے لکھا ہے :

"آپ[۳] کا مزاج آزادی پسند تھا اور قدرت نے آپ کو کسی خاص کام کے لئے مخصوص کیا تھا۔ ملازمت میں رہتے ہوئے بھی آپ نے دبدبۂ قیصری نامی اخبار بریلی سے نکالا جو تھوڑے ہی دنوں تک مقبول خاص وعام رہا۔ زمانہ کا اجرا بھی جواب مکرمی منشی دیانرائن صاحب نگم کی زیر ایڈیٹری نکل رہا ہے آپ ہی کا رہین منت ہے۔ فروری لغایت اکتوبر ۱۹۰۳ء آپ ہی کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ بعد میں آپ نے منشی صاحب کے سپرد کر دیا۔"

دبدبۂ قیصری ہفتہ وار اخبار تھا۔ اس اخبار کے مزاج کا اندازہ اس کے نام سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ اس میں قیصر ہند یعنی شہنشاہ انگلستان کی مداحی اور ان کے دبدبہ کے اظہار سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے یہ اخبار ۱۹۰۳ء میں نکلنا شروع ہوا تھا اور اگلے سال ہی شیو برت لال کے بریلی سے چلے جانے کے بعد بند ہو گیا۔

رسالہ زمانہ ماہوار تھا۔ اس میں بھی سلطنت برطانیہ میں زمانے کی رفتار سے متعلق مضامین ہوتے تھے البتہ اس کے مشمولات میں علمی اور ادبی رنگ بھی کم و بیش جھلک جاتا تھا۔ اپنے اس رسالے کے بارے میں شیو برت لال نے خود لکھا ہے کہ :

"جب[۴] میں بریلی میں ہیڈ ماسٹر تھا میں نے اردو لکھنے کی طرف توجہ دی۔ جب میرے زمانہ نامی رسالے کا پہلا پرچہ نکلا ہندو اور مسلمان دونوں اسے کراہیت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ میں نے اپنے کام کو جاری رکھا۔ زمانہ اسی ششماہی میں کامیاب ہو گیا۔"

زمانہ مابعد میں دیانرائن نگم نے زمانہ کو ایک قابل قدر ادبی رسالہ کی حیثیت دیدی تھی لیکن ان کے وقت میں بھی یہ رسالہ مذہب کے اثر سے آزاد نہیں ہو سکا تھا۔ نگم خود بھی شیو برت لال کے مخلص، مقرب اور ان کے عقید تمند تھے۔

سیاست :

شیو برت لال کی دلی خواہش یہ تھی کہ ہندو صحیح معنوں میں ہندو بن جائیں۔ وہ ہندوؤں کو سیاست سے بھی الگ تھلگ رکھنا چاہتے تھے۔ آریہ سماج اور پالیٹکس کے عنوان سے ایک مضمون میں انھوں نے بہت پرزور الفاظ میں کہا ہے کہ :

"[5] آریہ سماج خالص طور پر مذہبی جماعت ہے۔ جن کو مذہب اور دھرم سے تعلق ہے ان کو خود اپنی ذات کی بھلائی کے لئے پولیٹکس سے تعلق نہ رکھنا چاہئے۔ اگر دھرم کی وقعت اتنی نہیں ہے اور پولیٹکس کو ضروری سمجھا جاتا ہے تو پھر اس سے تعلق رکھا جائے۔ میں تو سارے ہندوؤں کا سیوک ہوں۔ کوئی ہندو جو دھارمک مجمع سے تعلق رکھتا ہے میں اس کو یہی کہونگا کہ بھائی جب دھرم کا مضبوطی کے ساتھ پیار نہیں تو تمھارا امیلان جدھر ہو ادھر کام کرو۔"

یہ سب صحیح ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اپنی تحریروں میں وہ عیسائیت[6] کی تبلیغ واشاعت کو ہندو قوم کے لئے ایک بڑا خطرہ ظاہر کرتے تھے اور اس کے تدارک کو بظاہر بہت ضروری خیال کرتے تھے لیکن انھوں نے عیسائی مشنری کے کاموں کے خلاف جب بھی آواز اٹھائی ہے اسلام اور مسلمانوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکے ہیں مثال کے طور پر "عیسائیوں کی ترقی اور ہندوؤں کی کمی" کے تحت انھوں نے عیسائی پادریوں کی خاصی تعریف کی ہے اور ضمناً مسلمانوں کا بھی ذکر کیا ہے :

"بنگال[7] کسی وقت تمام ہندو تھا، اب مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے زیادہ ہو گئی۔ جہاں تک آبادی کا تعلق ہے مسلمان گھاٹے میں

نہیں ہیں۔ گھاٹے میں ہندو ہی ہیں۔ عیسائی پادری خاموشی کے ساتھ اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ پادری جن میں سے بعض بڑے فرشتہ سیرت انسان ہیں محض اپنی ہمدردی سے ہندوؤں کے جاہل فرقوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ شیوبرت لال نے اپنے بیشتر مضامین میں نہ صرف انگریز حکمرانوں کی ہمدردی کے حصول کی کوشش کی ہے۔ اس کے برخلاف اسلام اور مسلمانوں کے معاملات کو ہندوؤں، انگریزی سلطنت اور پوری دنیا کے لئے بڑا خطرہ ظاہر کیا ہے "پان اسلامک تحریک اور ہندو" کے عنوان سے انھوں نے لکھا ہے:

"یوروپین دنیا کو زرد قوموں کے خطرہ سے زیادہ ہولناک اس سے زیادہ خوفناک پان اسلامک تحریک ہے۔ گورنمنٹ ہند بھی کوتاہ بین بن کر اس کو دانستہ یا نادانستہ ترقی کا موقع دے رہی ہے...... ہمارے ملک میں اس تحریک کا کیا اثر پڑ رہا ہے، اس کا پتا لگانا گورنمنٹ کا کام ہے۔ جو کام متحدہ مجلسی طاقت سے نہیں ہوتا وہ یہاں ایک ایک مسلمان کر رہا ہے۔ حق یہ کہ ایسے افراد بہ کثرت نظر آئیں گے جو تن تنہا سفر کی صعوبت اٹھا کر جاپان اور امریکہ تک پہنچے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی ملکی الفت نہیں بلکہ دینی الفت ہے جو صرف اسلام کا خاصہ ہے۔ ہندوؤں میں حب الوطنی کے لکچر ہوتے ہیں مگر ان کو اس کی بھی خاک سمجھ نہیں...... کوئی بتاوے تو سہی اب نیشنل کانگریس کے تماشہ میں کیا جان ہے۔"

اقتباس بالا کے آخری جملے سے کانگریس کے بارے میں ان کے خیالوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان اور ہندوؤں کی ترقی کے لئے کانگریس کی تقویت کے خواہاں تو تھے لیکن اس زمانے کے مخصوص حالات میں جب مسلمان پیش پیش تھے وہ سیاست میں شامل ہونے کے لئے تیار نہیں تھے۔ مسلمانوں کا ہر عمل بلکہ ہر مسلمان کا وجود بھی کو کھٹکتا تھا اور وہ تمام مسلمانوں کو حب الوطنی کے جذبہ سے خالی سمجھتے تھے۔

اردو :

اکثر ہندو اہل قلم یہ شکایت کرتے آئے ہیں کہ اردو کے "تذکروں[9] میں بیچارے ہندو شاعروں کو کہیں فٹ نوٹوں میں جگہ دیدی جاتی ہے" لیکن شکایت کرنے والوں نے حقیقت حال پر بالکل نظر نہیں کی۔ خود خمخانہ جاوید کی چار جلدوں میں انیس سو سے زائد میں ہندو شاعروں کی تعداد لالا سری رام کی تمام کوششوں اور جستجو کے باوجود ڈھائی سو سے کچھ ہی اوپر نکل سکی ہے اور ان میں بھی بڑی تعداد ایسوں کی ہے جن کا ذکر نہ کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ ان میں سے ایک بھی سودا، میر، درد، مصحفی، انشا، رنگین، ناسخ، آتش، ذوق، مومن، اور غالب وغیرہ کا ہم پلہ نہیں ہے۔ مہاشے شیو برت لال حقیقت سے آنکھیں چرا لینے کے عادی نہیں تھے۔ بے بنیاد الزام تراشی کے بجائے انھوں نے پوری جرات کے ساتھ یہ اعتراف کیا ہے کہ :

"اردو[10] میں ہندوؤں کا کوئی لٹریچر پہلے نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو وہ کسمپرسی اور بے وقعتی کے غار گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔ ۱۹۰۲ء میں ہم نے اس علمی کام کی طرف توجہ کی۔ سب سے پہلے نوجوانوں کے مذاق کے موافق کتابیں لکھنی شروع کیں پھر رامائن، مہابھارت، پران، تواریخ، فلسفہ، درشن، اپنشد، ویدانت یوگ اور سانکھ وغیرہ کی طرف رجوع کیا۔ آخر میں سنت مت کے دفتر کھنگالے۔ ان کتابوں کی تعداد تین چار سو کے اندر ہے۔ ملک میں اب ہر جگہ ان کا رواج ہے۔ کئی زبانوں میں ان کے تراجم بھی ہو گئے ہیں۔ ہز آنر لفٹنٹ گورنر صاحب پنجاب نے بہ دفعات متعدد مالی امداد سے ہماری دستگیری فرمائی ہے۔ یہ ہماری خدمات ہیں جو آپ کے سامنے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ ملک میں ہندوؤں کو تصنیف و تالیف کا شوق پیدا ہو گیا ہے اور اب اس مذاق کے آدمیوں کی تعداد ہر پہلو سے قابل اطمینان ہے۔"

انگریزی راج میں شاید مصلحتاً ہندوؤں اور انگریزوں دونوں کی طرف سے یہ قطعی غلط بات

بار بار کہی گئی تھی کہ اس راج کے قیام سے پہلے ہندوؤں کے علمی اور مذہبی سرمائے کی بہت زیادہ ناقدری کی گئی تھی اور انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کرنے کے بعد پہلی بار اس کو عزت کے ساتھ رواج دیا۔ اس غلط بیانی نے مہاشے شیو برت لال کو بھی مغالطہ میں ڈال دیا تھا۔ بہر نوع شیو برت لال کے اعتراف سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہے کہ انگریزی راج میں بطور خاص ہندو لٹریچر کی سرپرستی کی جارہی تھی۔

فارسی اور اردو میں جو ہندو لٹریچر محفوظ چلا آرہا ہے اس میں سے بڑا حصہ مسلمانوں کا تخلیق کردہ ہے مثلاً اپنشدوں کے مستند مطالب کو فارسی زبان میں محفوظ کر دینے کا سہرا شاہزادہ داراشکوہ کے سر ہے۔ پھر اردو میں اس کا ترجمہ ابوالحسن نامی ایک شخص نے کیا تھا۔ ایسا ہی حال ہندو مذہب کی دوسری مختلف کتابوں کا بھی ہے۔ کچھ تو فارسی اور اردو میں ہونے کی وجہ سے اور کچھ مسلمانوں کی تالیف وغیرہ ہونے کے سبب سے یہ عام طور سے ہندوؤں کے التفات سے محروم رہیں، اور اب بھی ان کی طرف نہ ہونے کے برابر توجہ ہے۔ ناقدری کا عالم تو یہ ہے کہ خود شیو برت لال کی کتابیں ان کی زندگی میں ہی نایاب ہو چلی تھیں۔ انھوں نے ایک خط میں رائے جوتی پرشاد (حیدرآباد) کو لکھا ہے کہ:

"[۱۱] اگر فرصت اور خواہش ہو تو ایک مرتبہ کبیر جوگ نامی کتاب پڑھ ڈالئے وہ اب out of print ہے لیکن حیدرآباد میں عاریتاً مل جائے گی ورنہ میں بھیج دیتا...... عجیب کتاب ہے۔"

زبان اردو کے ساتھ ہندو مصنفین کو جو تعلق رہ گیا تھا اس کا اندازہ مہاشے شیو برت لال کی اس تحریر سے کیا جانا چاہئے:

"[۱۲] اردو اگر ترقی کر جائے تو ہمارا نقصان کیا ہے۔ ہم بھی تو اردو ہی میں سب کچھ لکھا کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ہندی کی بھلائی کا دھیان ضرور رہتا ہے۔ جن کو اردو تصنیف و تالیف کا شوق ہے وہ اسی کے ذریعہ سے ہندی کے لئے آیندہ راستہ بناتے جائیں۔ زبان سلیس استعمال کریں، ہندی کے لفظ کثرت سے

لائیں اور یہ اردو کے مصنفین بھی برلہ دیگر ہندی کے سچے مددگار ثابت ہوں گے"

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو اردو سے بظاہر مخلصانہ تعلق نہیں تھا۔ وہ ہندی کے مخلص خدمتگزار تھے اور اردو کو ہندی کی ترقی اور فروغ کے محض ایک ذریعہ یا وسیلہ کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ اسی صورت حال کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی زبان کتابی اور معیاری اردو سے بہت مختلف ہوتی تھی اور یہ صورت شعوری طور پر پیدا کی جا رہی تھی۔ اس کا اظہار انھوں نے اپنی مختلف کتابوں میں بھی کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

"میں[13] اردو کے ذریعہ ہندی زبان کی اشاعت کرنا چاہتا ہوں۔ میری زبان کھچڑی ہے، جس میں ہندی، سنسکرت کے لفظ بہ کثرت آتے ہیں۔ یہ میں جان بوجھ کر کرتا ہوں تاکہ ہندی کے لفظ پڑھنے والوں کی زبان پر چڑھ جائیں۔"

مہاشے شیو نے راہ دکھائی تھی۔ ان کے کام کو ان کے نہایت لائق داماد منشی گوری شنکر لال اختر نے بتدریج ترقی دی۔ مہاشے شیو کی طرح انھوں نے بھی اردو میں یکے بعد دیگرے کئی رسالے جاری کئے تھے۔ ان میں سے ایک ادبی رسالہ مان سروور تھا۔ اس میں ایک مدت تک صرف ہندوؤں کی تحریریں چھپتی رہی تھیں۔ آخر دسمبر ۱۹۳۰ء کے شمارے میں پورے ایک صفحہ پر ایک اعلان شائع ہوا تھا جس کا اختصار اس طرح ہے :

"رسالہ مان سروور کی اشاعت کی علت غائی خالص ہندو لٹریچر کی محافظت اور اس کا پرچار ہے۔ اس وقت ملک میں کوئی ایسا رسالہ نہیں جو علی الاعلان محض ہندو اہل قلم کے مضامین پیش کرنے کی قومی خدمت انجام دیتا ہو اور قوم کے لئے خالص ہندو لٹریچر فراہم کرتا ہو آپ اس قومی یگیہ میں میرے معاون و مددگار بن کر اس مشن کو کامیاب بنائیں۔"

اختر کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ صرف ہندوؤں کا اس وقت تک کوئی اور رسالہ موجود نہیں تھا۔ صحیح یہ ہے کہ اردو صحافت میں تفریق بلکہ علاحدگی پسندی کا یہ رجحان بہت

پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ اس علاقے میں جہاں اب پاکستان ہے غدر کے بعد ہی سے ایسے رسالے نکلنے لگے تھے جن میں ہندو لٹریچر چھپتا تھا۔ بعض یہ ہیں۔

ماہنامہ گیاودنی پتریکا، لاہور	پنڈت مکند رام کشمیری نے یکم جون ۱۸۶۵ء سے نکالنا شروع کیا تھا۔ اردو اور ہندی دونوں خطوں میں چھپتا تھا۔
پندرہ روزہ ہادی حقیقت، لاہور	یہ بھی پنڈت مکند رام ہی نکالتے تھے۔ سال اجرا ۱۸۷۳ء ہے یہ برہمو سماج تحریک کا ترجمان تھا اور اردو ہندی دونوں خطوں میں شائع ہوتا تھا۔
ماہنامہ ہندو باندھو، لاہور	پنڈت شیو نرائن اگنی ہوتری نے یکم اپریل ۱۸۷۵ء سے جاری کیا تھا۔

مہاشے شیو اور ان کے داماد اختر کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ہندو لٹریچر کی اشاعت کے کام کو "قومی یگیہ" کے نام سے ایک جاندار مذہبی اور ایک متعین فرقہ کی تحریک کی صورت دیدی تھی اور اس تحریک میں رتن ناتھ سرشار سے فراق گورکھپوری تک پرانے اور نئے تقریباً سب ہندو شاعر اور ادیب شریک کر لئے گئے تھے۔ پریم چند کے تو اختر کے ساتھ خصوصی روابط تھے بلکہ بقول سومتر کمار فلمی دنیا میں پریم چند کو متعارف کرانے والے اختر ہی تھے۔

آریہ گزٹ:

مہاشے شیو آریہ گزٹ کے ایڈیٹر ہو کر لاہور آئے تھے یہاں پہنچنے سے متعلق پوری روداد انھوں نے خود اس طرح سنائی ہے:

"میں ۱۹۰۳ء میں ہریدوار میں پنڈت کیشو دیو جی کا مہمان ہوا۔ انھوں نے لالہ سوم ناتھ سے ملاقات کرائی۔ لالا صاحب نے مذہبی جوش میں آکر بھگوان سری رام چندر جی، پرم سنت کبیر صاحب اور گرونانک صاحب کی شان میں

ایسے گستاخانہ کلمے استعمال کئے جو ناقابل برداشت تھے۔ میں اٹھ کر گنگاجی کے تٹ پر چلا گیا۔ لاعلمی اور مذہبی تعصب سے اکثر نادان اور کثیر آدمی اناپ شناپ کہہ ڈالتے ہیں اور دلازاری کے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جب میں گنگاجی سے واپس آیا دل میں ارادہ کرلیا کہ پنجاب میں چل کر آریہ بھائیوں کے خیالات کی کچھ اصلاح کرنی چاہئے۔ میں نے آریہ گزٹ لاہور کی ایڈیٹری کا چارج لیا اور اس کے سلسلے میں کبیر صاحب کے خیالات، نانک صاحب کے حالات اور پورانوں کے واقعات کے متعلق دلچسپ مضامین لکھنے شروع کئے۔ آریہ گزٹ کو میرے عہد میں جو ہردلعزیزی نصیب ہوئی وہ اب تک مشکل سے کسی ہندو اخبار یا رسالے کے حصہ میں آئی ہوگی۔ میں اس اخبار میں ہمیشہ آریہ کی جگہ ہندو لفظ کا استعمال کرتا تھا۔ وید کے منتروں کی تشریح کے ساتھ پورانوں کے واقعات ایسے ڈھنگ سے لکھتا تھا کہ سناتن دھرم سبھاؤں کے مندروں میں بھی لوگ میرے اخبار کو نہایت عزت اور شوق سے پڑھا کرتے تھے۔"

تقسیم کا سلسلہ جب شروع ہو جائے تو روکے نہیں رکتا۔ آریہ سماج کے مقابل سناتن دھرم کی سبھائیں وجود میں آئیں۔ لفظ آریہ نے دراوڑ وغیرہ اقوام میں خود شناسی کا رجحان پیدا کیا۔ مہاشے شیو نے تقسیم کے اس سلسلے کو روکنے کی کوشش کی اور کچھ شک نہیں کہ سنجیدہ مزاج حلقے میں ان کو تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہوئی اور نتیجہ کے طور پر ان کے عقیدت مندوں کی بھی ایک جماعت بن گئی جس کے وجود کو انگیز کرنا آریہ سماجیوں کے لئے مشکل ہو گیا۔ دراوڑ وغیرہ غیر آریائی اقوام بھی بیدار ہونے لگیں۔

علاحدگی :

مہاشے شیو نے دو برس کے قریب آریہ گزٹ کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دئے اور اپنی تحریروں کے ذریعہ سے ہندوؤں کو متحد کرنے کی کوشش کی لیکن حالات

نے انھیں بددل کردیا۔ اس سلسلے میں ٹھاکر نندو سنگھ کا بیان ہے کہ :

"اچانک[15] آریہ سماج میں مذہبی کھنڈن کی وبا پھیلی۔ سری رام، کرشن جی، بدھ بھگوان اور دیگر بزرگان دین کے خلاف دھواں دھار تقریریں ہونے لگیں جس سے فضا سخت مکدر ہوگئی۔ آپ فوراً آریہ سماج گزٹ کی ادارت سے مستعفی ہوگئے۔"

آریہ سماج غیر ہندو (اسلام اور عیسائیت) مذاہب کے ساتھ ساتھ خود ہندوؤں کے بعض معتقدات کے بھی خلاف تھی اور یہی وہ بات تھی جو مہاشے شیو کو گوارا نہیں تھی۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ :

"منڈن[16] میں طاقت ہے کھنڈن میں کمزوری ہے۔ یہ اصول ہے۔ میرا راستہ منڈن کا ہے اور آریہ سماج کا راستہ کھنڈن کا ہے۔"

لیکن غور کریں تو کھنڈن کے راستے سے وہ خود کو الگ نہیں کرسکتے تھے۔ ہندوؤں کو متحد رکھنے کے لئے وہ آریہ سماج کا یہ کہہ کر کھنڈن کرتے تھے کہ :

"آریہ[17] سماج ہمارے درمیان ایک نئی مذہبی شق ہے جو اسلام اور مسیحیت کی تعلیم کے زیر اثر پیدا ہوئی ہے۔ اس کا اپنا کوئی فلسفہ نہیں ہے۔"

ظاہرا آریہ سماج کو اسلام اور مسیحیت کے زیر اثر اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ مورتی پوجا کی مخالف تھی اور مہاشے شیو بہ شمول اسلام و مسیحیت ہر اس جماعت کو جو مورتی پوجا کی مخالف ہو، متعصب اور تنگ دل قرار دیتے تھے۔ انھوں نے اپنی مختلف کتابوں میں اس قسم کے خیالات کا بہت وضاحت کے ساتھ اظہار کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"ہزاروں[18] برس سے مورتی پوجا کا کھنڈن ہو رہا ہے۔ نہ کوئی ساستر کی مراد کو سمجھتا ہے، نہ ویدوں کے روحانی فیوض کی طرف کسی کا دھیان ہے۔ سب بھٹکے ہوئے گمراہ ہو رہے ہیں، جس سے ہندوؤں کی روحانی حالت خطرہ میں آگئی ہے۔ یہ سچ ہے کہ مورتی پوجا کا آئین کچھ خراب ضرور ہوگیا ہے مگر اصول تو صحیح اور سچا ہے۔ اس کی بیخ کنی کیوں کی جاتی ہے۔ بہ غور مطالعہ

کرنے سے ان کو کچھ نہ کچھ سمجھ آجائے گی۔ جن کی آنکھوں پر تعصب، تنگ دلی اور ہٹ دھرمی کی عینک نہیں چڑھی ہوئی ہے وہ اس سے ضرور مستفید ہوں گے۔"

ہزاروں سال کہنے سے شاید مہاشے شیو بدھ مت اور جین مت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ اسلام اور عیسائیت دونوں کی عمر اتنی نہیں ہے کہ اسے ہزاروں سال کہا جائے لیکن تعجب اس پر ہے کہ انھوں نے کسی ایک جگہ بھی بدھ مت اور جین مت میں تنگدلی کے وجود کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ جو بھی ہو مہاشے شیو آریہ سماج سے الگ ہو گئے۔ اسی زمانے میں انھیں پورہ قانون گویان جانا پڑا۔ خود لکھتے ہیں:

"۱۹ مارچ ۱۹۰۷ء میں اپنے چچا پریاگ دت صاحب مرحوم کی بیماری کی وجہ سے میں اپنے وطن واپس گیا پھر کئی ماہ تک لوٹ نہ سکا۔"

سادھو:

آریہ پتر سے آریہ گزٹ تک کی ایڈیٹری نے مہاشے شیو کو مضمون نویسی کا ایسا چسکا لگا دیا تھا کہ وہ آخری سانس تک اسی کام میں لگے رہے۔ وطن سے واپسی کے بعد اپنے مخصوص مذہبی خیالوں کی توسیع و اشاعت کے لئے انھوں نے خود اپنا ایک رسالہ جاری کیا۔ لکھتے ہیں:

"۲۶ اگست ۱۹۰۷ء میں میں نے سادھو نامی رسالہ جاری کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ بلا کسی تعصب اور ہٹ دھرمی کے آریہ ورت کے کل مذاہب کے متعلق بالعموم اور تصوف اور ویدانت پر بالخصوص روشنی کا اہتمام کیا جائے۔"

اس اقتباس میں ملک ہندوستان کو "آریہ ورت" کہا گیا ہے یعنی بالواسطہ طور پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہاں کے حقیقی باشندے صرف آریہ لوگ ہیں۔ باقی سب بیرونی ہیں اور اس نظر سے تمام مذاہب کے معاملات و مسائل سے اس رسالے میں بحث کی جائے گی۔ مہاشے شیو کے یہ خیالات آریہ سماج کے زیر اثر تھے۔ بعد میں ان میں تبدیلی آئی اور یہی تبدیلی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے مزاج میں ہٹ دھرمی

نہیں تھی۔ اور وہ غیر آریوں کو بھی ہندوستان کی سرزمین پر رہنے بسنے کا حق دینے میں بہت زیادہ قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

"میں[۲۲] جب آریہ گزٹ کا ایڈیٹر تھا ہندو لفظ بہ کثرت استعمال کرتا تھا جس پر آریہ مہاشے ناراض ہوتے تھے۔ میں نے کبھی ان کی ناراضی کی پرواہ نہ کی۔ ان سے برابر کہتا تھا کہ وہ زمانہ جلد آیگا جب تم خود اس لفظ پر جان دو گے"

ہندو لفظ پر جان دینے میں مصلحت یہ تھی کہ اس کے تحت غیر آریہ اقوام کو بھی لایا جاسکتا تھا۔ اس کے برخلاف آریہ سماج میں کوئی غیر آریہ شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس زمانے میں شدھی کی تحریک زوروں پر تھی اور اس کے لئے معاشرے کو "آریہ" کے بجائے "ہندو" بنانا ضروری تھا۔ مہاشے شیو کے رسالے سادھو کے بارے میں موتی لال مختار نے لکھا ہے :

"قدرت[۲۴] نے آپ کے مزاج میں خاص قسم کی وسیع النظری اور آزاد خیالی ودیعت کی تھی۔ آپ نے آریہ گزٹ سے کنارہ کشی کی اور اگست ۱۹۰۷ء سے سادھو نامی رسالہ لاہور سے نکالنا شروع کیا۔ اس کے مضامین اس قدر دلچسپ اور معرکۃ الآراء ہوتے تھے کہ چند ہی ماہ کے اندر اس کا دائرۂ اشاعت نہایت وسیع ہو گیا اور قدردانوں کی تعداد میں روزافزوں ترقی ہوتی گئی۔ عوام کو بلند خیالی کی جانب مائل کرنا اس کا خاص منشا تھا۔"

اس رسالے کے ذریعہ سے مقصود چونکہ اپنے خیالوں کی ترویج تھا، اس کے تمام مضامین مہاشے شیو خود لکھتے تھے اور وہ کسی دوسرے شخص کا مضمون اس میں شامل نہیں کرتے تھے۔ خود لکھتے ہیں :

"سادھو[۲۳] میں آرٹیکل نثر میں لکھے جاتے ہیں اور وہ ایک ہی شخص کی قلمی محنت کا نتیجہ ہیں۔"

ان مضامین میں جیسا کہ مذکور ہوا آریہ سماج کے بعض بنیادی خیالوں کی تردید ہوتی تھی، اس لئے یہ "کاغذی سادھو" اس سماج کی نظروں میں کھٹکنے لگا تھا خود مہاشے شیو کا بیان ہے کہ :

"رادھا[۲۴] سوامی مت کی شرکت سے مجھ پر آریہ سماج کی طرف سے جابجا

اور نامناسب حملے ہوئے۔ سازشیں کی گئیں۔ مقدمے بنائے گئے۔ اس میں میرا بھی کچھ قصور تھا۔ اگر مجھ میں قصور نہ ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ اخبارات کے کالم سیاہ کئے گئے حاسدوں کو جب اور کچھ عیب نظر نہ آیا تو مجھے جعلی ایم اے اور رادھاسوامی پنتھی کہہ کر گالیاں دینے لگے۔ میں نے یہ سب برداشت کئے۔"

مقدموں کا حال تو معلوم نہ ہو سکا البتہ اس بارے میں شبہ نہیں کہ مخالفت کا طوفان بہت شدید تھا۔ کو بیر ناتھ سریواستو نے بھی ذکر کیا ہے کہ :

"آریہ[٢٥] سماج سے الگ ہو کر آپ نے رسالہ سادھو جاری کیا جس میں آریہ سماج کے نقائص دور کرنے کی نیت سے چند مضامین لکھے مگر اصلاح کرنا تو درکنار اہل سماج میں سخت کھلبلی مچ گئی اور انھوں نے رسالہ سادھو کے کتب خانے میں آگ لگادی جس سے عظیم اور ناقابل تلافی نقصان ہوا۔"

یہ آگ لگانے کا حادثہ کب پیش آیا یہ بات کسی ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکی، البتہ قیاس کہتا ہے کہ شاید اسی وجہ سے مہاشے شیو کی ابتدائی تصانیف تقریباً سبھی نایاب ہو گئی ہیں۔

تلقین و تبلیغ کے معاملات میں جھگڑوں اور مقابلوں کے ذریعہ سے کامیابی کا حصول ممکن نہیں ہے اور پھر مہاشے تو اس بات کے مدعی بھی تھے کہ ان کا مسلک صلح کل اور محبت واخوت کا ہے اس لئے ان کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ خود اپنے رویۂ میں تبدیلی پیدا کر کے دشمنی کو دوستی کی صورت عطا کردیں۔ انھوں نے آریہ سماج کے عنوان سے ایک مضمون شائع کر کے اس میں کہا کہ :

"عقیل[٢٦] ہندو کبھی آریہ سماج کی دشمنی سے تعلق نہیں رکھتا۔ وہ دل و جان سے اس کے کام کو کامیاب دیکھنا چاہتا ہے۔ جو کچھ خرابی ہے وہ صرف کارکن طبقہ کے اندر ہے۔"

انھوں نے اس قسم کے مضامین وقتاً فوقتاً اپنے تقریباً سبھی رسالوں میں شائع کئے اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر ہی لی۔ اپنی ایک کتاب میں انھوں نے فخر کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ :

"میں [۲۷] نے گھاس مانس کا جھگڑا مٹایا۔ میری تحریروں سے آریہ سماج کا طبقہ راہِ راست پر آیا۔ بہت سی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔"

دوسرے رسالے:

مہاشے شیو کا قلم بہت تیزی سے چلنے لگا تھا اور انھیں بار بار یہ خیال ہوتا تھا کہ خاص و عام تک اپنی بات پہنچانے کے لئے سادھو کے علاوہ بھی کوئی ذریعہ ہونا چاہئے۔ سادھو کے ستمبر ۱۹۰۹ء کے شمارے میں انھوں نے اپنی بات اس طرح کہی ہے:

"سادھو [۲۸] کی خواہش ہے کہ لوگ اس آتما کو سمجھیں اور اس کی سمجھ بوجھ لیکر اصلی کامیابی، اصلی مقصد اور اصلی بہتری حاصل کرنے میں مصروف ہوں۔ دو برس سے سادھو جاری ہے مگر وہ غیر کافی ہے۔ اس کو وسعت دینا مطلوب ہے۔"

وسط ۱۹۰۸ء میں انھوں نے مارتنڈ کے نام سے اردو میں ایک ماہوار رسالہ جاری کیا۔ اس کے سرورق پر نام کے نیچے یہ لکھا ہوتا تھا:

"ہندوؤں کا اپنا ماہواری رسالہ"

سب سے بڑھ کر ہے رسالوں میں ہمارا مارتنڈ
سب سے اچھا، سب سے سستا ہے پیارا مارتنڈ
اس کو ہندو ہیں عزیز اور ہندوؤں کو یہ عزیز
ہو نہ کیونکر قوم کی آنکھوں کا تارا مارتنڈ

رسالہ سادھو کے جنوری ۱۹۱۱ء کے شمارے میں مارتنڈ کے مشمولات کا بیان اس طرح کیا گیا ہے:

"مارتنڈ لاہور میں ہر مہینہ دو تین چھوٹے ناول، راجپوتانہ قدیم کے قصے دھرم کرم کے حالات، پانچ چار دلچسپ نظمیں، وغیرہ وغیرہ ہوتی ہیں۔ صرف ہندو جاتی کی سیوا کے لئے نکالا گیا ہے۔"

اس رسالے میں ہر مہینہ میں ایک مذہبی معمہ بھی ہوتا تھا۔ صحیح حل بھیجنے والے

کو کتابوں وغیرہ کی صورت میں انعام دیئے جاتے تھے۔ مارتنڈ کے لکھنے والوں میں سورج نرائن مہر، گوری شنکر لال اختر اور چھدامی لال قمر وغیرہ قابل ذکر تھے۔ کم وبیش ہر شمارے میں ایک مضمون ایسا بھی ہوتا تھا جس میں ہندو اور مسلمانوں کی حالتوں کا فرق دکھا کر ہندوؤں کو بہتری کی طرف قدم بڑھانے کی ترغیب دلائی جاتی تھی۔

کچھ ہی مدت کے بعد یہ دونوں رسالے بھی ناکافی ہوگئے۔ اس لئے اپریل ۱۹۱۰ء میں ایک اور سلسلہ شروع کیا گیا۔ خود شیو برت لال نے اپریل ۱۹۱۱ء کے سادھو میں لکھا ہے:

"میں نے ان (سادھو اور مارتنڈ) کو غیر کافی سمجھ کر سرسوتی بھنڈار میں اپنے ڈھنگ پر کتابوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اس مفید ہندو لٹریچر کے پیدا ہونے سے مجھ کو ایک گونہ اطمینان ہے۔ مسلمان بھائی بھی میرے خیالات سے فائدہ اٹھاتے جارہے ہیں۔"

اور مئی ۱۹۱۱ء کے مارتنڈ میں بھی مذکور ہے کہ:

"بابو شیو برت لال صاحب ورمن ایم اے ایڈیٹر رسالہ سادھو ومارتنڈ نے علاوہ اور کئی قسم کی اعلیٰ تصانیف کا مدت سے ایک ماہواری رسالہ سرسوتی بھنڈار بھی نکالا ہوا ہے اور سال بھر میں کئی ضخیم کتابیں نکلتی ہیں۔"

اس سرسوتی بھنڈار کا جو اشتہار جنوری ۱۹۱۱ء کے مارتنڈ میں نکلا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے:

"یہ ایک نہایت قیمتی لاجواب اور کارآمد رسالہ ہے۔ اس میں ہر مہینہ کوئی نہ کوئی مکمل کتاب چھپ کر خریداروں کو نذر کی جاتی ہے جس کے مطالعہ سے ہندو دھرم کی بابت واقفیت کو وسعت حاصل ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ بہت مقبول عام ہو چکا ہے۔ بعض بعض کتابیں بہت ضخیم ہیں۔ یہ کوئی معمولی کوشش ہندو دھرم کے پرچار کی نہیں ہے۔ اب تک وشنو پران، کلکی پران، وچار کلپدرم، بویک کلپدرم، چرتر کلپدرم، برہم کلپدرم، الحیات بعد الممات، سات نایاب ضخیم کتابیں نکل چکی ہیں۔ ایڈیٹر بابو شیو برت لال ورمن ایم اے ہیں۔ بابو صاحب کا نام ہی ان کے دلچسپ

ہونے کا کافی ثبوت ہے۔"

سرسوتی بھنڈار کا پہلا شمارہ وشنو پوران پر مشتمل تھا اور وہ اپریل ۱۹۱۰ء میں نکلا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آریہ سماج سے الگ ہونے کے بعد شیو برت لال کے نام کے ساتھ مہاشے کے بجائے بابو لکھا جانے لگا تھا۔ یہ لفظ بابو ایک عام پڑھے لکھے معزز ہندوستانی کے لئے استعمال ہوتا تھا اور پورب کے علاقوں میں اس کا چلن زیادہ تھا۔

پہلے شمارے کے بعد اس سلسلے میں یکے بعد دیگرے متعدد کتابیں چھپ کر مقبول ہوتی رہیں۔ اس سلسلے کی ایک کتاب "الحیات بعد الممات" بھی ہے جس کے شروع میں مصنف نے "دو دو باتیں" کے عنوان سے لکھا ہے:

"۲۱ ستمبر ۱۹۰۴ء کی آدھی رات کے وقت میری بیوی کا انتقال ہو گیا۔ میرے دل کو جو کچھ صدمہ پہنچا وہ بیان سے باہر ہے۔ میں عرصہ تک ادھر ادھر تیرتھ و پاک مقامات کا چکر لگاتا رہا۔ آخر...... اپنے باغ موقوعہ موضع کشن پور دیہہ معافی میں رہ کر اس کتاب کا ترجمہ شروع کیا جس میں موت کے بعد کی زندگی پر ایک فرانسیسی عالم نے بحث کی ہے...... پہلی مرتبہ یہ کتاب میرے دوست بابو راج بہادر...... کی طرف سے ۱۹۰۵ء میں مطبع عزیزی ریاست رامپور سے شائع ہوئی تھی۔ اب دوبارہ سرسوتی بھنڈار کے سلسلے میں اس کی انطباعت و اشاعت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ شیو"

یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور اب تک متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے۔

دوسری زبانوں میں :

بابو شیو برت لال کے حوصلے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ ان کے قلم کی روانی برابر یہ کہتی تھی کہ۔ ع

کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

چنانچہ انھوں نے اردو کے علاوہ دوسری مروجہ زبانوں میں بھی رسالے جاری کئے۔

(۱) ہندی میں انھوں نے پہلا رسالہ سُدھو درشی کے نام سے نکالا تھا۔ ستمبر ۱۹۰۹ء کے ساد ھو میں "منیجر کی دو دو باتیں" کے تحت مذکور ہے :

"سُدھو درشی ہندی کا ماہواری رسالہ نکل گیا۔ یہ ہندی کا سب سے بڑا رسالہ ہے اور سب سے زیادہ سوچنے کا سامان دیتا ہے۔ اس کی خریداری بڑھائیے تاکہ ہندی کی سیوا کرنے کا موقع ہاتھ آوے"۔

اس کا مفصل اشتہار اکتوبر ۱۹۰۹ء کے ساد ھو میں چھپا تھا جس کا اختصار اس طرح ہے :

"ہندی کا ساد ھو یعنی رسالہ سُدھو درشی

اگست کا سُدھو درشی ساد ھو کی تقطیع پر ۱۳۲ صفحوں کے حجم میں چھپ کر ہدیۂ ناظرین ہوا...... دو سو رسالے ہم نے نمونے کے طور پر بھیجنے کے لئے علاحدہ رکھ لئے ہیں۔ ساد ھو اور سُدھو درشی روپیہ کمانے کی غرض سے نہیں نکالے گئے ہیں بلکہ ان کا مدعا ہندوؤں کو ان کے دھرم سے آگاہ کرنا ہے اور ان کی توسیع اشاعت میں مدد دینا ہی ایک ہندو کا فرض اہم ہے"۔

سُدھو درشی کے تعارف میں شیو برت لال کا یہ بیان، بہت زیادہ توجہ طلب ہے :

"[۲۸] میں ہندی کا سب سے بڑا دھارمک رسالہ سُدھو درشی نکالتا ہوں۔ کتابیں لکھتا ہوں۔ اپنے اردو کے رسالوں اور کتابوں کے ذریعہ اس (ہندی) کا پرچار کر رہا ہوں۔ تم بھی ذرا ہاتھ پاؤں ہلاؤ، ہندی میں بولو، ہندی میں سنو، ہندی میں پڑھو اور پڑھاؤ۔"

کچھ مدت کے بعد بابو شیو برت لال نے ہندی میں لکشمی بھنڈار کے نام سے ایک اور رسالہ نکالنا شروع کیا۔ مارتنڈ کے اپریل ۱۹۱۰ء کے شمارے میں اس کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے :

"سنو! لکشمی بھنڈار جاری ہو گیا۔

مارتنڈ جو ملکی، مجلسی و اخلاقی اصلاح کا پُر جوش رسالہ ہے ...... مردوں کے لئے مخصوص ہے۔ اردو میں نکلتا ہے لیکن لکشمی بھنڈار جو فروری سے نکلنے

لگا ہے، ہندی کا ایک اعلا درجہ کا اخلاقی رسالہ ہے، عورت و مرد دونوں کے لئے جاری کیا گیا ہے تاکہ پڑھی لکھی عورتوں میں بالخصوص و مردوں میں بالعموم اچھے خیالات کا پرچار ہو...... ایڈیٹر شیو برت لال جی ہیں۔ ٹائپ میں چھپتا ہے......"

مارتنڈ کے جولائی ۱۹۱۰ء کے شمارے میں انھوں نے فخر کے ساتھ لکھا ہے کہ :

"ہمارے دفتر سے اس وقت دو رسالے ہندی میں نکلتے ہیں ایک تتو درشی ہے جو ہندی زبان کا سب سے بڑا ضخیم رسالہ ہے۔ دوسرا لکشمی بھنڈار، عام مردوں، عورتوں کے پڑھنے کے لئے ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان کی اشاعت بہت کم ہے مگر کام کرنے والوں کو اس سے خوف نہیں ہوگا۔"

آخر زمانے میں بابو شیو برت لال نے علی گڑھ سے ہندی میں ایک رسالہ اور بھی نکالا تھا۔ منشی لال جی گوئل نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"جب[29] حضور نے ۱۹۳۵ء میں رسالہ سومیر و پربت ہندی جاری کیا تو وہاں ڈاکخانہ کھلوایا، جس کا نام ڈاکخانہ دیال نگر رکھا گیا۔ ایک باغ لگوایا جسے دیال باغ نام دیا گیا اور جو جگہ مجھے دلائی گئی اس احاطے کا نام دیال کمپاؤنڈ تجویز ہوا۔"

اس رسالے کا کوئی شمارہ ہمیں باوجود تلاش کے دستیاب نہیں ہو سکا۔

(۲) شیو برت لال کی کارکردگی کا مرکز لاہور تھا۔ وہاں رہ کر انھوں نے پنجابی زبان بھی سیکھ لی تھی اور پھر انھوں نے اہل پنجاب کے لئے انھیں کی زبان میں ایک رسالہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا نام پنجابی سورما مقرر کیا۔ مارتنڈ اپریل ۱۹۱۰ء کے شمارے میں اس کا اشتہار اس طرح چھپا ہے :

"سنو پنجابی سورما نکل گیا۔ گورمکھی اکھشروں میں پنجابی زبان کا نایاب ماہواری رسالہ، شریمان بابو شیو برت لال جی ورمن ایم اے کے اچھوتے خیالات کا آئینہ...... اس رسالہ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ پنجابی عورتوں مردوں میں پنجابی زبان کے ذریعہ دیش بھگتی ودھرم بھگتی اور جاتی بھگتی کا

پر نِل سنسکار پیدا کیا جاوے۔"

اس رسالے میں معمولاً خود شیو برت لال کے مضامین کے پنجابی ترجمے چھپتے تھے اور یہ ترجمہ کا کام بہ گمان غالب ان کا کوئی عقید تمند کرتا ہوگا۔ اس رسالے کے مشمولات کے بارے میں انھوں نے مارتنڈ جولائی ۱۹۱۰ء میں لکھا ہے:

"پنجابی کی ترقی کے لحاظ سے ہم نے ایک ماہواری رسالہ پنجابی سورما کے نام سے نکالا جو گورمکھی حروف میں چھپتا ہے۔ پنجابی سورما نہ آریہ سماج کا ہے نہ سکھوں کا ہے بلکہ وہ سارے ہندوؤں کا ہے جس میں سکھ اور آریہ سماج دونوں شامل ہیں۔ وہ کسی سوسائٹی کا آرگن بھی نہیں ہے۔ صرف دس بادشاہوں کی روحانی تعلیم کے پرچار اور وضاحت کے لئے نکالا ہے اور جن کو ہمارے لٹریچر کے پڑھنے کا موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ ہم کس خیال کے آدمی ہیں۔"

کچھ ہی مدت کے بعد شیو برت لال بیرونی ممالک کے سفر پر روانہ ہوئے تو ان کی ہدایت کے مطابق جون ۱۹۱۱ء کے سادھو میں یہ اطلاع شائع کی گئی:

"پنجابی سورما ایک آریہ سماجی مہاشے کو یوں ہی دیدیا گیا ہے جن کی تحریر یا رائے سے ایڈیٹر کو قطعی اتفاق نہیں ہے۔ ناظرین یاد رکھیں کہ رسالہ پنجابی سورما گورمکھی سے سادھو کا اب کوئی تعلق نہیں ہے۔"

رسالہ مارتنڈ جون ۱۹۱۱ء میں اس رسالے کا اشتہار چھپا ہے۔ اس میں ہے:

"پنجابی سورما لاہور زیر ایڈیٹری ویدراج پنڈت دھرم دیوجی مہاراج"

ان صاحب سے ذاتی طور پر شیو برت لال کے معقول روابط معلوم ہوتے ہیں لیکن نظریاتی اختلاف کی وجہ سے مذکورہ اشتہار شائع کیا گیا تھا۔

(۳) انگریزی اس زمانے میں پڑھے لکھے لوگوں کی زبانوں پر جاری ہو چکی تھی اور پھر بابو شیو برت لال تو امریکہ تک کا سفر کر آئے تھے۔ انھوں نے سادھو کے فروری ۱۹۱۱ء کے شمارے میں ذکر کیا ہے کہ:

"امریکہ اور انگلینڈ سے اکثر اصحاب لکھتے ہیں کہ سادھو کی قسم کا ایک رسالہ انگریزی زبان میں بھی نکالا جائے تاکہ انگریزی پڑھنے والے اس قسم کے مفید مضامین سے محروم نہ رہیں۔ ان کے بار بار کے اصرار سے ہم نے بھی ارادہ کرلیا ہے کہ اگر پانچ سو خریدار مل جائیں تو انگریزی کا رسالہ جلد ہی جاری کردیا جائے۔ اس کا نام ہرمیٹ (Hermit) ہوگا اور سادھو کے دفتر سے نکلے گا۔"

پھر اپریل ۱۹۱۱ء کے شمارے میں انھوں نے اپنے اسی عزم کا اظہار اس طرح کیا ہے:

"انگریزی داں گروہ کے استفادہ کے خیال سے میں نے ہرمٹ نامی رسالہ نکالنے کا ارادہ کیا۔ تین مہینے ہوگئے وہ التوا میں پڑتا جاتا ہے۔"

تین مہینے کی بات صحیح ہے کیونکہ جنوری ۱۹۱۱ء کے مارتنڈ میں وہ اس کا اشتہار اس طرح شائع کرچکے تھے۔

"The Hermit
A monthly journal in English of Hindu meta-physics, vedant, yog and occult philosophy.
Editor Shiva Brat Lal, M.A. Subscription Rs. 4/-
Manager, The Hermit, Lahore"

یہ رسالہ ضرور نکلا ہوگا لیکن اس کے بارے میں ہمیں کسی ذریعہ سے تفصیلات حاصل نہیں ہوسکیں۔ شیو برت لال نے انگریزی زبان میں چند کتابیں بھی شائع کی تھیں۔ مثلاً لائٹ آن آنندیوگ، شبدیوگ، انٹری ان ٹو کنگڈم آف ہیون آن ارتھ، مسیج آف پیس وغیرہ۔

(۳)

کایستھ اور ولایت :

بابو شیو برت لال نے اپنے رسالہ مارتنڈ لاہور کے اکتوبر ۱۹۱۰ء کے شمارے میں ایک مضمون "کایستھ اور ولایت کی جاترا" کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ اس میں سہرام کے دو کایستھ نوجوانوں کے ولایت جانے کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ :

"برادری میں یہ جھگڑا پڑا ہے کہ ان کو شریک رکھا جائے یا خارج کیا جائے"

زبان سیکھنے اور علوم کے حاصل کرنے کا معاملہ ہو یا بیرون ملک سفر پر جانے کی بات ہو، ہندو قوم ہمیشہ سے برہمنوں کے حکم کی پابند رہی ہے۔ شیو برت لال نے اس سفر کے بارے میں صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ :

"جو معاملات برادری کے متعلق ہیں، ان میں پنڈتوں کی بیوستھا لینی بھی حد درجہ کی حماقت اور نادانی ہے۔ کیا براہمنوں میں سے کوئی صاحب ولایت نہیں جاتے؟ ایسی حالت میں بیوستھا کے لئے زور دینا بالکل فضول ہے۔"

اور مضمون ان جملوں پر ختم کیا ہے :

"ہم ان نوجوانوں کو ان کی ہمت کے لئے آفرین کہتے ہیں۔ ساتھ ہی (ان کے والد) منشی مہیش پرشاد صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ان کو یقین رکھنا چاہئے کہ پڑھے لکھے اہل برادری ان کے ہمیشہ شریک رہیں گے۔"

ان کے اس فیصلے سے شیو برت لال کے خیالات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ محض خیالی باتیں نہیں تھیں بلکہ ان کو ان کے دل کی آواز سمجھنا چاہئے، چنانچہ موقع ملتے ہی وہ خود بھی بیرونی ممالک کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

سفر :

اپنے سفر نامہ کو شیو برت لال نے اس اعتراف کے ساتھ شروع کیا ہے کہ :

"مجھ کو عرصہ سے جاپان اور امریکہ کے دیکھنے کا شوق تھا۔ میں نے بہت آدمیوں سے سنا تھا کہ جاپانی اور امریکن بالخصوص بڑی زندہ دل قومیں ہیں۔ ان کے متعلق کتابیں پڑھیں خود بھی ان کتابوں کی مدد سے اوروں کی معلومات کے لئے دو ایک کتابیں لکھیں مگر طبیعت سیر نہیں ہوئی۔ دل بیساختہ چاہتا تھا کہ ان ملکوں کی سیر ضرور کرنی چاہئے۔ اس خیال کو دل میں قائم ہوئے سالوں گذر گئے۔"

شیو برت لال کو شکاگو سے ۱۸۹۹ء میں ڈگری ملی تھی۔ اسی وقت سے ان کے دل میں امریکہ جانے کا شوق پیدا ہوا ہو گا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس اقتباس میں انھوں نے اپنی جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

وقت گذرتا گیا اور حالات بدلتے رہے۔ آخر طبیعت نے کہا: "جانے بھی دو پردیس جاکر کیا لینا ہے۔" ادھر شیو برت لال کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے کریا کرم سے فارغ ہو کر لاہور پہنچے تو سوامی شیوانند جی منیجر شانتی آشرم لاہور نے بہ اصرار کہا کہ:

"تم کو دو ایک برس پہلے (امریکہ) جانا چاہئے تھا۔"

ان کی بات ماننی پڑی اور ۲ر اگست ۱۹۱۱ء کو شیو برت لال لاہور سے نکلے۔ کلکتہ پہنچے وہاں سے ۲۲ر اکتوبر کو جہاز سے رنگون کے لئے روانہ ہوئے۔ تیسرے دن وہاں پہنچے۔ دو تین دن سیر کر کے چلے اور ۳۱ر کو پنانگ پہنچ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ :

"جو لوگ ہندوستان سے آتے تھے ان میں زیادہ تر جونپور، اعظم گڑھ کے رہنے والے مسلمان تھے۔ تجربہ کہتا ہے کہ ہندوؤں کی بہ نسبت مسلمان زیادہ ہمت والے ہیں۔ ہندوؤں میں صرف پنجابی سکھ بڑے جفاکش اور اولوالعزم دیکھے جاتے ہیں۔"

سنگاپور، جاوا ہوتے ہوئے ۲۲ر نومبر کو ہانگ کانگ پہنچے۔ راستے میں ایک جاپانی نے کہا کہ ہندوستان اتنا بڑا ملک انگریزوں کے ہاتھ میں نہ رہنے پائیگا۔ وہ ایک آزاد قوم کا فرد تھا۔ اس نے حالات کا بہت صحیح اندازہ کر لیا تھا۔ لیکن شیو برت لال نے اس کی بات کا ہنس کر یہ جواب دیا کہ :

”ہم ہندوؤں کا یہ خیال نہیں ہے۔ ہم انگریزی حکومت کو برکت کی چیز سمجھتے ہیں۔ اگر آج انگریز چلے جائیں تو ہم سخت پریشان ہو جائیں گے۔ کہیں کے نہ رہیں گے۔“

وطن سے باہر نکلنے سے پہلے شیو برت لال ایک رسالے میں یہ لکھ چکے تھے کہ علم تحریر ہندوستان میں ایجاد ہوا تھا لیکن جب وہ چین میں پہنچے اور وہاں کے حالات کا علم ہوا تو پتا چلا کہ :

”علم تحریر کے موجد بھی چینی ہیں۔ علم تحریر کا رواج ہمارے ملک میں بہت پرانا نہیں ہے۔ پہلے لوگ ویدوں کو زبانی یاد رکھتے تھے۔ قدیم سنسکرت لغت میں سوئی اور قلم کے لئے کوئی لفظ نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم ایجاد نہیں ہیں۔“

جاپان گئے۔ کچھ تھوڑا سا قیام کر کے وہاں سے امریکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ لکھتے ہیں:

”میں یہاں (سین فرانسسکو میں) ۲۲ر دسمبر ۱۹۱۱ء کو پہنچ گیا تھا۔ جہاز سے تمام ہندو اور چینیوں کو ایک جزیرہ میں لے گئے، جہاں قرنطین ہے۔ بہتوں کو واپس کر دیا۔ ہندوؤں میں سے صرف میں ہی ہوں جس کو بارہ دن کے بعد شہر میں جانے کی اجازت ملی۔ آپ سے کیا کہوں میں نے کیسی اذیت اٹھائی ہے۔ اب ہندوؤں کو امریکہ نہیں آنا چاہئے۔ میں کبھی کبھی حیران ہوتا ہوں کہ مالک نے مجھ کو یہاں کیوں بھیجا؟“

تفصیلات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سفر مختصر تھا۔ اس سفر امریکہ کے بارے میں مہاشے شیو نے ایک جگہ لکھا ہے :

"[1] میں جب امریکہ گیا تھا وہاں کے کئی اخبار نویس مجھ سے آکر ملے۔ اشتہار دینے
کی ہدایت کی تاکہ وسعت کے ساتھ تصوف کے خیالات کی اشاعت ہو۔ مجھے یہ
ڈھنگ پسند نہیں ہے۔ تصوف کے خیالات کا اشتہار بازی کے ساتھ پھیلانا منع
ہے۔ لکچر اور پبلک اسپیچوں کی بھی گرو کی طرف سے ممانعت ہے۔"

جو بھی ہو مہاشے شیو کو وہاں کے طور طریقوں کے مطابق ہی عمل کرنا پڑا۔ لکچروں کے علاوہ اس سفر کے دوران انھوں نے جو کتابیں لکھی تھیں ان میں سے ایک پنتھ سندیش بھی ہے۔ اس کے بارے میں انھوں نے خود بتایا ہے کہ :

"[2] یہ پنڈت برہم شنکر جی کی انگریزی کتاب Discourses on Radha
Swami faith کے انداز پر طالبان حقیقت کے لئے لکھی گئی ہے۔ امریکہ
کی سیاحت کے زمانے میں انگریزی میں سنت مت کے فلسفہ سے متعلق جو لکھا
تھا اس پنتھ سندیش میں ہے۔"

سین فرانسسکو کے جاپان بدھسٹ مشن میں انھوں نے دو لکچر دئے تھے۔ عنوان یہ تھے۔

(الف) بدھ دھرم کا عملی پہلو، اور

(ب) بدھ دھرم کا فلسفیانہ پہلو

یہ پہلے سادھو میں اور پھر کتابی صورت میں چھپے تھے۔ ایک اور کتاب "سچا اور عملی یوگ" بھی اسے سلسلے کی ہے۔

شیو برت لال نے سفر پر روانہ ہوتے وقت اپنے کام مختلف لوگوں میں تقسیم کردئے تھے۔ ماہنامہ مارتنڈ ان کے نام سے جون ۱۹۱۲ء تک نکلتا رہا۔ جولائی کے شمارے پر ان کے بجائے دوسرا نام اس طرح چھپا ہے :

"ایڈیٹر دھرم جگیاسو"

رسالہ سادھو انھوں نے سورج نراین مہر دہلوی کے حوالے کردیا تھا، چنانچہ موتی لال مختار نے لکھا ہے :

"[3] سادھو کا کارخانہ محترم منشی سورج نرائن صاحب مہر دہلوی کے سپرد کرگئے

تھے جو آپ کے خاص دوستوں میں تھے۔"

سورج نراین مہر نظم ونثر میں صاحب تصانیف تھے۔ شیو برت لال سے عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ :

"منشی سورج نرائن مہر میرے دوست ہیں۔ میں انھیں اپنا بزرگ مانتا ہوں اور دل سے عزت کرتا ہوں۔ وہ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔ جب ملتے ہیں مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ آپ آچارج بن کر تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری کریں تاکہ ہزاروں کو نفع پہنچے۔"

مہرشی :

مہرشی نے عقیدت اور دوستی کا حق اس طرح ادا کیا کہ رسالہ سادھو پر نام اس طرح چھپوائے :

"ایڈیٹر مہرشی شیوبرت لال ومنشی سورج نرائن مہر دہلوی"

سادھو کے فروری مارچ ۱۹۱۲ء کے شمارے میں گوری شنکر لال اختر کی طرف سے کتابوں کا ایک اشتہار چھپا ہے جس پر عنوان اس طرح تحریر کیا گیا ہے :

"مہرشی شیوبرت لال صاحب ورمن ایم اے کی نایاب تصانیف"

ظاہراً اس عنوان میں بھی شیوبرت لال کے نام کے ساتھ لفظ مہرشی ایڈیٹر (سورج نرائن مہر) کی ایما سے شامل کیا گیا ہوگا۔

شیوبرت لال نے اپنا سفرنامہ لکھ کر مارتنڈ کو بھیجا تھا چنانچہ اس کی پہلی قسط جنوری ۱۹۱۲ء کے شمارہ میں "میرا سفر" کے عنوان سے چھپی تھی۔ سفرنامہ لکھنے والے کا نام تحریر نہیں کیا گیا ہے۔ یہی سفرنامہ سادھو کے فروری مارچ ۱۹۱۲ء کے شمارے میں ایڈیٹر کی اس تعارفی تمہید کے ساتھ چھپا ہے :

"امریکہ تشریف لے جانے سے پیشتر مہرشی شیو نے فقیر مہر سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہاں سے اپنے سفر کے دلچسپ حالات اور سادھو کے لئے مضامین

برابر بھیجتے رہینگے۔ جنوری کے مارتنڈ میں آپ کا جو سفر نامہ دیا گیا تھا وہ بھی ناظرین کی دلچسپی کی غرض سے سادھو میں نقل کیا جاتا ہے۔"

مہرشی شیو کا سفر نامہ :

مہر بڑی پابندی کے ساتھ شیو برت لال کو مہرشی کہتے اور لکھتے رہے۔ رفتہ رفتہ یہ کلمہ ان کے نام سے چپک کر رہ گیا اور وہ خاص و عام میں مہرشی کر کے معروف ہو گئے۔

مہرشی جی نے وطن میں واپس آنے کے بعد کئی سفر نامے لکھے۔ افسوس ہے کہ اب ان میں سے صرف درج ذیل کے نام معلوم ہو سکے ہیں :

تاریخ امریکہ، جاپان، یاترا سندیش، جاپان اور اس کی حیرت انگیز ترقی۔

ظاہر ہے کہ مہرشی جی کی علمی روحانی شخصیت سے ان تمام ممالک میں جہاں وہ گئے تھے خاصی تعداد میں لوگ متاثر ہوئے ہوں گے لیکن اب ایسے لوگوں میں سے صرف چند کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ دو یہ ہیں :

ایک جاپانی خاتون بیاتروس سوزو کی تھی۔ انھوں نے اپنے لئے "نیلی کملنی" نام پسند کر لیا تھا۔ ۸/ نومبر ۱۹۱۷ء کے اپنے ایک خط میں انھوں نے مہرشی جی کو لکھا تھا کہ:

"[5] جب آپ دوسری مرتبہ جاپان آئے تو مجھ سے ملاقات نہ ہو سکی۔"

اس سے پتا چلتا ہے کہ مہرشی جی اس ملک میں دو بار گئے تھے۔ شاید امریکہ جاتے ہوئے اور پھر وہاں سے واپسی میں۔ اس خاتون کے ساتھ مہرشی جی کی خط و کتابت انگریزی زبان میں ہوتی تھی۔ بعد میں ان خطوں میں سے کچھ کا ترجمہ رسالہ وگیانی کے فروری ۱۹۱۸ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا اور پھر ان کو مہرشی جی کے خطوط کے مجموعے میں شامل کر لیا گیا تھا۔

ایک امریکی خاتون مس میریا اورنل نے سین فرانسسکو سے ۲۸/ جولائی ۱۹۱۳ء کو خط لکھ کر مہرشی جی سے معلوم کیا تھا کہ :

"[6] کیا آپ ۱۹۱۵ء میں مغرب کی سیر کے لئے بھی آئیں گے۔؟"

شاید ارادہ رہا ہو لیکن کسی ذریعہ سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکی کہ مہرشی جی دوبارہ

امریکہ گئے تھے۔

مہرشی جی نے امریکہ کے زمانۂ قیام میں بدھ دھرم سے متعلق جو لکچر دیے تھے وہ رسالہ مارتنڈ کے ستمبر ۱۹۱۲ء کے شمارے میں چھپے تھے اس طرح :

"بدھ دھرم پر لکچرز" [جو مختلف موقعوں پر جاپان بدھسٹ امریکہ موقوعہ سین فرانسسکو ۱۶۱۹۔ گف اسٹریٹ، میں دیے گئے] از بابو شیو برت لال ورمن ایم اے امریکہ

۱۔ بدھ دھرم کا عملی پہلو اور ۲۔ بدھ دھرم کا فلسفیانہ پہلو

مہرشی شیو کی کتابوں کی جو فہرست وگیانی کے اکتوبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں چھپی ہے اس میں بدھ مذہب سے متعلق ان کی درج ذیل کتابوں کا نام :

"اردو کتب مترجمہ ایڈیٹر وگیانی"

کے عنوان سے درج ہے

۱۔ بدھ دھرم کا علم الروح ۲۔ بدھ دھرم کا علم اخلاق

۳۔ بدھ دھرم اور ہندو دھرم میں مشابہت

۴۔ کلیان دھرم (گاسپل آف بدھ کا ترجمہ)

۵۔ بدھ بھگوان کی مختصر سوانح عمری اور

۶۔ وگیان بودھاین جو رسالہ وگیانی کے جولائی تا اکتوبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں چھپی ہے۔

دھام کی تعمیر :

شیو برت لال کی عمر کا بیشتر حصہ سیاحت میں گذرا تھا لیکن پنجاب اور حیدر آباد کے علاقوں میں ان کا قیام زیادہ رہا تھا۔ اس کے باوجود بڑی بات یہ تھی کہ انھوں نے اپنے گاؤں کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ وہ اس نکتہ سے بہت اچھی طرح واقف تھے کہ جڑ سے جدا رہ کر کوئی درخت سرسبز نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے ہمیشہ اپنے علاقے کے

معاملات پر نظر رکھی اور دور دراز مقاموں پر رہنے کے باوجود اس کی بہتری کے لئے فکر مند اور کوشاں رہے۔ کوبیر ناتھ سریواستو نے لکھا ہے کہ :

"آپ کی اہلیہ محترمہ عالم فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کی طرف سدھار گئیں۔ آپ نے لاہور کو خیرباد کہا اور پورہ قانون گویان کی طرف رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر آبادی سے دور سنسان جنگل میں زمین خرید کر رادھاسوامی دھام کی بنیاد ڈالی۔ کتب خانۂ لاہور کا دفتر لے آئے اور اشاعت کے کام میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ ست سنگ بھون، دھرم شالہ اور لنگر خانہ کے علاوہ کالج کی عمارت تعمیر کرائی۔ آپ کی سعی و سفارش سے ڈاکخانہ بھی کھل گیا۔"

اس اقتباس میں جن تعمیرات کا ذکر آیا ہے وہ بتدریج کئی برس کی مدت میں وجود میں آئی تھیں۔ ان کا سلسلہ ۱۹۱۱ء کے اوائل میں شروع ہوا تھا۔ سادھو بابت اپریل ۱۹۱۱ء میں شیو برت لال نے بیان کیا ہے۔

"ہم کو بڑے آدمی یا عالم فاضل گروہ کی بہتری کا اتنا خیال نہیں ہے جتنا عام اور معمولی آدمیوں کا ہے۔ اب کی مرتبہ جب میں گھر گیا تھا اپنے گاؤں کے قریب ان کے لئے ایک مدرسہ کھولنے کا اہتمام کیا۔ جنگل میں اپنے باغ میں کنواں تعمیر کرادیا اور ایک دو منزلہ کوٹھی کی بنیاد ڈال دی جس کی نیچے کی منزل میں دن کو چمار، پاسی، چوڑھے پڑھیں گے اور ان کو صنعت و حرفت کی تعلیم دی جائیگی۔ رات کے وقت جب میں ایکانت نواس کے لئے جاؤنگا اس میں ست سنگ ہو گا۔ اس کام کے لئے بھی پبلک یا کسی دولتمند سے مدد نہ لونگا۔ اس مدرسہ میں نیچی ذاتوں کے ہندو مسلمان سب ہی تعلیم پائیں گے۔ میں کوٹھی کی اوپر کی منزل میں رہوں گا۔ اور ایک چھوٹی موٹی لائبریری ہو گی۔"

اس اقتباس میں دو باتیں توجہ طلب ہیں :

اول یہ کہ شروع ۱۹۱۱ء میں وہ دھام کے لئے نہ صرف منصوبہ بنا چکے تھے بلکہ عمارتوں کی بنیاد بھی ڈال چکے تھے، اور

دوم یہ کہ وہ چمار پاسی اور چوہڑوں ہی کے درجے میں عام مسلمانوں کو بھی رکھتے تھے۔ برہمو سماج کے سلسلے میں یہ ذکر پہلے آچکا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے کو نہ صرف ناپسند کرتے تھے بلکہ اس عمل کو ہندوؤں کے لئے ایک خطرہ بھی سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ:

"[۸] اگر بیس برس تک اور یہ سلسلہ رہا تو ہندوستان میں انے گنے تھوڑے سے ہندو رہ جائیں گے اور جب وہ کشمیر اور سندھ میں مسلمانوں کے منکوں کا دہی دودھ پیتے ہیں ہر جگہ ان کی یہی حالت ہو جائے گی۔ کیا ہندوؤں سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ وہ آریہ سماج کے ہاتھوں کو مضبوط کریں اور اس کی شدھی کی تحریک کو زور کے ساتھ تقویت دیں۔"

انھیں خیالات کی ترویج و اشاعت کے لئے پورہ قانون گویان میں رادھا سوامی دھام کی عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ جاری رہا۔ سومتر کمار نے اس کی کیفیت کا بیان اس طرح کیا ہے کہ:

"لاہور میں تمام کتابوں کا اسٹاک لالا لاجپت رائے، لالا دیوان چند وغیرہ کے سپرد کر کے وطن روانہ ہوئے۔ ٹھاکر نندو سنگھ اور سرت سنگھ صاحبان ساتھ تھے۔ پورہ قانون گویان میں پہنچ کر کچھ دن چاچاجی (ٹھاکر سورج نرائن سنگھ) کے گھر میں قیام کیا۔ جدید عمارت کی بنیاد رکھی گئی اور کام شروع ہو گیا تو گورکھپور کے ست سنگیوں کے اصرار پر مہرشی جی وہاں تشریف لے گئے۔ تعمیر کا کام چاچاجی کے سپرد تھا۔ گورکھپور سے واپسی پر دسمبر ۱۹۲۱ء میں مہرشی جی نے بھنڈارہ کیا۔ بہت بڑی تعداد میں ست سنگی درشن کیلئے آئے۔ ست سنگیوں کی درخواست پر ان کے قیام کے لئے عمارت کی تجویز ہوئی۔ رقم مہیا کی گئی اور متعدد کمروں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔"

یہاں بھی تعمیر کی پوری داستان بیان کر دی گئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ شیوبرت لال وقتاً فوقتاً پورہ قانون گویان میں جا کر دھام کی تعمیر کے کام کی پیش رفت پر نظر کر لیتے تھے۔ وگیان سندیش میں کئی مہینوں تک وہاں پر ان کے قیام سے متعلق ایک طویل اشتہار

چھپا ہے۔ اس کا اقتباس یہ ہے کہ :

"جو حضرات ست سنگ یعنی شیوجی کی صحبت کے شائق ہیں ان کے فائدہ کا یہ بہترین موقع ہے۔ پورہ قانون گویان سے اسٹیشن کونڈہ روڈ، بی ان ڈبلیو ریلوے سے ڈھائی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ الہ آباد کی طرف سے خواہ بنارس کی طرف سے دو گھنٹہ ریل کا راستہ ہے۔ وہاں ایکانت رہیگا۔ لڑکی کی شادی کی تاریخ ۱۴ مئی ۱۹۱۴ء ہے۔ اس تاریخ تک تو وہ وہاں ضرور ہی رہیں گے۔ اس کے بعد خط و کتابت سے براہ راست ان سے دریافت کر لیا جاوے۔"

اس زمانے میں شیو برت لال کی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت مسلم ہو چکی تھی اس لئے ان کی تحریروں میں بہت زیادہ خود اعتمادی آگئی تھی۔ وہ اپنے نام کے لئے صرف "شیو" لکھنا کافی سمجھتے تھے اور عقید تمند ان کو شیوجی کہنے لگے تھے۔

سنت سندیش :

رسالہ سنت سندیش جس کا اقتباس اوپر نقل کیا گیا ہے جنوری ۱۹۱۳ء میں نکلنا شروع ہوا تھا پہلے سال کے بارہ شماروں کا نام توحید کا خزانہ رکھا گیا تھا۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ گیان سندیش	۱۶ باب	۲۔ کرم سندیش	۱۶ باب
۳۔ اپاسنا سندیش	۱۷ باب	۴۔ کبیر چرتر سندیش	۴۴ باب
۵۔۶۔ پنتھ سندیش	۴۰ باب	۷۔ بچن سندیش	۷۰ باب
۸۔ یاترا سندیش	۲۲ باب	۹۔ سہج سندیش	۲۶ باب
۱۰۔ وچار سندیش	۲۸ باب	۱۱۔ پریم سندیش	۲۳ باب
۱۲۔ درشٹانٹ سندیش	۱۷ باب		

دوسرے برس کے بارہ شماروں کی کیفیت درج ذیل ہے

۱۔ انجو سندیش	۱۸ باب	۲۔ مرم سندیش	۲۴ باب

۳۔ بویک سندیش	۲۱ باب	۴۔ وگیان سندیش	۱۸ باب
۵ تا ۸۔ بیجک سندیش	۲۰ باب	۹۔ اگم سندیش	۷ مکالمے
۱۰ ابھت سندیش	۳۰ باب	۱۱ ست سندیش	۱۸ باب
۱۲۔ سار سندیش	۱۲ باب		

سار سندیش کے آغاز میں شیوجی نے لکھا ہے :

"ایہاالناظرین :سار سندیش اس سال کا بارہواں اور آخری ،اور مجموعی سلسلہ کے لحاظ سے یہ چوبیسواں نمبر ہے۔امریکہ کی سیاحت سے واپس آنے کے بعد ہی یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ سنت مت یعنی مذہب فقرا کے اصول کو عوام الناس کے ذہن نشین کرانے کے خیال سے تصوف کی کتابوں کا اس طرح پر اہتمام کرنا چاہئے کہ جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے وہ دور ہو جائے۔"

نومبر ۱۹۱۴ء کے رسالے کے آخر میں مینجر کی طرف سے یہ عبارت مشتہر کی گئی ہے:

"شکر ہے اس دو سال کے عرصہ میں سنت سندیش کے چوبیس نمبر نکل گئے۔افسوس یہ ہے کہ سنت سندیش کی اشاعت میں بہت مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ آئندہ ماہ جنوری ۱۹۱۵ء سے اس کتابی سلسلے کے بجائے ایک نہایت ہی دلپسند ، دلکش اور دلچسپ تصوف کا رسالہ نکالا جائے گا۔اس رسالے کا نام وگیانی رکھا جائے گا۔ جن کو شیوجی کے کلام اور تصوف کی تعلیم سے دلچسپی ہے وہ براہ کرم اس نئے رسالے کی اشاعت کی فکر رکھیں۔"

سوسائٹی اور اس کے رسالے :

ایک طرف دھام کی تعمیر کا سلسلہ جاری تھا اور دوسری طرف شیوجی اپنے عقیدتمندوں کی تنظیم کے کام میں بھی مصروف تھے۔انھوں نے شروع ۱۹۱۷ء یا شاید آخر ۱۹۱۶ء میں ایک انجمن بنائی جس کا نام "رادھا سوامی جنرل لٹریچر سوسائٹی لاہور"

رکھا گیا۔ اس سوسائٹی کے تحت کتابوں کے دو سلسلے شروع کئے گئے تھے:

پہلا سنت امرت بانی۔ یہ رسالہ ۱۹۱۷ء میں جاری ہوا تھا چنانچہ شیو شمبھو کے اپریل ۱۹۱۷ء کے شمارے میں اس کا اشتہار موجود ہے۔ اس سلسلے کے تحت شائع ہونے والی جن کتابوں کا اشتہار مئی ۱۹۱۸ء کے وگیانی میں شائع ہوا تھا وہ یہ ہیں:

۱۔ سنت کبیر کی ساکھی ۲۔ سنت کبیر کی شبد اولی مع تشریح

۳۔ گورو تیغ بہادر صاحب کی بانی ۴۔ بچن سار حصہ اول اور حصہ دوم

۵۔ شاہی بھکاری اور ۶۔ شاہی ڈاکو

بعد میں اس سلسلے میں اور بھی کئی کتابیں سامنے آئی تھیں۔

دوسرا ویدانت امرت بانی۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب کا تعارف مجملاً اس طرح کرایا گیا ہے:

سلسلہ ۱۔ شری پنچدشی اردو مصنفہ سوامی ودیارینہ جی مہاراج

مترجمہ و مرتبہ شیوبرت لال تاریخ تکمیل: ۲۴ر جولائی ۱۹۱۷ء

اس کتاب کے سرورق پر بھی صاف لفظوں میں لکھا ہوا ہے کہ:

"جملہ حقوق بحق رادھاسوامی جنرل لٹریچر سوسائٹی لاہور"

رسالہ وگیانی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا جنوری ۱۹۱۵ء میں جاری ہوا تھا۔ سوسائٹی کی تشکیل کے بعد وگیانی کو بھی اس کے تحت کر دیا گیا، چنانچہ اس کے نومبر ۱۹۱۸ء کے شمارے پر بھی وہی عبارت چھپی ہوئی ہے، یعنی:

"جملہ حقوق بحق رادھاسوامی جنرل لٹریچر سوسائٹی لاہور"

شیو شمبھو بابت اپریل ۱۹۱۷ء میں سنت امرت بانی کے اشتہار میں ان کا نام اس طرح لکھا گیا ہے:

"شیوبرت لال، آنریری لائف پریسیڈنٹ رادھاسوامی جنرل لٹریچر سوسائٹی لاہور"

منشی گوری شنکر لال اختر سکریٹری ہوئے۔ سوسائٹی رفتہ رفتہ ترقی کرتی گئی اور تھوڑی ہی مدت کے بعد اس کے زیر اہتمام ملک کے اندر اور باہر ست سنگ کے لئے متعدد مراکز قائم ہو گئے۔ ان کی جو تفصیل "میری ذاتی درخواست" کے عنوان سے ۱۷ر جون ۱۹۱۸ء کو خود شیوبرت لال نے تحریر کی تھی اس کا ضروری حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

۱۔ پنجاب	(۱)	سردار ساون سنگھ بیاس، ضلع امرتسر
	(۲)	آدھشتا تارن تارن، ضلع امرتسر
۲۔ ممالک متحدہ	(۱)	رائے صاحب بابو مادھو پرشاد سنگھ محلّہ اتر سوئیاں، شہر الہ آباد
	(۲)	رائے اجودھیا خلف الرشید حضور مہاراج محلّہ پیپل منڈی، شہر آگرہ
	(۳)	لال آنند عرف صاحب جی مہاراج دیال باغ، شہر آگرہ
۳۔ گوالیر		لالا برکت رام ساہنی سپرری، ریاست گوالیار
۴۔ سندھ		حکیم اتم چند، ٹھاروشاہ سندھ
۵۔ عراق، عرب		پنڈت فقیر چند، مکینا' مسوپوٹیمیا
۶۔ برہما		لالا ترلوک چند، رنگون

جاپان اور امریکہ وغیرہ ممالک میں اب تک کہیں باقاعدہ ست سنگ کا نقشہ نہیں جما ہے۔ مالک کی موج سے وہاں بھی جلد انتظام ہو جائے گا۔"

اب شیوجی کی حیثیت ایک بین الاقوامی مذہبی تنظیم کے راہنما یا پیشوا کی تھی اور وہ اپنی اس تنظیم کی بہتری اور ترقی کے لئے بہر طور کوشاں تھے۔ ان کی رادھا سوامی جنرل لٹریچر سوسائٹی لاہور کا اپنا کارخانہ اور ایک بک ڈپو بھی تھا چنانچہ شیوجی کی کتاب "سچا سناتن دھرم" اسی رادھا سوامی کارخانہ لاہور سے ۱۹۱۸ء میں چھپی تھی۔

اتنی مدت کی محنت اور کاوش کے نتیجہ میں شیوجی کو اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ اپنے مقصد اور مشن میں کامیاب ہو چکے ہیں اور اب وہ اس سلسلے کو اتنی سرگرمی کے ساتھ جاری نہیں رکھنا چاہتے تھے، اس لئے اب اردو میں تصنیف و تالیف کے کاموں کو وہ بہت زیادہ اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ ۷/دسمبر ۱۹۱۷ء کو انھوں نے لکھا تھا:

"حضرات ناظرین: ہم قلمی گھس گھس سے اکتا کر چاہتے تھے کہ کسی طرح اب

اس کو ترک کر کے تنہائی کی زندگی بسر کریں۔ عمر زیادہ ہو گئی۔ کام کاج ختم ہونے
پر آگئے۔ لوگ پھر بھی کہتے ہیں مرتے مرتے کچھ نہ کچھ کرتے رہو۔ بہت اچھا،
جیسی پنچوں کی رائے۔ پھر ہم اس سال قلمی گھس گھس کو جاری رکھیں گے۔
آپ کو بھی کچھ مدد کا خیال رکھنا چاہیے۔"

دو سال ختم ہونے کو آیا تو انھوں نے پھر لکھا:

"سنو! [11] قلم کی گھس گھس بہت ہو گئی۔ اب وگیانی ۱۹۱۸ء سے رخصت ہو گیا۔
رسالہ کے ذریعہ پرمارتھ کی تعلیم کا اب خاتمہ ہو جائے گا۔ اب اگر ہماری
تمھاری اور مالک کی اچھیا شامل ہوئی تو سنت کتابی پیرایہ اور تقطیع میں نکلے گا۔"

غرض اردو رسم خط میں چھپنے والا رسالہ وگیانی بند ہو گیا۔ اس سلسلے میں جو کتابیں شائع ہوئی تھیں۔ ان میں سے درج ذیل خصوصیت سے قابل ذکر ہیں کہ ان کے اشتہار الگ سے چھپتے رہے ہیں:

۱۔	وگیان رامائن [12]	اور	۲۔	وگیان کرشنائن
۳۔	وگیان وشستائن	اور	۴۔	وگیان پرشنوترائن
۵۔	وگیان بودھائن	اور	۶۔	وگیان بچنائن
۷۔	وگیان سنتائن			

سنت:

جیسا کہ مذکور ہوا شیوجی نے جنوری ۱۹۱۹ء میں دیوناگری خط میں ایک نیا رسالہ سنت کے نام سے نکالنا شروع کر دیا۔ سومتر کمار کہتے تھے کہ یہ رسالہ انھوں نے ٹھاکر نندو سنگھ کی خاطر سے جاری کیا تھا۔ جو بھی ہو، واقعہ یہ ہے کہ اس رسالے کی عمر زیادہ ہوئی یہ شروع میں لاہور سے نکلا تھا۔ پھر جب انتظامات درست ہو گئے تو ٹھاکر نندو سنگھ اسے رادھا سوامی دھام گوپی گنج سے شائع کرتے رہے۔ ۱۹۲۶ء کے اپنشد میگزین میں اس کا اشتہار منیجر رادھا سوامی دھام کی طرف سے اس طرح چھپا تھا:

"سنت ہندی کے پریمی جنوں اور استریوں کے لئے انمول رتن ہے۔ زیر ایڈیٹری شیو برت لال جی مہاراج نکلتا ہے۔"

رسالہ دھولا گر پربت بابت مارچ ۱۹۳۶ء کے ایک اشتہار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں یہ رسالہ سنت الہ آباد سے نکلنے لگا تھا۔

سنت کے سلسلے میں شیو جی کی کئی ایسی کتابوں کے جو پہلے اردو میں چھپ چکی تھیں ہندی خط میں ترجمے شائع ہوئے تھے چنانچہ کبیر شبداولی اور سنت کبیر کی ساکھی وغیرہ اسی نوع کی کتابیں ہیں۔ کچھ نئی تصانیف بھی دیوناگری خط میں اسی سلسلے میں چھپی تھیں۔

یہ صحیح ہے کہ شیو جی نے رسالہ سنت کو ہندی خط میں ہی جاری کیا تھا لیکن جلدی ہی انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اپنی بات کو زیادہ موثر انداز میں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے ابھی تک اردو خط سے بہتر وسیلہ نہیں ہے۔ اردو بین الاقوامی زبان تھی اور اس کی شیرینی اور شائستگی کو بھی دوسری زبان ہرگز نہیں پہنچ سکتی تھی اس لئے انھوں نے "سنت" کے سبھی کتابی شماروں کو اردو خط میں چھپوانا شروع کر دیا تھا۔ "رادھا سوامی جوگ" میں ۱۵/اگست ۱۹۱۹ء میں "اطلاع" کے عنوان سے انھوں نے لکھا ہے:

"کبیر جوگ، نانک جوگ، اور رادھا سوامی جوگ کو وعدہ کے موافق ترتیب دے کر ناظرین کی نذر کر دیا گیا۔ اب اگر ہمارے پڑھنے والوں کی خواہش ہوئی تو ہم سنت نجوگ لکھنے کے لئے قلم اٹھائینگے۔ اس میں نہ صرف کبیر نجوگ، نانک نجوگ اور رادھا سوامی نجوگ کے تین خاص حصے شامل ہونگے بلکہ ارادہ ہے کہ قریب قریب اور جتنے سنت سادھو اس ملک میں گذرے ہیں سب کے حالات، طرز تعلیم اور ان کے روحانی خیالات قلمبند کر دیے جائیں لیکن لکھنا اس وقت شروع کیا جائے گا جب پڑھنے والے اپنی خواہش ظاہر کرینگے۔

سیوک شیو برت لال۔ کیلاش کٹی، ڈاکخانہ سانکھی، ضلع رہتک"

"سنت" کے سلسلے کی پہلی کتاب "کبیر جوگ" بہت ضخیم اور کئی حصوں میں ہے۔ نانک جوگ صرف تین سو صفحے کی کتاب ہے اور شروع مئی ۱۹۱۹ء میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

سنت سماگم :

شیو برت لال نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولی تھیں جس کی خواتین بھی اردو سے نہ صرف واقف تھیں بلکہ معاشرتی اور مذہبی قصوں کی اشاعت کے لیے بھی اردو کے سوا کسی دوسری زبان کا نام نہیں لیتی تھیں۔ اس مخصوص ماحول کا اثر یہ تھا کہ خواہش اور کوشش کے باوجود شیو برت لال اردو زبان اور رسم خط سے پوری طرح دستکش نہیں ہو سکے تھے۔ وگیانی کے بند ہو جانے کے بعد وہ سنت کی جلدوں کی تصنیف اور اشاعت کے کام میں مصروف رہے۔ پھر اپنے معمول کے مطابق انھوں نے اردو میں ایک اور نیا رسالہ جاری کرنے کی فکر کی۔ اپنے نام اور مطالب کے اعتبار سے بھی یہ نیا رسالہ سنت ہی کا تسلسل تھا۔ اس کے تعارف میں انھوں نے خود لکھا ہے کہ:[۱۴]

"کوئی اسے رسالہ سمجھے، سنت سماگم یعنی صحبت فقرا بطور خود ایک ضخیم کتاب ہے جس کا ایک ایک نمبر اس کا ایک ایک باب ہے۔ جب تمام نمبر پہنچ جائیں ان سب کو ملا کر مجلد کر لیا جائے اور وہ تمام عمر پڑھنے کے لئے کافی ہو گی۔"

شروع میں شیوجی کا یہ خیال تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ سنت سماگم کا ہر شمارہ ایک الگ اور مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس سلسلے کی تیسری جلد (نمبر ۸، ۹، ۱۰) میں سنت مال جیسا مبسوط تذکرہ بھی شائع ہوا ہے، جس کے سرورق پر لکھا ہے:

"سنت مال یعنی سنت مت کے خاص خاص آچاریہ اور ان کے بھکتوں کا حال تذکرۃ الفقرا از شیو برت لال"

یہ تذکرہ اپریل ۱۹۲۳ میں شایع ہوا تھا۔

رسالہ سنت سماگم کا پہلا شمارہ مارچ ۱۹۲۰ء میں نکلا تھا۔ شروع میں طباعت وغیرہ کی دشواریوں کی وجہ سے اس رسالے کے بعض شماروں میں تقدیم و تاخیر بھی ہو گئی ہے چنانچہ تیسرا نمبر جس کا عنوان جیون سدھار یعنی زندگی کی اصلاح ہے، اپریل ۱۹۲۰ء میں شایع ہو گیا تھا اور دوسرا نمبر جو "پرلوک سدھار" کے نام سے ہے، مئی کے مہینے میں سامنے آسکا۔

دھام میں :

معلوم ہوتا ہے کہ پورہ قانون گویان میں مجوزہ رادھا سوامی دھام کی ضرورت کے لائق عمارتوں کی تعمیر کا کام ۱۹۲۰ء کے اواخر تک مکمل ہو گیا تھا۔ سومتر کمار کے قول کے مطابق ۱۹۲۱ء میں شیو جی یہاں آگئے تھے۔ ٹھاکر نند و سنگھ اس دھام کے سکرٹری مقرر ہوئے اور تعمیر کے علاوہ تصنیف و تالیف اور طباعت و اشاعت وغیرہ کے بھی سارے کاموں کی ذمہ داری انھوں نے سنبھال لی۔ جو رسالے لاہور، الہ آباد وغیرہ سے نکل رہے تھے، ان کو بھی ٹھاکر صاحب دھام ہی میں لے آئے۔ مذکورہ کتاب "سنت مال" بندے ماترم پریس لاہور میں چھپی تھی لیکن سرورق کے اندراج سے ظاہر ہے کہ اس کی اشاعت کا کام :

"ایشر ٹھاکر نند و سنگھ، رادھا سوامی دھام ڈاکخانہ گوپی گنج، راج بنارس"

کے اہتمام میں ہوا تھا۔ اس کتاب کے نمبر ۲ میں غالباً خود شیو جی نے رادھا "سوامی دھام موقوعہ راج، بنارس" کا جو تعارف کرایا ہے اس کا اختصار درج ذیل ہے :

"رادھا سوامی دھام الہ آباد اور بنارس کے درمیان واقع ہے۔ اس کی بنیاد ٹھاکر نند و سنگھ جی (حیدر آبادی) نے رکھی ہے۔ یہ آبادی سے دور، تنہائی اور ایکانت کی جگہ ہے۔ اس کے قائم کرنے کے اصل مقصد حسب ذیل ہیں :

۱۔ بلا تمیز قومیت اور ملت ہر کس و ناکس کو سنت مت کی دعوت دینا،

۲۔ بذریعہ تحریر و تقریر اس کی اہمیت، اصلیت اور حقیقت کی اشاعت کرنا،

۳۔ رواجی، رسمی پابندی وغیرہ کو ۔۔ نظر انداز کر کے صرف روحانی تعلیم کی طرف توجہ دلاتے رہنا۔

مقام پُر فضا ہے۔ دھام کے اطراف میں باغ اور بغیچے بہ کثرت ہیں۔ آب و ہوا اچھی، خوشگوار اور صحت بخش ہے۔ چونکہ شہر اور آبادی سے فاصلہ پر ہے، ابھیاسیوں کے لیے بالخصوص بڑے کام کا استھان ہے۔ فی الحال یہاں سے دو کتابی سلسلے سنت سماگم (اردو) اور سنت (ہندی) میں نکلتے ہیں۔"

جیسا کہ شروع میں ذکر آچکا ہے دھام کی بنیاد تو بہت پہلے رکھی جا چکی تھی۔ ممکن ہے بعد میں کسی حصے کی بنیاد ٹھاکر نند و سنگھ نے بھی رکھی ہو یا شاید اس طرح ان کی غیر معمولی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہو :

سنت سماگم[15] کے تیسرے تتمہ میں سنت مت کے نئے مراکز یعنی :

۱۔ چودھری کیدار سنگھ، ڈاکخانہ سانگھی، ضلع رہتک،

اور ۲۔ ٹھاکر نند و سنگھ، رادھا سوامی دھام، گوپی گنج

کا ذکر ہے لیکن غیر ملکی کسی ایک مرکز کا بھی نام نہیں لیا گیا ہے۔ شاید وہ سب بند ہو گئے تھے۔

ستمبر ۱۹۲۳ء میں سنت سماگم کا نمبر ۳۶ شایع ہوا۔ اس کے شروع میں نند و سنگھ مالک اور پبلشر سنت سماگم نے لکھا ہے :

نیا سلسلہ :

(۱) اب سنت سماگم ماہواری صورت میں نکلے گا۔ مختلف مضامین اور خیالات کا مخزن رہیگا۔

(۲) خط و کتاب اور سوال و جواب کا سلسلہ بھی رہیگا۔"

یہی بات رسالے کے آخر میں بھی بہ تبدیلِ الفاظ لکھی ہے۔ اس شمارے کے تمام اشتہاروں کے ساتھ رادھا سوامی دھام ہی کا پتا دیا گیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ سنت سماگم (اردو) اور سنت (ہندی) دونوں لاہور سے قطعی طور پر یہاں منتقل ہو گئے تھے۔

اودھوت :

شیوجی کو رادھا سوامی دھام میں ایک بڑا سہارا مل گیا اور وہ سہارا ٹھاکر نندو سنگھ کا تھا، جنھوں نے خود کو شیوجی اور ان کے دھام کی خدمت کے لئے ہمہ تن وقف کر دیا تھا۔

دھام کے تنظیمی معاملات پر قابو پا لینے کے بعد رسالوں کے جاری کرنے کے شوق نے پھر سر اٹھایا اور نندو بھائی کے تعاون سے شیوبرت لال نے "اودھوت" کے نام سے ایک نیا رسالہ جاری کیا۔ اس کے باہری سرورق پر ان کی ایک رنگین تصویر، اوپر ہر رسالہ کا نام "اودھوت" اور نیچے کونے میں ان کا نام "مہرشی شیوبرت لال جی" لکھا ہوتا تھا۔ دوسرے یعنی اندر کے سرورق پر اودھوت کے شمارے سے متعلق تفصیلات تحریر ہوتی تھیں، اس طرح :

"اودھوت" جلد ا نمبر ۳

گیان، دھیان، تصوف، عرفان کا دنیا میں لاثانی سلسلہ (پھر دو شعر)

ایڈیٹر شیوبرت لال مقیم رادھا سوامی دھام بندے ماترم سٹیم پریس لاہور میں ٹھاکر نندو سنگھ جی پبلشر، مالک، مہتمم نے چھپا کر شایع کیا۔ قیمت بارہ نمبروں کی مجموعی۔ ص ۸ر

صفحہ۲ پر یہ عبارت بہ گمان غالب ٹھاکر نندو سنگھ کی طرف سے شایع کی گئی ہے کہ :

"اطمینان رہے اودھوت میں صرف مہرشی شیوبرت لال جی کے مستانہ قلم ہی کی دل خوش کن تحریریں رہینگی اور ان کے سیر و سفر کے دلچسپ حالات اس کے صفحات کی رنگینی کو اور بھی بھڑکاتے رہینگے۔"

عام طور سے اس رسالے میں مہرشی جی کی کوئی چھوٹی سی کتاب چھپتی تھی اور اودھوت کے سرورق کے علاوہ اس کتاب کا بھی ایک سرورق ہوتا تھا۔

اودھوت ۱۹۲۴ء کے اواخر میں نکلنا شروع ہوا تھا۔ تیسرے شمارے میں یہ اطلاع چھپی ہے کہ :

"مہرشی شیوبرت لال جی مہاراج ایکانت سیون کے خیال سے تن تبہاد دھام سے قریب سات آٹھ سو میل کے فاصلے پر تشریف لے گئے ہیں۔ خبر نہیں وہ کب تک واپس آئینگے اور ساتھ ہی یہ بھی ممکن ہے ایکانت سیون کے بعد وہ عراق، عرب، ٹرکی، فارس، افغانستان کے اطراف سیر و سیاحت کی نیت سے ہندوستان سے باہر بھی چلے جائیں اس لیے ان کے نام جو خطوط آئینگے ان کے جواب کے ملنے میں وقت اور طوالت ہوگی۔ جملہ خط و کتابت تا اطلاع ثانی کمترین کے نام ہو۔

فی التاریخ　　　　　　　　نندو سنگھ سکریٹری راودھاسوامی دھام

ماہ جنوری ۱۹۲۵ء　　　　　ڈاکخانہ گوپی گنج، راج بنارس"

راودھاسوامی دھام کو مرکزی حیثیت ضرور حاصل ہو گئی لیکن شیوبرت لال نے لاہور سے تعلق کو ختم نہیں کیا تھا۔ وہاں بھی ان کی تحریروں کی طباعت اور اشاعت کا مرکز قائم تھا۔ اودھوت کے بھی بعد کے کچھ شمارے وہیں سے نکلے تھے چنانچہ اگست ۱۹۲۵ء کے شمارے میں لاہور سے منیجر نے اس سال میں نکلنے والے شماروں کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

"اودھوت کے حسب ذیل نمبر آپ کے پاس پہنچ چکے ہیں:

۱۔ خم کدۂ تخیلات　جلد ۱ نمبر ۱　　۲۔ خمخانہ خیالات　جلد ۱ نمبر ۲

۳۔ خمخانہ عرفان　جلد ۱ نمبر ۳　　۴۔ اودھوت گیتا　جلد ۱ نمبر ۴

۵۔ خمکدۂ سرشار　جلد ۲ نمبر ۱　　۶۔ جام مستی　جلد ۲ نمبر ۲

یہ راودھاسوامی دھام سے بھیجے جا چکے ہیں۔ نمبر ۸، ۹ (آبدار موتی) لاہور سے نذر ہوئے ہیں۔ نمبر ۷ ابھی تک چھپا نہیں ہے، لکھا ہوا پڑا ہے۔ اس حساب سے آٹھ نمبر آپ کی خدمت میں پہنچ چکے۔ اب صرف چار نمبر باقی ہیں۔ وہ آئندہ نومبر میں سب کے سب بھیج دئے جائینگے اور حساب پورا ہو جائیگا۔ اس کے بعد اودھوت کی باقاعدہ رجسٹری کرائی جائیگی تا کہ وقت پر چھپے اور وقت

پر بھیجا جائے۔"

یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اودھوت کی رجسٹری کرانے کی نوبت آئی یا نہیں البتہ ۵۔ فروری ۱۹۲۵ء کو جب کہ وہ شکارپور سندھ میں مقیم تھے شیوبرت لال نے لکھا تھا:

"میں[19] اکثر قدیم قصہ کہانیوں کی مدد سے مشکل اور دقیق مسایل کو اپنی آسان زبان میں حل کر دیتا ہوں۔ فلسفہ کا سمجھنا ہر انسان کے لیے سہل نہیں ہے۔ میں اس وقت اودھوت اور ویدانت میگزین نامی فلسفہ کے رسالوں کا ایڈیٹر ہوں جو اس قسم کی طبیعت رکھنے والوں کو مرغوب ہیں۔"

ویدانت میگزین:

رسالہ "ویدانت میگزین" جس کا اوپر ذکر آیا ۱۹۲۴ء میں جاری ہو گیا تھا۔ جنوری ۱۹۲۵ کے اودھوت میں خود شیوبرت لال کی طرف سے اس کا جو اشتہار چھپا تھا اس میں ہے کہ:

"ویدانت میگزین نامی رسالہ باتصویر بڑی آب و تاب کے ساتھ لاہور سے نکلتا ہے۔ اس سے بہتر اس مضمون کی خبر تمام دنیا کی کسی زبان میں نہیں نکلتی۔ یہ رسالہ ابھی نکلا ہے، اور بہت کثیر الاشاعت ہے۔ اس کے بارہ نمبر نکلنے کے بعد ہم اپنشدوں کو اپنی آسان زبان، اپنی سلیس عبارت اور عام فہم بول چال میں دقیق بات کو پانی کی طرح سہل کر کے نکالینگے۔ کتابیں ضخیم اور قیمتی اور شرح کے ساتھ ہونگی۔"

جون جولائی ۱۹۲۵ء کے اودھوت (آبدار موتی) میں ویدانت میگزین کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"ہر نمبر مکمل کتاب، ہر مضمون نوعیت کی نظر سے لاجواب اور ہر صفحہ ویدانت کی تعلیم کا لب لباب ہوگا۔"

نہیں کہا جا سکتا کہ اس رسالے کے کتنے شمارے نکل سکے تھے۔ غالب گمان ہے کہ یہ

جلدی ہی بند ہو گیا اور اس کی جگہ اپنشد میگزین نے لے لی۔

رمتا رام :

اسی زمانے میں شیوبرت لال نے لاہور ہی سے ایک ہفت روزہ اخبار بھی شروع کرر کھا تھا۔ بعض کتابوں مثلاً بھرو کدار موتی" وغیرہ پر ان کے نام کے ساتھ :

"ایڈیٹر رمتا رام چنگڑ محلہ ، لاہور"

بھی لکھا ہوا ہے۔ اگست ۱۹۲۵ء کے ادوھوت میں اس اخبار کا اشتہار بھی شایع ہوا ہے۔ جو مختصراً اس طرح ہے :

"ہفتہ وار اخبار رمتا رام۔ اخلاق، ادب، روحانیت اور تصوف کے معلم جو ہر ہفتہ شہر لاہور سے نکل کر ہندوستان کے ہر حصہ میں چکر لگاتے ہیں۔

قلمی محرک : شیوبرت لال جی"

کہنے کو تو یہ اخبار تھا لیکن اس میں شیوبرت لال نے اپنی بعض مربوط تحریریں بھی بالاقساط شایع کی تھیں چنانچہ ان کی تالیف "روحانی راماین" پہلی بار ۱۹۲۵ء میں رمتا رام ہی میں چھپی تھی۔ بعد میں وہ جنوری ۱۹۳۷ء کے رسالہ ست سنگ میں بھی شایع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے شروع میں شیوبرت لال نے لکھا ہے :

"میں نے خود تین چار رامائنیں اردو ہندی میں لکھی ہیں۔ سب بار بار چھپی ہیں۔ جینیوں کی اپنی جدا راماین ہے۔ بودھوں کی راماین میری نظر سے نہیں گذری ہے۔ رمتا رام سے رمتا رام راماین یا دسہرہ راماین کی فرمایش ہوئی۔ عزیزوں کی خاطر منظور تھی۔ مسٹر چمپت رائے جین بیر سٹرایٹ لاہردوئی نے اپنی انگریزی آتم راماین بھیجی ہے جو سوامی سنکرانند جی کی تصنیف ہے۔ یہ غالباً ہندی میں ہو گی۔ اصل کتاب مجھے نہ مل سکی اور میں نے اسی کا سہارا لیا ہے۔ اس کا نام روحانی راماین رکھا ہے۔ کتاب اچھی ہے۔ مختصر، دلچسپ اور دلپسند ہے۔ طوالت سے کام نہیں لیا ہے۔ کل صفحے مع فرہنگ ایک سو ستائیس ہیں۔"

دھام کی ترقی :

شیوبرت لال عجیب و غریب صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اطراف ملک میں سیر و سیاحت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور اپنے مسلک کی تلقین و اشاعت کا کام بھی کرتے رہتے تھے اور ان سب کے باوجود انتظامی امور کی طرف بھی کبھی کوتاہی نہیں ہونے دیتے تھے۔ پورہ قانون گویان میں انھوں نے رادھا سوامی دھام قایم کیا تھا۔ اس کی بہتری اور فروغ کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ ۱۹۲۶ء میں وہاں ڈاکخانہ کھلوادیا اور وہاں کی پاٹھ شالا کو ترقی دیکر اسے باقاعدہ درسگاہ کے درجے تک پہنچا دیا۔ خود لکھتے ہیں:

"چونکہ[۱۸] میرے بزرگ براہمن پرست تھے، مجھے بھی یہاں (پورہ قانون گویاں) کے براہموں کی خدمت کے خیال سے رادھا سوامی سنسکرت پاٹھ شالا اور رادھا سوامی اینگلو سنسکرت ہای اسکول قایم کرنے کی فکر ہوی۔ دونوں مدرسے بن گئے۔ گو ابھی ابتدائی حالت میں ہیں آئندہ اعلا پیمانہ کی درسگاہ ہونے کی امید دلاتے رہتے ہیں۔ میری زندگی کی مثال سے یہاں کے براہموں نے گوشت کھانا چھوڑ دیا۔"

دھام میں اکثر ست سنگیوں نے اقامت اختیار کر لی تھی۔ ان درسگاہوں سے ان میں سے بعض کے لئے کام فراہم کرنا بھی مقصود تھا۔ یہ دونوں درسگاہیں ۱۹۲۶ء میں بسنت پنچمی کے موقع پر قایم کی گئی تھیں اور توقع کے مطابق دونوں نے ترقی کی۔ ثانی الذکر اب مہرشی شیوبرت لال انٹر کالج کے نام سے موسوم ہے اور اس میں سائنس کی تعلیم بھی ہوتی ہے۔

جنوری ۱۹۲۷ء میں مہرشی شیو نے دھام کو ایک "ٹرسٹ" کی حیثیت دیدی اور رادھا سوامی جنرل ست سنگ کے تمام انتظام اسی سے متعلق ہو گئے۔ زمانۂ مابعد میں دھام کی آراضی، جایداد وغیرہ میں اضافہ ہوتے رہے۔ اسی زمانے سے شیوبرت لال کے نام کے ساتھ "مہاتما" لکھا جانے لگا۔ دلدار موتی اور جاں نثار موتی وغیرہ کے

سرورق پر اگرچہ ان کا نام اس طرح لکھا ہے:

"باو شیوبرت لال جی ورمن ایم اے"

لیکن ان کتابوں کے آخر میں جو اشتہار چھپے ہیں ان میں نام سے پہلے لفظ باو کی جگہ "مہاتما" نے لے لی۔ پھر ہوشیار موتی کے سرورق پر بھی[۱۸] "مہاتما شیوبرت لال صاحب" ہی تحریر کیا گیا ہے۔

ہندو:

مہاتما شیو کی شروع سے یہ خواہش رہی ہے کہ وہ لفظ "ہندو" کو وسعت دیکر تمام اقوام کو اس کے دایرے میں لے آئیں۔ نانک جوگ کے سبب تالیف میں انھوں نے لکھا ہے:

"پنجاب کے سب سے زیادہ سفید دل اور آزاد مزاج بزرگ لالا لاجپت رائے جی ایک دن مجھ سے کہنے لگے آپ ہندو کی جگہ آریہ لفظ استعمال کیا کیجئے۔ میں نے جواب دیا: یہ مجھے منظور نہیں ہے۔ آپ لوگوں نے غلطی میں پڑکر آریہ جاتی کو بدنام کر دیا اور آریہ سماج کو محدود فرقہ بنالیا۔ آریہ شبد ہندو، جینی، اور بودھ سب کے لیے عام اور مشترک تھا، مگر آپ کے تعصب، تنگ دلی اور تنگ نظری کی وجہ سے سخت پریشان ہو کر انھوں نے اپنے الگ الگ نام رکھ لیے۔ سکھ موجودہ متعصب آریوں کی دیکھا دیکھی اپنے آپ کو غیر ہندو کہنے لگے ہیں۔ برھمو عملاً ہندووں کے دایرۂ اثر سے باہر نکل گئے ہیں۔ آگے کیا حال ہو گا کوئی نہیں کہہ سکتا۔ مجھے گرو گرنتھ صاحب کے مطالعہ کی طرف توجہ کرنی پڑی اور اب اس قابل ہوا ہوں کہ اس کی وضاحت کی جانب توجہ دوں۔ گرونانک صاحب کی تعلیم تو وہی ہے جو کبیر صاحب کی ہے"

غرض مہاتما شیو نے سکھ مذہب کے علاوہ بدھ دھرم، جین دھرم اور کبیر پنتھ وغیرہ کو ہندو دھرم کے دایرے میں لانے کے لیے بہ کثرت کتابیں لکھی تھیں اور ان کا کہنا تھا کہ:

۱۹" تصنیف اور تالیف کے اس کام نے نہایت کامیابی حاصل کی اور پرچار کا
کام خاطر خواہ ہوا اور وہ اب تک کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔"

ان کے حوصلے زیادہ ہوے اور آخر عمر میں تو یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ خدا کی اس زمین پر بسنے والے تمام لوگوں کو ہندو بنا لینا چاہتے تھے چنانچہ ۱۹۳۶ میں انھوں نے ایک کتاب شایع کی جس کا عنوان ہے:

"تمام دنیا اصل و نسل کی نظر سے ہندو ہے"

سندِ اعزازی:

۱۹۲۷ میں جین متر منڈل دہلی نے مہاویر جینتی کے موقع پر چند عنوان مخصوص کر کے ٹریکٹ لکھنے کی دعوت دی تھی۔ شیوبرت لال نے "جین دھرم کی قدامت" کے عنوان سے لکھا۔ اس پر "متر منڈل" نے سند اعزازی (مان پتر) مہرشی جی کی خدمت میں پیش کی اور ٹریکٹ کو واقفیتِ عامہ کے لئے شایع کیا۔ یہ ٹریکٹ "جین دھرم" کے عنوان سے فروری ۱۹۲۸ میں چھپ کر شایع ہوا تھا۔ اس کتاب پر چمپت رائے جین نے "تمہید" لکھی ہے۔ اس میں ہے کہ:

"یہ کتاب بقول مصنف جینیوں کے لیے نہیں بلکہ غیر جینیوں کے لیے ہے
مصنف صاحب ہندو مذہب کو زیادہ پرانا تصور کرتے ہیں۔ میں جین مذہب
کو قدیم تر مانتا ہوں۔"

اس نقطۂ نظر سے چمپت رائے نے کتاب میں جا بجا اختلافی بلکہ تردیدی حواشی بھی لکھے ہیں، جو فکر انگیز اور غور طلب ہیں۔ خود مصنف نے "معذرت" کے عنوان سے اعتراف کیا ہے کہ:

"یہ کتاب نہ مکمل ہے، نہ قابل اطمینان۔ میری دوسری کتاب شاید بہتر ہو۔"

اس کتاب کے آخر میں مہرشی شیو کی، "جین دھرم کی بابت" کتابوں کی فہرست دی گئی ہے جو اس طرح ہے:

۔ آبدار موتی (ناول) ایک جینی پتی ورتا استری کے حالات۔ ہندی، اردو میں

۲۔ تابدار موتی (ناول) یہ بھی دھرم کتھا ہے۔ ہندی اردو میں۔

۳۔ جین رتانت کلپدرم (جینی مہاتماؤں کا حال)

۴۔ گوہر بے بہا ۵۔ گوہر نایاب

۶۔ مہابیر چرتر (ترجمہ گاسپل آف وردھمان)

۷۔ جین دھرم کی تمام مذہبوں پر فوقیت

ان کے علاوہ یہ دو کتابیں بھی ہیں:

۸۔ جین گاتھانجلی اور ۹۔ رشی دتا

لیکن خود مہرشی شیو کا کہنا ہے کہ:

"(میں نے) جینیوں کے متعلق کم از کم سترہ کتابیں لکھی ہیں جو اس طبقہ میں مشہور ہیں اور شوق وذوق سے پڑھی جاتی ہیں"

اپنشد میگزین:

ویدانت میگزین کے منیجر کی طرف سے اودھوت بابت جون وجولائی ۱۹۲۵ء (آبدار موتی) میں ایک اعلان اس طرح سے شایع ہوا ہے:

"اپنشد عام فہم، مسلسل اور باقاعدہ صورت میں۔ ویدانت میگزین نے ویدانت کے ادھکاری پیدا کیے جو اس کے مطالعہ کے بعد اپنشدوں کے سمجھنے کے قابل ہونگے۔ تمام خاص اپنشد یکے بعد دیگرے جلد باقاعدہ نذر ہونگے۔ یہ بھی ماہواری سلسلہ ہوگا تاکہ ہر شخص آسانی سے خرید سکے۔"

یہی اشتہار اس کے بعد کے شمارے میں بھی چھپا تھا۔ ظاہر اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ویدانت میگزین کے جاری کرنے کے کچھ ہی مدت بعد مہاتما شیو کے ذہن میں اپنشدوں کے شایع کرنے کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ اور انھوں نے اس کام کے لیے منصوبہ بھی بنا لیا تھا۔

اپنشدوں سے متعلق پہلا بنیادی کام یہ تھا کہ پڑھنے والوں کے سامنے ان کتابوں کی زبان، مطالب اور فلسفہ کا تفصیل سے تعارف کرادیا جائے۔ اس مقصد کے لیے مہاتما شیونے جو کتاب تیار کی اس کا نام اس طرح مقرر کیا:

"اپنشدوں کا فلسفہ یعنی اپنشد بھاشیہ بھومیکا"

یہی اپنشد میگزین کے پہلے شمارہ کی حیثیت سے چھپا اور اس میں اس نۓ رسالے کے اصول اور مقاصد بھی شایع کیے گئے۔ مقاصد مختصراً اس طرح بتائے گیۓ ہیں:

"ویدانت کے اصول پر بالعموم اور اپنشدوں کے مطالب پر بالخصوص، مؤثر، خاطر نشیں اور طمانیت بخش روشنی ڈالنا۔

اپنشدوں کے گہرے راز کی عقدہ کشائی ایسے عام فہم طریقہ میں کرنا کہ مطالعہ کرتے وقت زندگی کم از کم خیالی طور پر عملی بنتی چلی جائے۔

بھومیکا کے بعد مکمل اپنشدوں کو بہ احتیاط مع واضح تفسیر کے پیش کرتے رہنا۔"

اس پہلے شمارے میں مؤلف یعنی شیوبرت لال کو "ساکن رادھاسوامی دھام" لکھا ہے اور رسالے کے بارے میں یہ اطلاع درج کی گئی ہے کہ وہ "آفتاب برقی پریس امرتسر" میں چھپتا تھا۔ پہلے شمارے کے بعد وعدہ کے مطابق اپنشدوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا، اور ہر شمارے میں کسی ایک اپنشد کو مفصل تعارف، لفظی ترجمہ اور سریع الفہم تفسیر کے ساتھ شایع کیا جانے لگا۔ تیتریہ اپنشد کے خاتمہ کے بعد "التماس" کے تحت خود شیوبرت لال نے لکھا ہے کہ:

"میری شرح یا ترجمہ میں تعصب یا پکشپات نہیں ہے۔ ذرا اوروں کے لفظی ترجمہ کو ملانے اور ملا کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ میں نے عدیم الفرصتی، بیماری اور دوا دوش میں ترجمہ کیے ہیں۔ کسی کی دوبارہ نظر ثانی تک نہ ہو سکی۔ کاپی اور پروف کی اصلاح بھائی کرشن دیال جی ویدراج نے کی ہے۔ روپیہ زیادہ لگا۔ نقصان ہی نقصان رہا۔ سال کے بارہ نمبر پیش ہو گیے۔ آیندہ دیکھا جائیگا۔ جی تو چاہتا ہے کہ لگے ہاتھ ایک سو آٹھ اپنشدیں مکمل کر کے

نذر کر دوں لیکن جب مانگ کا سوال ہی نہ ہو مہیا کرنے والا کیا کرے۔ کہاں تک نقصان گوارا کرے۔۔۔"

تیتریہ اپنشد کی اشاعت اپنشد میگزین کے جنوری فروری ۱۹۲۸ء کے شمارے کی حیثیت سے عمل میں آئی تھی اور اس وقت تک اس میگزین کے اجرا کو "سال بھر نہیں بلکہ پورے ڈیڑھ برس ہو گئے تھے۔ اتنی مدت میں اپنشد میگزین کے خریدار پورے دو سو بھی نہیں ہوے۔ مہرشی شیو کے عقید تمندوں کی تعداد جتنی بھی رہی ہو، واقعہ یہی ہے کہ وہ تمام عمر اپنے رسالوں کے خریداروں کی کمی کا شکوہ کرتے رہے۔ اس کے باوجود ان کی لگن اور جذبہ کی داد دی جانی چاہیے کہ اپنے کاموں کو انھوں نے بہر حال نہ صرف جاری رکھا بلکہ اسے آگے اور آگے بڑھاتے چلے گئے۔ تیتریہ اپنشد کے بعد اپنشد میگزین کا دفتر امرتسر سے الہ آباد میں لے آیا گیا، چنانچہ مارچ ۱۹۲۸ء کا شمارہ جو تیتریہ اپنشد پر مشتمل ہے یونانی دواخانہ پریس الہ آباد میں چھپا تھا اور اس میں یہ "ضروری اطلاع" شایع کی گیی تھی کہ:

"اپنشد میگزین کا دفتر امرتسر سے الہ آباد تبدیل ہو گیا ہے۔"

اپنشد میگزین کب تک جاری رہا یہ بات صحیح طور سے معلوم نہیں ہو سکی۔ جنوری تا جون ۱۹۲۹ء کا شمارہ "چھاندوگیہ اپنشد" ہے اور اس کے آخر میں یہ اشتہار ہے کہ:

"ورہد آرینک زیر ترتیب ہے۔"

جنوب میں:

شمالی ہند میں مہرشی شیو کو رسالہ وگیانی کے زمانے میں استحکام حاصل ہو گیا تھا۔ ادھر سے مطمئن ہونے کے بعد انھوں نے جنوبی ہند کی طرف نظر کی تھی اور ٹھاکر نندو سنگھ کے بقول:

"[۲۱] ۱۹۱۸ء میں آپ حیدر آباد دکن تشریف لائے اور روحانی تعلیم کا سلسلہ قایم کیا۔ حیدر آباد خاص کے علاوہ ریاست کے متعدد اضلاع میں ست سنگ

کی بنیاد ڈالی۔"

وہ علاقے ان کے لیے اجنبی تھے۔ مختلف مقاموں کی سیر کرتے ہنمکنڈہ پہنچے۔ وارنگل کے قلعہ اور دیبل وغیرہ کو دیکھا۔ پھر وہاں[۲۲] سے ۱۹۱۹ء میں مدراس ہوتے ہوئے سیلون (سری لنکا) گئے۔ ٹی پی سنگھ نے اسے ان کا سیلون کا پہلا سفر کہا ہے۔ اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید بعد میں بھی وہ اس طرف گئے تھے۔

واپسی میں وہ پھر ہنمکنڈہ گئے۔ وہاں محلہ راجپوت واڑی میں ایک مکان کرائے پر لیا۔ وہی مکان دکن کے علاقوں میں مہرشی شیو کے ست سنگ کا پہلا مرکز بنا۔ بعد میں اس مکان کے علاوہ قریب کی اور زمین بھی خرید لی گئی۔ اس مکان میں ایک نیم کا درخت اب بھی ہے۔ اس کے نیچے بیٹھ کر وہ اپنے عقیدتمندوں کو تلقین کرتے تھے۔ اس مرکز کے قائم ہو جانے کے بعد انھوں نے قرب وجوار کے مقاموں کریم نگر، عثمان آباد، نظام آباد، رائچور وغیرہ کے سفر کیے۔ ٹھاکر نند و سنگھ نے لکھا ہے کہ:

> [۲۳]"آپ زندگی کے آخری بیس سال ۱۹۱۸ء لغایت ۱۹۳۸ء لگاتار اس صوبے میں ہر سال چھ ماہ موجود رہکر دن رات ست سنگ کراتے رہے۔"

ہتوپدیش:

جنوب کے علاقے سے انھوں نے بہ گمان غالب خود کوئی رسالہ جاری نہیں کیا البتہ بعض کتابیں لکھنے کا پتا چلتا ہے۔

ٹھاکر نند و سنگھ حیدر آبادی کو مہرشی شیو نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ ان کی بیوی مری تو انھوں نے حیدر آباد میں ہی نند و سنگھ کی دوسری شادی کرادی اور اپنی اس بہو "رانی گجرابای" کے لیے ۱۹۲۳ء میں ایک کتاب ہتوپدیش لکھی۔ اس کے دیباچے میں لکھا ہے کہ:

> "آشا ہے دولھن اسے پریم سے پڑھیگی اور یہ جب چھپ جائیگی تو پڑھنے والے بھی اس سے مستفید ہونگے۔"

ست سنگت

بابو موتی لال مختار مہرشی شیو کے خاص عقیدتمندوں میں تھے۔ گرو کی محبت کی وجہ سے رادھاسوامی دھام میں آکر رہنے لگے تھے۔ جنوری ۱۹۳۱ء سے انھوں نے ست سنگت کے نام سے ایک رسالہ نکالنا شروع کیا۔ اس کے سرورق پر لکھا ہوتا تھا:

"شیوبرت لال جی کے تخیلات، مقولات، ارشادات، فیوضات۔ انھیں کی آسان اور عام فہم زبان میں۔ ایڈیٹر، منیجر، پرنٹر، پبلشر بابو موتی لال مختار۔"

جون ۱۹۳۱ء کے شمارے میں ان کی ۱۱۔ مئی ۱۹۳۱ء کی جو تحریر شایع ہوی ہے اس کا ضروری اقتباس درج ذیل ہے:

"ست سنگی بھائیوں کی مسلسل استدعا اور اصرار پر حضور مہرشی شیوبرت لال جی مہاراج کے روزانہ ست سنگ کے بچنوں کو رسالہ کی شکل میں ترتیب دیکر نکالنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ رسالہ ہذا کے پانچ نمبران نکل کر ہدیۂ ناظرین ہو چکے ہیں۔ باوجود اس قدر عرصہ کے ابھی تک خریداروں کی تعداد قابل اطمینان اور حسب دلخواہ نہیں ہوی ہے"

جولائی ۱۹۳۱ء میں خریداروں کی تعداد کے قابل اطمینان نہ ہونے کی شکایت کے ساتھ ساتھ رسالے کے بارے میں ایک قید بھی لگادی ہے۔ لکھتے ہیں:

"رسالہ جنوری ۱۹۳۱ سے نکل رہا ہے صرف روحانیت پسند اور فراخ دل اصحاب خریدار بنیں۔"

خریداروں کی کمی کی شکایت شاید مسلسل رہی ہے، چنانچہ جولائی اور ستمبر ۱۹۳۲ء کے علاوہ جون ۱۹۳۳ء کے شمارے میں بھی لکھا ہے کہ:

"باوجود اس مدت کے اس کی اشاعت کا دایرہ تنگ اور محدود ہے"

رسالہ ست سنگت کے سرورق پر مہرشی شیو کا نام بتدریج تبدیل ہوتا اور ترقی کی طرف بڑھتا رہا ہے، اس طرح:

۱۹۳۱ء کے ابتدائی شماروں پر	شیوبرت لال جی
اکتوبر نومبر دسمبر ۱۹۳۱ء کے مشترکہ شمارے پر	حضور مہرشی جی مہاراج

جولائی ۱۹۳۲ کے شمارے پر۔ شیو جی مہاراج

جنوری فروری ۱۹۳۳ء اور بعد کے کچھ شماروں پر۔ دیال جی مہاراج

اپریل ۱۹۳۵ء کے شمارے پر باہری سرورق پر۔ دیال جی مہاراج

ایضاً اندرونی سرورق پر۔ حضور داتا دیال مہرشی شیوبرت لال صاحب مہاراج

لفظ "دیال" کو اپنے لقب کی حیثیت سے انھوں نے پسند کر لیا تھا چنانچہ ایک اور رسالہ من مگن پر ان کا نام اس طرح چھپتا تھا:

"دیال شیوبرت لال جی ور من ایم اے"

اور زندگی کے آخری دنوں میں وہ معمولاً داتا دیال ہی کہے جانے لگے تھے۔ ست سنگت کے جنوری ۱۹۳۴ء کے شمارے میں ایک اشتہار چھپا ہے۔ اس میں ان کا نام اس طرح لکھا گیا ہے:

"حضور معلاو مقدس، مہرشی شیوبرت لال صاحب مہاراج"

اور مرنے کے بعد ان کے القاب میں مزید اضافے ہوتے رہے چنانچہ حیدر آباد سے نندو بھائی نے رسالہ دیال نکالنا شروع کیا۔ اس پر شیوبرت لال کا نام اس طرح لکھا جاتا تھا:

"پرم سنت، پورن دھنی، حضور معلاو مقدس، مہرشی شیوبرت لال صاحب ور من"

پھر ۱۹۵۸ء سے اسی رسالے میں مختصراً لکھنے لگے:

"دیال (انسانِ کامل) مہرشی شیوبرت لال ور من"

من مگن:

مہرشی شیو کے ایک اور عقیدتمند نند کشور ملہوترہ نے ۱۹۳۳ء کے شروع میں لاہور سے من مگن کے نام سے ایک رسالہ نکالنا شروع کیا تھا۔ اس کے سرورق کی شروعات اس طرح ہوتی تھی:

"رسالہ من مگن لاہور --- دیال شیوبرت لال جی ور من ایم اے

سابق ایڈیٹر سادھو، رمتارام وغیرہ کے عام فہم تخیلات جسے نند کشور ملہوترہ

ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر نے ہندوستان پریس ہسپتال روڈ لاہور میں چھپوا کر دفتر رسالہ من مگن، لاج روڈ، لاہور سے شایع کیا۔"

جنوری ۱۹۳۴ء کے شمارے میں موتی لال مختار ایڈیٹر ست سنگت اور منیجر رادھا سوامی دھام نے اس کی مخالفت میں لکھا:

"اشتہار واجب الاعلان

رسالہ من مگن لاہور سے زیر اہتمام لالا نند کشور صاحب شایع ہوتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حضور معلا و مقدس مہرشی شیوبرت لال صاحب مہاراج کو رسالہ من مگن سے کوئی بھی تعلق ایک عرصہ سے نہیں ہے، نہ ہی ان کے مضامین من مگن میں دئے جاتے ہیں۔ لالا نند کشور صاحب مذکور زبردستی مہرشی جی مہاراج کا نام اپنی طرف سے رسالہ کی ایڈیٹری میں محض اپنے ذاتی مفاد کے خیال سے درج کر دیا کرتے ہیں۔ مہرشی جی صاحب موصوف نے انھیں بہ دفعات ذریعۂ تحریر ارشاد فرمایا کہ وہ اس ناقص اور قابل اعتراض حرکت سے باز آئیں مگر وہ شنوا نہیں ہوتے بلکہ بے شمار شکایتیں من مگن کے متعلق رادھا سوامی دھام میں آرہی ہیں اس لیے ہر خاص و عام کو اطلاع دینے کی غرض سے یہ اشتہار شایع کرادیا جاتا ہے۔ مجسٹریٹ صاحب بہادر لاہور کی خدمت میں بھی تحریری اطلاع اس مضمون کی بھیجی جارہی ہے۔"

اسی مضمون کا اشتہار ست سنگت بابت اپریل ۱۹۳۴ء میں بھی شایع کیا گیا لیکن وہ رسالہ بدستور نکلتا رہا بلکہ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں:

"نیے ست سنگ گھر کے بنیادی پتھر کے اُتسو کی خوشی میں رسالہ من مگن لاہور کا، ست سنگ نمبر،"

بھی شایع ہوا اور اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ:

"بندہ نے حضور مہاراج جی (شیوبرت لالؒ) کے فوٹو دینے کا بھی ارادہ کیا تھا مگر اجازت نہ ملنے کی وجہ سے نہیں دے سکا۔ اگر مہاراج جی کی موج ہوئی تو پھر کسی وقت دئے جاوینگے۔ اب کی دفعہ مہاراج جی کے جیون پر جو نظم بابو گلاب سنگھ

نے تیار کی تھی حسب وعدہ دی جارہی ہے۔ ماہ دسمبر کا پرچہ حضور معلا مقدس نمبر، ہوگا، جس میں رائے شالگ رام صاحب بہادر کا مکمل جیون دیا جاویگا اور ساتھ ہی آپ کا فوٹو اور سوامی جی مہاراج کا فوٹو۔ اگر آپ اس رسالہ کو پندرہ روز دیکھنا چاہتے ہیں تو خریدار پیدا کریں۔ رسالہ کو ہندی زبان میں نکالنے کے لیے کم سے کم دو صد خریدار جب تک نہ ہونگے شروع نہیں کیا جاویگا۔"

اس شمارے کے آخر میں مہرشی شیو کی کتاب "روحانیت کا خزانہ" کا اشتہار بھی دیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشتہار معاصرانہ چشمک کا نتیجہ تھا اور کچھ مدت بعد موتی لال اور نند کشور کے مابین مصالحت ہو گئی تھی اور دونوں کے رسالے بدستور نکلتے رہے۔

پوران :

مہرشی شیو خالی بیٹھنے والے لوگوں میں سے نہیں تھے۔ برابر کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے تھے۔ اپنی مصروفیتوں کے بارے میں انھوں نے خود لکھا ہے :

"ایک ماہوار رسالے کے لیے کئی آدمیوں کی شرکت اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن میں سب کام اکیلا ہی کرتا ہوں اور کسی سے کسی قسم کی تحریری مدد کا سایل نہیں ہوں اور نہ محتاج ہی ہوں۔ اس کے سوا ضخیم کتابیں بھی کبھی کبھی لکھتا رہتا ہوں۔ بیسیوں آدمی روزانہ مجھ سے ملنے آتے ہیں۔ رات کے وقت گھنٹوں ست سنگ کراتا ہوں۔ مجھے درجنوں خطوں کے جواب اپنے قلم سے لکھنے پڑتے ہیں۔ میں یہ سب کرتا ہوں اور اپنے آپ میں تھکاوٹ نہیں پاتا اور نہ شاکی رہتا ہوں۔ سبب یہ ہے کہ میرا کام کھیل کود کا ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ ان کی مصروفیات پر ہی اگر نظر کی جائے تو ان کے غیر معمولی شخص ہونے کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

۸۔ نومبر ۱۹۳۲ء کو انھوں نے ایک نئے رسالے کے جاری کرنے کے لیے اشتہار لکھا جو مارچ اپریل مئی ۱۹۳۳ء کے ست سنگت کے مشترکہ شمارے میں شایع ہوا تھا۔

اس کا ضروری حصہ یہ ہے :

"رادھا سوامی دھام سے ایک رسالہ پوران نامی نکلے گا جس میں پورانوں کے مجموعی تراجم کے ساتھ ان کے روحانی غوامض کی بھی دل کھول کر گرہ کشائی کی جائیگی۔ لکھنے والا میں (شیوبرت لال) ہونگا۔ ہر پوران مع مترجم کی تمہید کے اصل صورت میں پیش ہوگا اور تصویریں بھی دی جاوینگی۔"

اس رسالے میں ایک اور اشتہار چھپا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے :

" اشتہار پوران ماہواری ضخیم رسالہ، رادھا سوامی دھام، مرزا پور ایڈیٹر مہرشی شیوبرت لال جی مہاراج ہونگے مالک اور منیجر تارا دیوی۔"

یہ سلسلہ بھی اپنشد میگزین ہی کی قسم کا تھا۔ مہرشی جی کی درج ذیل کتابیں غالباً اسی سلسلہ کی کڑی ہیں :

۱۔ وشنو پوران حصہ اول ۲۔ وشنو پوران حصہ دوم

۳۔ وشنو سنہتا

دھولا گر پربت :

مہرشی شیو کی زندگی میں نکلنے والا یہ آخری رسالہ سنت کاریالیہ الہ آباد سے شایع ہوتا تھا۔ دیوان جس دھاری لال جو رسالہ سنت کے مہتمم تھے اس رسالے کے بھی پبلشر تھے۔ اس رسالے کے مقاصد میں یہ باتیں شامل تھیں :

"ہندو نوجوانوں کو ہندو دھرم کی ماہیت سمجھانا اور پرانوں کی باتوں کو معمولی عبارت اور عام فہم الفاظ میں ذہن نشین کرانا۔"

اس کا پہلا شمارہ جو مارچ ۱۹۳۶ء میں شایع ہوا تھا "ہنومت سمواد" کے عنوان سے تھا۔ اس کے دیباچے میں شیوبرت لال نے لکھا ہے :

"میری دلی خواہش ہمیشہ یہی رہتی ہے کہ اس انقلابی عہد میں بھی ہمارے پڑھے لکھے نوجوان ہندو دھرم کے اصول کے دایرے کے باہر نہ ہو جائیں۔

زمانہ کتنا ہی کیوں نہ بدلے ہندوپن کے اثرات کچھ نہ کچھ پھر بھی دلوں کے
اندر قائم رہیں"۔

اس کے بعد اپریل مئی ۱۹۳۶ء کے مشترکہ شمارے کے طور پر شیوبرت لال کی وہ کتاب چھپی جس کا عنوان ہے "تمام دنیا اصل و نسل کی نظر سے ہندو ہے۔" اس کے اندر کے سرورق پر رسالے کے بارے میں یہ اندراج ہے:

"دھولاگرپرت۔ مہرشی شیوبرت لال جی کا خاص اپنا ماہواری رسالہ، جس میں صرف ان کے تازہ تازہ مضامین آتے ہیں، یا
ان کے ست سنگ کے بچن سن کر ست سنگی بھائی قلمبند کر کے اپنے نام سے شایع کراتے ہیں۔"

کتاب کے آخیر میں منیجر کی طرف سے اشتہار چھپا ہے:

"دھولاگرپرت کے آیندہ نمبروں میں چھپنے والی کتابیں:
۱۔ چلتی چکی ۲۔ رموز گایتری ۳۔ دیہاتیوں کے مزیدار قصے حصہ اول و دوئم
جو نہایت دلچسپ اور مفید ہیں۔ ناظرین شوق سے انتظار کریں۔"

دھولاگرپرت کے بعد جہاں تک معلوم ہو سکا ہے مہرشی شیو نے کوئی اور رسالہ جاری نہیں کیا۔

ادبھت اپاسنا یوگ:

سومترکمار کے ایک اندراج کے مطابق یہ مہرشی شیو کی آخری تصنیف ہے۔ اس کا منصوبہ انھوں نے کئی برس پہلے بنایا تھا، چنانچہ ست سنگت کے ۱۹۳۱ء کے آخری شمارہ "ہدایت نامہ" میں مذکور ہے:

"حضور مہرشی جی مہاراج ایک ضخیم کتاب لکھ رہے ہیں جو اردو میں ہوگی اور صرف ابھیاسی اور ابھیاس میں جلد ترقی کرنے والوں کو نذر کی جائیگی۔ عام اشاعت کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر آدمی باقاعدہ طریقہ پر ابھیاس کرے تو صرف چھ مہینہ کے عرصہ میں اپنے شغل کو مکمل کر سکتا ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک انھوں نے اس کتاب کے نام کا تعین نہیں کیا تھا لیکن یہ قابل توجہ بات ہے کہ مہرشی شیو نے اپنی تصنیفی زندگی کی ابتدا اردو سے کی تھی اور متعدد زبانوں سے رابطہ کے باوجود انھوں نے خاتمہ بھی اردو ہی پر کیا۔ ست سنگت بابت جنوری فروری ۱۹۳۳ء میں کتاب کا مذکورہ اشتہار اس کے نام کے ساتھ شایع ہوا ہے۔ پھر جولائی ۱۹۳۳ء کے شمارے میں یہ اطلاع چھپی ہے کہ :

"اوبھت اپاسنا یوگ زیرِ ترتیب ہے۔ جلد مکمل ہوگی۔ اب دیر نہیں ہے"

لیکن کتاب کے شروع میں پیشکش کے عنوان سے مصنف نے جو لکھا ہے۔ اس کی تکمیل کی تاریخ ۷ ادسمبر ۱۹۳۷ء معلوم ہوتی ہے۔ کتاب کے اندرونی سرورق پر کئی اندراج ہیں۔ بعض یہ ہیں :

"اوبھت پاسنا یوگ : رموز فقرا کا آئینہ، علم سینہ کا شفاف سفینہ، بصورتِ نگینہ
صلائے عام ہے بدظن و بدگمان کے لئے
ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس تحریر کی تخریب تحقیر، تردید، ابطال اور تضحیک کرے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہوگی کہ کم از کم ایک مرتبہ پڑھیگا تو سہی۔
معلم الفقرا، شیوبرت لال، مقیم رادھا سوامی دھام، ضلع مرزاپور
جملہ حقوق غیر محفوظ۔"

کتاب ختم کرنے کے بعد شیوبرت لال نے "انتم بچن" (آخری کلام) کے عنوان سے لکھا ہے :

"جو کچھ لکھنا تھا میں نے لکھ دیا۔ راز، نیاز، بھید، رھسیہ سب کے پردوں کو اٹھا دیا۔ دیکشا یکشا مل چکی ہے۔۔ میں ست سنگ وغیرہ کا کام بھی چھوڑ چکا ہوں۔ اپنی اپنی شاخ ست سنگ میں اس کا اہتمام رکھو۔"

(۴)

متفرق کتابیں

شیوبرت لال کی زندگی سفر اور سیاحت میں گذری تھی۔ بچپن ہی میں تعلیم کی غرض سے انھیں گھر سے نکلنا پڑا تھا۔ الہ آباد اور چنار گڑھ وغیرہ مقامات پر رہے۔ پھر تلاش معاش میں کلکتے اور پنجاب کے مختلف مقاموں ملتان، بھاولپور وغیرہ کی سیر کی۔ سندھ کے علاقے میں بھی گئے۔ ممالک غیر کی بھی سیاحت کی اور برما، جاوا، سنگا پور، جاپان وغیرہ مختلف مقاموں پر قیام کرتے ہوئے سیلون (سری لنکا) تک کا سفر کیا۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ جہاں بھی گئے وہاں کے رسم ورواج، حکایتوں، روایتوں سے بحدِ امکان واقفیت حاصل کی اور بیشتر کو کتابی صورت میں قلمبند بھی کر دیا۔ اس سلسلے کی بعض کتابوں کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں:

۱۔ عام قصے: دیہاتیوں کے قصے، دیہاتیوں کے مزیدار قصے
سادہ لوح دیہاتی، دیہاتی مسلمانوں کا قصہ
عجیب وغریب قصے

۲۔ بریلی کے زمانۂ قیام میں اپنی بیوی کی فرمائش پر یہ کتابیں لکھیں: ہماری ماتائیں، بھارت کی شجاع استریوں کے کارنامے، وغیرہ۔

۳۔ یوپی کے قصے: آفتاب اودھ، آلھا کھنڈ

۴۔ بنگال کے قصے: بنگالی سورما

۵۔ کشمیر: آئینۂ کشمیر، تحفۂ کشمیر حصہ اول، حصہ دوئم

۶۔ پنجاب کی کہانیاں: ملتان کے قصے، پنجابی سورما حصہ اول، حصہ دوم وغیرہ
سوانح عمری گورونانک دیو سے آٹھویں گورو تک

پانچویں بادشاہی : ، گورو ارجن دیو کی سوانح عمری

گورو تیغ بہادر کی بانی ، سیر ملتان

۷۔ سندھ کی کہانیاں : سندھ کے قصے، سندھ دیش کے پرانے دیہاتی قصے

۸۔ راجپوتوں کی روایتیں : راجپوتوں کے کرتب راجپوتنیوں کے کرتب

رانا پرتاپ ، راجا رسالو

راجستھان کی بیر رانیاں، محاصرۂ چتوڑ

ملکانہ راجپوت۔ اس کے تین حصے ہیں : پہلا حصہ۔ مردانہ راجپوت

دوسرا حصہ۔ مستانہ راجپوت تیسرا حصہ۔ دیوانہ راجپوت

یہ کتاب شدھی تحریک کی وجہ سے امرتسر اور ملتان میں ہونے والے ہنگاموں سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے۔ اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ :

"فقیر کا تعلق اب رادھا سوامی پنتھ سے ہے اور ملکانوں کی شدھی میں سناتنی علما کی سرگرمیوں کا زیادہ حصہ ہے"

۹۔ غیر ممالک سے متعلق کتابوں کا ذکر ان کے موقع پر کیا جا چکا ہے

شیوبرت لال نے سفرناموں میں اپنے تجربات کا بیان بھی کیا ہے۔ ان کی بعض رائیں لائق توجہ ہیں مثلاً

"[1] جو لوگ ہندوستان سے آئے تھے ان میں زیادہ تر جونپور، اعظم گڑھ کے رہنے والے مسلمان تھے۔ تجربہ کہتا ہے کہ ہندوؤں کی نسبت مسلمان زیادہ ہمت والے ہیں۔ ہندوؤں میں صرف پنجابی سکھ بڑے جفاکش اور اولوالعزم دیکھے جاتے ہیں"

اور : "[2] میں یہاں (سین فرانسسکو میں) ۲۲۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کو پہنچ گیا تھا۔ جہاں سے تمام ہندو اور چینیوں کو ایک جزیرہ میں لے گئے جہاں قرنطین ہے۔ بہتوں کو واپس کر دیا۔ ہندوؤں میں سے صرف میں ہی ہوں جس کو بارہ دن کے بعد شہر میں جانے کی اجازت ملی۔ آپ سے کیا کہوں میں نے کیسی اذیت اٹھائی ہے۔ اب ہندوؤں کو امریکہ نہیں آنا چاہیے۔ میں کبھی کبھی

حیران ہوتا ہوں کہ مالک نے مجھ کو یہاں کیوں بھیجا۔"

جناب ٹی پی، سنگھ نے شیوبرت لال کے دکنی دورہ جات، کے ذکر میں لکھا ہے:

"۳ ۱۹۱۹ء میں پہلی مرتبہ آپ سیلون کا دورہ کرنے کے لیے اول مدراس تشریف لائے۔ وہاں سے چلکر ہمنکنڈہ میں شری پنگل راوھا کشن راوجی دیسمکھ کے مکان پر رونق افروز ہوئے۔ یہیں ست سنگ کرانے کا اہتمام کیا گیا۔ دوسری مرتبہ ہمنکنڈہ تشریف لائے تو ایک مکان محلّہ راجپوتان میں کرایے پر لیا گیا۔ بعد میں اسے خرید لیا گیا۔ دکھن دیش میں یہ پہلا مقام ہے جسے آپ نے ست سنگ کا مرکز بنایا۔ جب بھی آپ دکھن میں تشریف لاتے ہمنکنڈہ کے ست سنگ گھر میں تقریباً ایک ہفتہ قیام ہوتا تھا۔"

شیوبرت لال نے اطراف ملک میں جن مقاموں کے دورے کیے تھے، ان سب کی مکمل فہرست تیار کرنا اب عملاً ممکن نہیں ہے۔ صرف بعض سفروں کا حال معلوم ہو سکا ہے اور وہ اس طرح ہیں:

"۴ ۱۹۱۸ء میں کشمیر گئے تھے۔ چند ماہ رہکر اسی سال میں لاہور واپس آگئے۔ اس کے بعد وہ پنجاب کے مختلف شہروں میں قیام کرتے ہوئے بلوچستان اور سندھ کے علاقوں میں گئے۔"

ٹھاکر نندو سنگھ کا کہنا ہے کہ:

"۵ زندگی کے آخری بیس سال ۱۹۱۸ء لغایت ۱۹۳۸ء لگاتار اس صوبے میں (موجودہ آندھرا پردیش) کریم نگر، عثمان آباد، نظام آباد رایچور، وغیرہ مقاموں پر ہر سال چھ ماہ موجود رہ کر وہ دن رات ست سنگ کراتے رہے۔"

"۶ ۱۹۲۵ء میں کراچی، پھر وہاں سے بذریعۂ جہاز بمبئی گئے۔

اپریل جون ۱۹۳۳ء میں پنجاب، ملتان اور سندھ کا ایک بار پھر سفر کیا۔

۱۹۳۴ء میں سنام، پٹیالہ، بھٹنڈہ، کراچی گئے۔ اور پھر واپسی میں علی گڑھ آئے۔

مارچ ۱۹۳۷ء میں دہرہ دون اور پھر اکتوبر میں، سہارنپور گئے۔

مئی ۱۹۲۸ء میں بلیا اور پھر دسمبر میں پانی پت تشریف لے گئے۔"

وہ پہلی بار ۱۹۳۰ میں علی گڑھ گئے تھے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا چنانچہ منشی لال گویل کا بیان ہے کہ:

"[۷] جب حضور نے ۱۹۳۵ء میں رسالہ سومیرو پربت (ہندی) جاری کیا تو ڈاکخانہ کھلوایا جس کا نام دیال نگر رکھا گیا۔ ایک باغ لگوایا جسے دیال باغ نام دیا گیا۔ دیال کٹی بنوائی۔ دیال دھام کا سنگ بنیاد رکھا۔ علی گڑھ میں جو جگہ مجھے دلائی گئی اس احاطے کا نام دیال کمپاونڈ تجویز ہوا۔ غرض جو کام سرانجام دیے یا ہم لوگوں سے کرائے سب کے سب دیال ہی کے نام سے منسوب کیے گئے۔"

اسی زمانہ میں شیوبرت لال لاہور کی سکونت ترک کر کے الہ آباد آ گئے اور پھر دھام میں رہنے لگے لیکن کبھی کبھی لاہور وغیرہ جاتے رہے۔

اس قدر سیر و سیاحت کے باوجود شیوبرت لال کی کارکردگی میں کبھی فرق نہیں آیا۔ نند و بھائی نے ان کی مصروفیتوں کے بارے میں اپنے مشاہدات قلمبند کیے ہیں۔ ان میں ہے کہ:

"[۸] رات دن خود محنت و مشقت میں برابر لگے رہتے تھے۔ خود کماتے تھے۔ سیکڑوں کو کھلاتے تھے۔ آپ نے تین ہزار سے زیادہ کتابیں نثر و نظم میں لکھی ہیں۔ آپ کی تحریریں ہمیشہ قلم برداشتہ ہوا کرتی تھیں۔ جب ایک مرتبہ لکھ لیتے تھے تو پھر دوبارہ اسے الٹ کر نہیں دیکھتے تھے۔ نظم لکھتے تھے تو قلم نہ کہیں رکتا تھا نہ کوئی لفظ کٹتا تھا اور نہ رفتارِ خیال کبھی کہیں دھیمی پڑتی تھی۔"

اس غیر معمولی مصروفیت کے باوجود شیوبرت لال کی بیساختہ تحریریں صاف، سلیس اور واضح ہوتی تھیں۔ ان کا خطِ تحریر بھی نہایت۔ پختہ اور دلپسند ہوتا تھا۔

گلستانِ ہزار رنگ کے مؤلف نے اس کے آخر میں "مختصر فہرستِ کتب" شامل کی ہے اس میں لکھا ہے کہ:

"[۹] اگرچہ آپ کی کل تصانیف کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے تاہم یہاں صرف اسی قدر کتب کی فہرست دی جا رہی ہے جو ہمیں اب تک حاصل ہوئیں۔"

اس فہرست میں اردو، ہندی اور انگریزی میں شایع شدہ ان کی چھ سو چھیانوے کتابوں کے نام شامل کیے گیے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ فہرست نامکمل ہے اور اس میں بہت کچھ اضافے کی گنجائش ہے۔ ایک بات کا البتہ تعجب ہے کہ ان کے کسی بھی عقیدتمند نے شیوبرت لال کی غیر مطبوعہ تحریروں کے محفوظ ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے حالانکہ ان کے جیسے زود نویس اور بسیار نویس صاحب قلم کی متعدد تحریروں کا غیر مطبوعہ رہ جانا ہر طرح قرین قیاس ہے۔

جناب سومتر کمار کی عقیدت اور علمی محبت واقعی لائق صد رشک تھی کہ انھوں نے مطبوعہ کتابوں کے علاوہ شیوبرت لال کے چھوٹے چھوٹے مسودے اور رقعہ بھی سینے سے لگا کر نہایت حفاظت سے رکھ چھوڑے تھے۔ ان میں "مخزن امثال" نامی ایک کارآمد کتاب تھی جسے ڈاکٹر محمد انصار اللہ نے چند سال پہلے چھپوا کر شایع کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ جن غیر مطبوعہ تحریروں کا حال انھیں معلوم ہو سکا تھا، ان کی فہرست درج ذیل ہے:[10]

الف۔ قصے، بخط مہرشی جی ۱۔ ٹھیٹھ دیہاتی تلنگوں کے قصے،

۲۔ ساس کی سیوا کا پھل، ۳۔ سچی عورت، ۴۔ عقیلہ لڑکی، ۵۔ غلط عشق

۶۔ خیرات کا پھل، ۷۔ نجوم اور مردم شماری کی بنیاد ۸۔ حقیقت نمبر ۲،

۹۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، ۱۰۔ ایک ویدانتی ۱۱۔ ایدا کی رانی

ب۔ ڈراما بخط مہرشی جی۔ مقام تصنیف ہنگم پیٹ، ۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۴ء

اسلامی وفاداری ، ایاز و محمود

۱۹۳۴ء۔ قصہ کہانی، حصہ اول پندرہ ابواب، سرورق پر یہ عبارت "مصنفہ، مجددہ دو مرتبہ منشی گوری شنکر لال صاحب اختر رئیس زادۂ کشنی، ملک اودھ" یہ فل سکیپ سائز کے چودہ صفحات پر ہے۔

تارا دیوی نامی مہرشی جی کی عقیدت مند ایک خاتون تھیں۔ ست سنگیوں کے کھانے پینے وغیرہ کے تمام انتظام ان سے متعلق تھے۔ وہ مہرشی جی کے شبدوں کو خوش الحانی سے گاتی تھیں۔ ان کی خاطر سے بھی مہرشی جی نے بہت نظمیں لکھی

تھیں۔ جن نظموں کے مسودے موجود بتائے گیے ہیں، یہ ہیں:

ج۔ مضمون: "خدا حاضر اور ناظر ہے" مہرشی جی کے قلم سے، دھام میں لکھا گیا۔ تارادیوی حیدر آبادی کے نام سے۔

(د) نظمیں مہرشی جی کے قلم سے

۱۔ طویل نظم۔ کیا کہتے ہو میرے لیے

۲۔ نظم۔ میں اس چوٹی پہ بیٹھا ہوں جو سب سے اونچی چوٹی ہے۔

۳۔ نظم۔۔ عورت

۴۔ ایک طویل نظم

۵۔ ایک طویل نظم۔ ۳۵ بند کی

۶۔ ایک سوال کا جواب۔ ۳۵ بند میں

(ہ) نظمیں جو تارادیوی کے نام سے لکھی گئی ہیں۔ مہرشی جی کے قلم سے

۱۔ خدا دیکھتا ہے، خدا دیکھتا ہے۔ طویل نظم

۲۔ نظم، طبعزاد شریمتی تارادیوی

۳۔ تارادیوی کے تخیلات

(و) ۱۔ ایک لوری۔ اختر صاحب کے نام سے

۲۔ ایک نظم

۳۔ ایک طویل نظم۔ ۱۷ جون ۱۹۰۴ء

ان میں سے بیشتر کتابیں جناب سومتر کمار نے ڈاکٹر محمد انصار اللہ کو ازراہ علم نوازی عنایت کردی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ:

"جس وقت وہ کتابیں جناب سومتر کمار نے مجھے دینے کے لیے نکالی تھیں ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ رندھے ہوئے لہجے میں انھوں نے کہا تھا کہ میں نے ان کو بڑی محبت سے رکھا تھا۔ آج ان کو خود سے جدا کرتے ہوئے دل رو رہا ہے البتہ اس خیال سے بڑی طمانیت محسوس ہو رہی ہے کہ یہ کتابیں

صحیح آدمی کے ہاتھ میں جارہی ہیں۔"

زندگی کے بارے میں شیوبرت لال کا جو نظریہ تھا اس کا بیان انھوں نے اس طرح کیا ہے کہ

"[11] ہم کو موت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے ہم کو شانتی اور دلجمعی سے اس لمحہ کا منتظر رہنا چاہئے۔ موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے، صرف تبدیلی ہے۔ ہم فنا نہیں ہوتے، تبدیل ہوتے ہیں۔ کیڑا جو ایک سخت تہ کے اندر رہتا ہے گو مرتا ہوا معلوم ہو، مگر مرتا نہیں، پیدا ہوتا ہے اور تتلی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ یہی حال ہمارا بھی ہوگا۔ گو ہمارا جسم زمین پر عناصر میں مل جائیگا لیکن روح ضایع نہ جائیگی ہم پھر پیدا ہونگے۔"

رحلت :

ٹھاکر نندو سنگھ نے رحلت "وصال" کے عنوان سے شیوبرت لال کے احوال میں لکھا ہے کہ :

"[12] ۱۹۳۸ء میں آپ کے برادر خرد ٹھاکر سورج نارائن سنگھ جی کا انتقال ہوا۔ آپ اپنے بھائی سے بہت پریم کرتے تھے کیونکہ جس وقت سورج نراین کی ماتا بستر مرگ پر تھیں انھوں نے بچے کو حضور داتا دیال کی گود میں رکھکر پران تیاگا تھا۔ بھائی کے بعد سے مہرشی جی کی توجہ شریر سے ہٹ گئی۔ کھانے پینے کی طرف سے بے پرواہ رہنے لگے۔ دن بہ دن کمزوری بڑھنے لگی مگر برابر تین بار روزانہ ست سنگ کراتے رہے۔ ست سنگ کے وقت کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ کمزور ہیں۔ چولا چھوڑنے سے ایک دو سال قبل آپ کھلم کھلا تصوف کے نکتوں اور باریکیوں کو سمجھانے لگے تھے۔ ۲۳ فری ۱۹۳۹ء کو بمقام رادھا سوامی دھام (پورہ قانون گویان) بروز بدھ، رات کے ساڑھے چار بجے لیٹنے کی خواہش ظاہر کی۔ پو پھٹنے سے پہلے سفید چادر اوڑھ کر لیٹے اور چولا چھوڑ دیا۔"

شیوبرت لال نے اپنے عقیدے کے مطابق محتاط اور با اصول زندگی بسر کی تھی لیکن ہر صبح کے لیے شام ہونی لازم ہے۔ اس کلیہ سے مستثنا کوئی بھی نہیں ہے۔ مام چند کا بیان ہے کہ :

"یکم ۱۳ جنوری ۱۹۳۹ء کے بعد حضور نے ست سنگ فرمانا بالکل بند کر دیا اور تقریباً ہر وقت سمادھی میں رہنے لگے۔ کچھ بواسیر کی تکلیف بھی محسوس کرتے تھے۔ جسم کی کھال آہستہ آہستہ ہڈیوں کو چھوڑتی جا رہی تھی۔ حضور بواسیر کے لیے گھی کوار کا استعمال کرنا چاہتے تھے لیکن ست سنگیوں کی ضد سے دوائی استعمال کرنے لگے۔ میں ایک ڈاکٹر کو بلا لایا۔ دیکھنے کے بعد انھوں نے عرض کیا: آپ کا علاج میرے بس کا نہیں۔ آپ اپنی مہما کو خود ہی جانتے ہیں۔ حضور نے کہا مجھے گھی کوار کھانے کو دو اور وہی باندھو۔ یہی میرا علاج ہے۔"

۲۳۔ فروری کو دن کے دو بجے دھرم شالہ کے عقب کے کھیت میں چتا تیار کر کے دگدھ سنسکار کیا گیا۔ اس وقت راجا رام سنگھ (لی ہنگ چانگ) اور لکشمن کشور سنگھ بھی آ گئے تھے۔

سمادھی:

دھام ہی میں مہرشی جی کی سمادھی بنائی گئی۔ بعد میں اس کے اوپر ایک خوبصورت مندر تعمیر کر دیا گیا۔ دھام کے باہر سمادھی کے دروازے کے اوپر سنگ مرمر کی لوح پر یہ عبارت کندہ ہے:

"Here lies the holy ash of a perfect man Data Dayal who was the liberater of self from the clutches of body, mind and soul."

اپنی موت:

مہرشی جی نے آخر زمانے میں موت کے موضوع پر کئی نظمیں لکھی تھیں۔ بیشتر طویل ہیں۔ ایک نظم کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:

اپنی موت

ہم اپنی زندگی سے روٹھ کر بیزار بیٹھے ہیں
نہ بستر پر اجل کے اس طرح بیمار بیٹھے ہیں

نہیں ہے خوابِ غفلت، دیکھ آنکھیں کھلی کیسی
اجل لے گود میں ملنے کو ہم ہشیار بیٹھے ہیں
نہ جنت کی تمنا ہے، نہ دوزخ کا کوئی ڈر ہے
مریں، حق کی زیارت ہو، پے دیدار بیٹھے ہیں
ہنسی آتی ہے ہم کو گر داپنے دیکھ کر مجمع
طبیبو دور بھاگو، ہم نہیں بیمار بیٹھے ہیں
اس اپنی زندگی میں دوزخ اور جنت کے منظر سب
کھلی آنکھوں سے دیکھے، ہم نہیں لاچار بیٹھے ہیں
نگاہِ حق میں نیّر ہو گئے معدوم اب دونوں
نہ رحماں ہے،، نہ شیطاں، و ہم اور پندار بیٹھے ہیں

منوّر کے قطعے :

منشی، بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی داتا دیال کے خاص عقیدت مندوں میں تھے۔ انھوں نے سترہ قطعے اور رباعی داتا دیال کی یاد میں کہے تھے۔ بعض یہ ہیں :

(۱) ہونے کے لیے اہلِ قلم ہوتے ہیں
یاقوت خط، الماس رقم ہوتے ہیں
لیکن شیو برت لال ورمن کی طرح
انشا پرداز لوگ کم ہوتے ہیں

(۲) معلوم نہیں کس کو فسانہ ان کا
دیکھا دنیا نے ہے زمانہ ان کا
شاعر، ناثر، ادیب، اس پر درویش
لاریب وجود تھا یگانہ ان کا

(۳) عارف دیکھے، فقیر دیکھے ہم نے
نانک دیکھے، کبیر دیکھے ہم نے

منشی شیو برت لال ورمن کے طفیل
لاکھوں روشن ضمیر دیکھے ہم نے

(۴) خوابِ دنیا، خیال عقبا، چھوڑا
ہم کیا کہیں، دوجہاں میں کیا کیا چھوڑا
رادھا سوامی سے مل کے جاوید ہوئے
جس وقت مہارشی نے چولا چھوڑا

اپنے بارے میں :

داتادیال نے خود اپنے بارے میں کہا تھا کہ :

"میں بذات خود نہ ہندو ہوں نہ مسلمان ہوں۔ میں خود کیا ہوں اس کا حال تم کو میری تصنیف و تالیف سے معلوم ہو گا۔ میں مسلمان مُردوں کی خاطر مسلمان بن کر ان کو مسلمانوں کے موافق دعا دیتا ہوں اور ہندو مردوں کی خاطر ہندوؤں کے طرزِ عمل کا پیرو ہو کر پرارتھنا اور آرادھنا سے سرادھ کرتا ہوں تاکہ انھیں بآسانی میری دعا اور پرارتھنا کا فیض پہنچے اور اگر خیال کی دھارا میں طاقت و لطافت اور صداقت ہے تو وہ ضرور اپنا عمل کرنے سے نہ چوکیگی۔ مسلمانوں کے لیے میں سچا مسلمان ہوں اور ہندوؤں میں سچا ہندو ہوں۔"

اور

"میرا جسم مر جائے گا۔ یہ فانی ہے۔ میرے پیچھے یہ نظر نہ آئے گا۔ مجھے اس سے پیار و محبت بھی نہیں ہے۔ میں ذات باقی ہوں۔ بہت دنوں تک دنیا میں میری سمادھی اور میری تربت رہے گی۔ وہ لوگوں کو یاد دلائے گی کہ شیو کا جسم یا جسم کی خاک اس میں دفن ہے۔ وہ نیک جذبات کو ابھارنے میں مددگار ہو گی۔ میری کتابیں، میرے خیالوں کے نوشتے کچھ عرصے تک مادّی دنیا میں میرا نشان باقی رکھیں گے۔ پھر کیا ہو گا نہ مجھے کچھ کہنے کی اور نہ تمھیں جاننے کی ضرورت ہے۔

مرنے کے بعد قبر کا میری کہاں پتا
عارف کے صاف سینے میں میرا مزار ہے

حواشی

(۱)

۱۔ جان نثار موتی ص ۲

۲۔ کایستھوں کی اصل کے بارے میں اختلاف چلا آتا تھا۔ ان کو کبھی برہمن اور کبھی کشتری (چھتری) ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ سومتر کمار کا کہنا تھا کہ راج ترنگنی میں کایستھوں کو براہمن کہا گیا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں یہ معاملہ عدالت میں بھی گیا تھا۔ وہاں ان کو چھتری مانا گیا۔ مہرشی جی نے بھی اپنے دادا کی زبان سے نقل کیا ہے کہ "میں کشتری ہوں" (کوشتکی براہمن ص ۶۱) بادشاہ کا ان کو ٹھاکر خطاب عطا کرنا بھی اسی نظریہ کا موید ہے۔

۳۔ براہمن قوم کی بیوہ عورتیں۔ مارتنڈ جون ۱۹۱۰ء

۴۔ شاہی ڈاکو ص ۳۲ تا ۳۳ ۵۔ تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۵۲

۶۔ رنگدار موتی ص ۸۸

۷۔ کوشتکی اپنشد ص ۶۰۔ تعجب ہے کہ نندو بھائی جیسے شخص نے لکھا ہے "آپ کے بزرگوار دادا منشی کیول کشور صاحب وکیل سرکار مہاراجہ بنارس تھے (دیال جوگ ص ۳۳ گلستان ہزار رنگ ص ۳۱، وغیرہ)۔ یہی بات بعد کے سوانح نویسوں نے بھی نقل کر دی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ نام مہرشی جی کے شجرے میں کہیں نہیں آیا ہے۔

۸۔ چھاندوگیہ اپنشد ص ۱۲ ۹۔ کوشتکی براہمن اپنشد ص ۵۹ تا ۶۲

۱۰۔ گلستان ہزار رنگ ص ۸۴

۱۱۔ تعجب ہے کہ جناب کوبیر ناتھ نے ان کا نام "شری سمپت لال جی" لکھا ہے

(گلستان ہزار رنگ ص ۲۳)

۱۲۔ مارتنڈ مئی ۱۹۱۱ء ص ۲۷ ۱۳۔ ایضاً ص ۱۳

۱۴۔ سادھو مئی ۱۹۱۱ء ص ۱۲۸ ۱۵۔ رنگدار موتی ص ۱۵۱

۱۶۔ گلستان ہزار رنگ ص ۲۳ ۱۷۔ ایضاً ص ۵۱

۱۸۔ دیال جوگ ص ۳۳ ۱۹۔ ایضاً ص ۲۴

۲۰۔ اوبھت سندیش ص ۶۴ ۲۱۔ مارتنڈ جون ۱۹۱۰ء ص ۱۰

۲۲۔ گلستان ہزار رنگ ص ۵۶

۲۳۔ مان سرو ور الہ آباد، فروری ۱۹۶۱ء ص ۳۸

۲۴۔ اوبھت سندیش ص ۶۴ ۲۵۔ مہاشیو راتری ص ۵ تا ۱۰

۲۶۔ گلستان ہزار رنگ ص ۶۲ ۲۷۔ ایضاً ص ۳۶

۲۸۔ ایضاً ص ۳۵ ۲۹۔ ایضاً ص ۲۳

۳۰۔ ہماری ماتائیں ص ۱۱ ۳۱۔ ایضاً ص ۲۴

۳۲۔ ایضاً ص ۵۴ ۳۳۔ سادھو اپریل ۱۹۱۱ء ص ۱۲۲

۳۴۔ سفرنامہ۔ سادھو فروری مارچ ۱۹۱۲ء ص ۲۲۶

۳۵۔ مارتنڈ مئی ۱۹۱۱ء ص ۱۳ ۳۶۔ گلستان ہزار رنگ ص ۲۴

۳۷۔ ہماری ماتائیں ص ۱۱ تا ۱۲ ۳۸۔ گلستان ہزار رنگ ص ۹۱

۳۹۔ ہماری ماتائیں ص ۱۲ تا ۱۳ ۴۰۔ دیال جوگ ص ۳۵

۴۱۔ گلستان ہزار رنگ ص ۵۱ ۴۲۔ ہماری ماتائیں ص ۱۳

۴۳۔ مارتنڈ مئی ۱۹۱۱ء ص ۳۸ ۴۴۔ مارتنڈ مئی ۱۹۱۱ء ص ۲۸

۴۵۔ ہماری ماتائیں ص ۱۳۔ ۱۴

۴۶۔ گلستان ہزار رنگ ص ۲۱ تا ۲۲ ۴۷۔ دیال جوگ ص ۳۴

۴۸۔ دیال جوگ ص ۳۳۔ جس زمانے میں نندو بھائی نے کتاب دیال جوگ تالیف کی تھی بھدوہی کے الگ ایک ضلع ہونے کا کوئی تصور بھی موجود نہیں تھا۔

۴۹۔ شیو شمبھو فروری ۱۹۱۷ء ص ۹۳

۵۰۔ گلستان ہزار رنگ ص ۲۳ تا ۲۴

۵۱۔ ایضاً ۵۲۔ دیال جوگ ص ۳۳

۵۳۔ گلستان ہزار رنگ ص ۲۴ ۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ ہماری ماتائیں ص ۱۱ ۵۶۔ گلستان ہزار رنگ ص ۳۵

۵۷۔ زبان دہلی نمبر ۲۔ ۳ ۱۹۱۱ء ص ۹۹

۵۸۔ سکھ سدھار ص ۷۹ ۵۹۔ گلستان ہزار رنگ ص ۱۶

۶۰۔ بر و ھی سدھار ص ۴۵ ۶۱۔ گلستان ہزار رنگ ص ۲۵

۶۲۔ ایضاً ص ۱۵ دیال جوگ ص ۳۴ ۶۳۔ ایضاً

۶۴۔ گلستاں ہزار رنگ ص ۴۳

۶۵۔ ایضاً ۶۶۔ دیال جوگ ص ۳۴

۶۷۔ گلستان ہزار رنگ ص ۶۹ تا ۷۰ ۶۸۔ ایضاً ص ۲۵

۶۹۔ ایضاً ص ۷۰ ۷۰۔ ہماری ماتائیں ص ۱۲

۷۱۔ دیال جوگ ص ۳۴ ۷۲۔ ست سنگت مئی ۱۹۳۵ء ص ۳۵

۷۳۔ گلستان ہزار رنگ ص ۲۵

۷۴۔ آخری ست سنگ کا آخری بچن، ص ۸۵

۷۵۔ گلستان ہزار رنگ ص ۶۸ ۷۶۔ پرم سندیش ص ۱۰۲

۷۷۔ اس درخواست کی زیراکس نقل ہمیں سومتر کمار صاحب سے ملی تھی۔

۷۸۔ ادبھت اپاسنا یوگ ص ۱۱ ۷۹۔ گلستان ہزار رنگ ص ۳۴

۸۰۔ رائے شالگرام صاحب ص ۸ ۸۱۔ دیال جوگ ص ۳۵

۸۲۔ گلستان ہزار رنگ ص ۶۸

(۲)

۱۔ مارتنڈ جنوری ۱۹۱۱ء ص ۲۶ ۲۔ ایضاً دسمبر ۱۹۱۸ء ص ۸ تا ۱۶

۳۔ زمانہ جون ۱۹۳۹ء ص ۴۰۳

۴۔ دیال جوگ ص ۲۴۹

۵۔ مارتنڈ اپریل ۱۹۱۰ء ص ۳۹

۶۔ مارتنڈ جولائی ۱۹۱۰ء ص ۷

۷۔ مارتنڈ اکتوبر ۱۹۱۰ء ص ۳۷ تا ۴۰

۸۔ مارتنڈ جنوری ۱۹۱۱ء ص ۲۲ تا ص ۲۶

۹۔ خمخانۂ جاوید جلد ۲، تقریظ، ص ۳۶ وغیرہ

۱۰۔ سار سندیش دیباچہ ص ۷

۱۱۔ مکتوبات مہرشی جنوری ۱۹۵۷ء ص ۱۶

۱۲۔ مارتنڈ جولائی ۱۹۱۰ء ص ۱۹

۱۳۔ شاہی لکچر ہار ا ص ۵

۱۴۔ نانک جوگ ص ۱۰ تا ۱۲

۱۵۔ گلستان ہزار رنگ ص ۵۲

۱۶۔ ایضاً ص ۱۶

۱۷۔ شری سد بھگوت گیتا حصہ ا ص ۷

۱۸۔ وگیانی دسمبر ۱۹۱۸ء ص ۱۸۳

۱۹۔ گلستان ہزار رنگ ص ۶۸

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ مارتنڈ فروری ۱۹۱۱ء ص ۵

۲۲۔ زمانہ جون ۱۹۳۹ء ص ۴۰۳

۲۳۔ سادھو جولائی ۱۹۰۹ء ص ۸ تا ۹

۲۴۔ گلستان ہزار رنگ ص ۸۶

۲۵۔ ایضاً ص ۳۴

۲۶۔ شیو شمبھو اگست ستمبر ۱۹۱۸ء

۲۷۔ اوبھت اپاسنا یوگ ص ۱۸ تا ۱۹

۲۸۔ مارتنڈ اکتوبر ۱۹۱۰ء ص ۱۴

۲۹۔ گلستان ہزار رنگ ص ۴۴

(۳)

۱۔ نج اپکار سدھار ص ۴۳

۲۔ پنتھ سندیش ص ۷ تا ۸

۳۔ زمانہ جون ۱۹۳۹ء ص ۴۰۴

۴۔ گلستان ہزار رنگ ص ۸۳

۵۔ مکتوبات مہرشی حصہ ۳ ص ۲۰

۶۔ ایضاً حصہ ۳ ص ۱۰

۷۔ گلستان ہزار رنگ ص ۳۵

۸۔ مارتنڈ ستمبر ۱۹۱۰ ص ۲۸

۹۔ وگیانی جولائی ۱۹۱۸ء ص ۱۰۵ تا ص ۱۰۷

۱۰۔ وگیانی فروری ۱۹۱۸ء ص ۳

۱۱۔ وگیانی نومبر دسمبر ۱۹۱۸ء ص ۲

۱۲۔ نانک جوگ ص ۳۰۱ ۱۳۔ راوھا سوامی جوگ، ص ۵۰۸

۱۴۔ سنت مال ص ۳۱۲ ۱۵۔ ایضا ۳۱۳ تا ۳۱۴

۱۶۔ آبدار موتی ص ۱۳ ۱۷۔ بھڑکدار موتی ص ۱۱

۱۸۔ جاں نثار موتی ص ۲ تا ۳ ۱۹۔ ادبھت اپاسنا یوگ ص ۱۹

۲۰۔ ادبھت اپاسنا یوگ ص ۱۸ ۲۱۔ گلستان ہزار رنگ ص ۵۳

۲۲۔ ایضاص ۶۳ ۲۳۔ ایضاص ۵۳

(۴)

۱۔ سادھو فروری مارچ ۱۹۱۲ء ص ۲۴۰ ۲۔ ایضاً ایضاً ص ۲۲۵

۳۔ گلستان ہزار رنگ ص ۶۳ ۴۔ وگیانی اگست ۱۹۱۸ء ص ۱۱۳

۵۔ گلستان ہزار رنگ ص ۵۳

۶۔ ایضاص ۱۳، ۱۷، ۱۹، ۲۶، ۳۲، ۳۳، ۵۹ تا ۶۲ وغیرہ

۷۔ ایضاص ۴۴ ۸۔ دیال جوگ ص ۴۲

۹۔ گلستان ہزار رنگ ص ۴۵۲ ۱۰۔ داتا دیال، ص ۸۹ تا ۹۰

۱۱۔ الحیات بعد الممات ص ۱۵۲ ۱۲۔ دیال جوگ ص ۴۴ تا ۴۵

۱۳۔ گلستان ہزار رنگ ص ۲۲

دوسرا باب

شاعر اور شارح

(الف)

شاعری

(۱)

شیوبرت لال نے تمام عمر خود کو شاعر کی حیثیت سے متعارف کرانا پسند نہیں کیا لیکن طبیعت موزوں پائی تھی۔ جذبات کے جوش اور دل کے خروش کو کون روک سکتا ہے۔ شیوبرت لال بھی کچھ مستثنا نہیں تھے۔ اکثر زبان سے کلام موزوں نکل جاتا تھا۔ اس کو کبھی خود اور کبھی ان کے عقیدت مند لکھ لیتے تھے۔

چونکہ وہ شعوری طور پر یا مشاعروں اور محفلوں میں پڑھنے کے لیے شعر نہیں کہتے تھے، ان کا کلام بھی کسی مخصوص ہیئت کا پابند نہیں تھا۔ کبھی غزل، رباعی، قطعے اور مختصر نظم وغیرہ کی شکل میں ہوتا اور کبھی شبد، بھجن، کنڈلی، گیت، ہندنا اور دوہرے وغیرہ کی صورت میں ہوتا تھا۔ انھوں نے کبھی کبھی عقیدتمندوں کو منظوم خط بھی لکھے ہیں۔

زبان کا بھی یہی معاملہ تھا۔ کبھی نہایت شستہ اور شایستہ زبان میں شعر کہتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض وقت قلم روانی پر آتا تو مصرعے کے مصرعے فارسی زبان میں نکل جاتے تھے۔ کبھی طبیعت اپنی اصل پر آجاتی تو ٹھیٹھ ہندوستانی اوزان و بحور میں، اور سنسکرت آمیز زبان میں عقیدتمندانہ کلام کہتے چلے جاتے۔

ان کی شاعری اکتسابی نہیں تھی، نہ اس سے انھیں زبان و بیان اور عروض و قوافی وغیرہ علوم پر اپنی دسترس کا اظہار مقصود ہوتا تھا۔ وہ اپنے کلام سے روزمرہ کے لطف اور محاورہ بندی کے کرشمے بھی دکھانا نہیں چاہتے تھے یعنی ان کی شاعری خیالات اور جذبات پر مبنی تھی۔ الفاظ تو محض وسیلہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ بے شک وسیلہ کی اہمیت

سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن وسیلہ پھر وسیلہ ہے اور اصل بہر حال اصل ہے۔ اصل کے درجے کو کوئی وسیلہ بھی ہر گز نہیں پہنچ سکتا چنانچہ نکتہ چیں طبیعتیں شیوبرت لال کے کلام میں طرح طرح کی خامیوں اور فروگذاشتوں کی نشاندہی کر سکتی ہیں لیکن جو بات وہ کہنا چاہتے ہیں وہ خاص انھیں کی ہے اور اسے پالینا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اپنی محفلوں میں وہ اکثر اپنے شعروں کی توضیح و تشریح بھی کرتے تھے اور ان کے کلام کو عقیدتمند بیش بہا سرمایہ خیال کر کے سینے سے لگائے رہتے ہیں۔

شیوبرت لال نے خود کو شاعر کی حیثیت سے معروف ہو جانے سے بچا لینے کی ایک دلچسپ صورت یہ نکالی کہ وہ اپنے کلام میں مختلف لوگوں کے تخلص نظم کر دیتے تھے اور جب وہ کلام ایک مجموعہ کی صورت میں مرتب ہو جاتا، اسے اسی شخص کو جس کا کہ تخلص اس میں نظم کیا ہوتا تھا، دے ڈالتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ ان کے عقیدتمندوں کا فعل ہے کہ انھوں نے ان کے عنایت کردہ اپنے اپنے مجموعہ کو حقیقت کے اعتراف کے ساتھ شایع کر دیا اور اس طرح یہ سچائی بھی روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے آئی کہ شیوبرت لال محض ایک عام شاعر نہیں تھے بلکہ وہ فی البدیہ مختلف اصناف میں اشعار کے لکھتے چلے جانے کی بھی قدرت رکھتے تھے۔

شیوبرت لال کے کلام کے ایسے مجموعے جو اپنے نام سے خود انھوں نے مرتب کیے ہوں ایک دو سے زیادہ ہمارے علم میں نہیں ہیں لیکن ان کی بعض نثری کتابوں میں ان کا اتنا کلام موجود ہے جسے ایک مجموعہ خیال کر لینے میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ ان کے علاوہ بھی مختلف کتابوں اور رسالوں میں ان کا بہت سارا کلام بکھرا پڑا ہے جسے اگر کوئی شخص محنت کر کے جمع کر دے تو بلا مبالغہ دو تین اچھے مجموعے ضرور تیار ہو سکتے ہیں۔ ایک زمانے میں ٹھاکر نندو سنگھ عرف نندو بھائی نے ان کے کلام کو جمع کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا اور "شبد گنجار" کے نام سے دو حصے شایع بھی کیے تھے۔ اس زمانے میں انھوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ :

"ایسے ہزاروں کی تعداد میں شبد موجود ہیں۔ اگر ست سنگیوں کی خواہش ہو

تو اور بھی مجموعے ترتیب دیے جا سکتے ہیں۔"

لیکن نندو بھائی کی اس صدا پر شاید کسی نے لبیک نہیں کہا اور ان کو مرتب کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ اب امتداد زمانہ سے بہ گمان غالب تقریباً سب ضایع ہو چکا ہے۔

اس نہج پر شیوبرت لال کے ان عقید تمندوں کا مختصر اتعارف ضروری معلوم ہوتا ہے جن کے نام سے انھوں نے اپنے کلام کے مجموعے تیار کیے تھے یا جنھوں نے ان کے تصنیفی کاموں میں کسی طور پر شرکت کی تھی۔

۱۔ نندو بھائی:

ٹھاکر نندو سنگھ (۱۸۹۴ء تا ۱۹۷۵ء) نام تھا، حیدر آباد کے رہنے والے تھے۔ شیوبرت لال کو یہ اپنے بیٹے کی طرح عزیز تھے اور ان کے تمام تصنیفی کاموں میں شروع سے ہاتھ بٹاتے رہے تھے بلکہ ان کے مرنے کے بعد بھی ان کی کتابوں کو برابر شایع کرتے رہے۔ چونکہ عملاً یہ شیوبرت لال کے بیٹے تھے اور انھوں نے ان کو ہر طرح اپنا وارث بنا رکھا تھا یہ دیال سروپ کے لقب سے مشہور ہوے۔ مزاج میں نمود و نمایش اور خود ستای نہیں تھی۔ داتا دیال سے ہر طرح قرب اور دھام کی ہر قسم کی خدمات کے باوجود انھوں نے خود کو "گورو" کہلوانا پسند نہ کیا بلکہ اپنے گرو کی حیات اور تعلیمات سے متعلق "دیال جوگ" کے نام سے ایک اہم کتاب تصنیف کی اور دکن کے علاقوں میں رہکر آخر تک ان کی تعلیمات کا پرچار کرتے رہے۔ یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ خلوص اور خاموشی کے ساتھ کام کرنے والوں کو زمانہ بہت جلد فراموش کر دیتا ہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ دیال سروپ نندو بھائی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔

۲۔ فقیر چند:

(۱۸۸۶ء تا ۱۹۸۱ء) داتا دیال کے بڑے ہی بھگت اور ذات کے برہمن تھے۔ ان کے مرنے کے بعد یہی ان کے جانشین ہوئے۔ اس موقع پر انھوں نے ازراہ

انصاری کہا تھا کہ :

"آفتاب روشنی کا مخزن اور سرچشمہ ہے۔ اسی سے سب اکتساب نور کرتے ہیں۔ آفتاب کے رہتے ہوئے چراغ کی روشنی سے کام لینا مناسب نہیں۔"

وہ اپنی ملازمت کے دوران مصر اور عراق میں رہکر وہاں پر داتا دیال کی تعلیمات کے پرچار میں مصروف رہے تھے۔ انھوں نے اندورن ملک پنجاب، یوپی، دہلی، آندھرا پردیش وغیرہ اور بیرون ملک انگلینڈ اور امریکہ وغیرہ کے سفر بھی اسی غرض سے کیے تھے۔ اور آخر عمر میں ہوشیار پور میں مانوتا مندر قایم کر کے وہیں رہ پڑتے تھے۔ اور پرم دیال پنڈت فقیر چند کے نام سے معروف ہوئے۔ انھوں نے اردو میں خود بھی متعدد کتابیں لکھ کر شایع کی تھیں۔

۳۔ پیر مغاں :

پنڈت بوادت نام تھا۔ موسیقی کے ماہر اور شکل و شباہت سے وجیہ شخص تھے۔ مہر شی جی کی محفلوں میں حضوری نظمیں، شبد اور غزلیں ساز پر گا کر ست سنگ کی رونقوں کو دوبالا کر دیتے تھے۔

جناب پیر مغاں دہلی میں پٹیل نگر میں رہتے تھے۔ نہایت خلیق متواضع اور منکسر مزاج شخص تھے۔ پیرانہ سالی میں بھی عقیدتمند ان کو گھیرے رہتے تھے، اور فیض حاصل کرتے تھے۔ ۲۰ مئی ۱۹۹۵ کو انھوں نے رحلت کی۔

۴۔ گوری شنکر لال اختر :

لشیشور دیال رئیس کشنی ضلع سلطانپور کے بیٹے تھے۔ ۲ ستمبر ۱۸۹۲ء کو بھوپال کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے اور ۶ دسمبر ۱۹۶۳ء کو الہ آباد میں وفات پائی۔ داتا دیال کے داماد اور ان کے دست راست تھے۔ عجیب صلاحیتوں کے مالک تھے۔ علمی کاموں میں داتا دیال کے جس طرح شریک رہے، تاریخ میں اس کی مثال کم ملیگی۔

اختر صاحب نے اردو میں نصف درجن سے زیادہ رسالے نکالے تھے۔ ان

میں شیو شمبھو، دھورندھر، سراغ، فسانہ، تفریح، ناول میگزین یا ناولستان اور مان سرو ور
خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ وہ زمانہ تھا جب بنگلہ زبان میں بنکم چندر چٹرجی کے ناولوں
کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اختر صاحب نے ان کے بعض ناولوں کو نہ صرف خود اردو کا جامہ
پہنایا بلکہ داتا دیال کو بھی اس کام کی طرف مائل کر کے اردو میں ناول نویسی کی روایت کو
مستحکم کر دیا تھا۔

۵۔ لی ہنگ چنگ :

ان کا اصل نام راجا رام سنگھ ہے۔ یہ داتا دیال کے نواسے اور گوری شنکر لال
اختر کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ان کے بارے میں داتا دیال نے لکھا ہے۔

"لالہ گوری شنکر لال اختر کا ایک لڑکا ہے۔ تین سال کی عمر، صورت شکل
چینیوں جیسی۔ میں نے اس کا نام لی ہنگ چنگ رکھ دیا۔ یہ لڑکا مجھے بابو جی،
کہتا ہے۔ میں روز اس بچے کو دیکھنے جاتا ہوں مگر خالی ہاتھ کبھی نہیں جاتا۔
ہندو دھرم کی ہدایت ہے کہ گورو، راجا، سادھو اور سمدھی کے پاس خالی ہاتھ کبھی
نہ جانا چاہیے۔"

ڈاکٹر راجا رام سنگھ لندن میں رہکر یوروپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں داتا دیال سے
متعلق مطالعہ و تحقیق کے لیے کوشاں رہے تھے۔ اب بفضلہ گورکھپور میں سکونت پذیر
ہیں۔

۶۔ دیپک :

سومتر کمار ان کا نام تھا۔ کھرے کایستھ تھے۔ ۸ فروری ۱۹۲۶ء کو لاہور میں
پیدا ہوئے اور ۱۳ فروری ۱۹۹۵ء کو الہ آباد میں فوت ہوئے۔ یہ گوری شنکر لال اختر
کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ دیپک کے نام سے افسانے اور ناول لکھتے رہے۔ اپنے
والد کے آخر زمانے میں ان کے علمی کاموں میں بہمہ وجوہ شریک رہے۔ اس زمانے کی
کئی فلموں میں مکالمے وغیرہ بھی لکھے تھے۔

اپنے نانا داتا دیال کے پرستاروں میں تھے۔ علمی شوق کا عالم یہ تھا کہ ان کی اور اختر صاحب کی ایک ایک تحریر کو سینے سے لگا کر رکھا تھا۔ اپنی زبان اردو، قوم اور ملک کا جو درد ان کے یہاں تھا آج وہ بہت کامیاب ہے۔

راقم سطور نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں ان کی تحریروں سے بہت فایدہ اٹھایا ہے۔

۷۔ موہن لال نیر:

یہ داتا دیال کے ان چند عقید تمندوں میں سے تھے جنھیں فنافی المرشد" کا درجہ حاصل تھا۔ ساری عمر انھیں داتا دیال کی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی دھن رہی اور وہ اسی دھن میں کھوے رہتے تھے۔ داتا دیال نے ان کو "نیر اعظم" سمجھا تھا اور اسی تعلق سے کلمہ "نیر" ان کے خاندان کے نام کا جزو بن گیا ہے۔ نیر صاحب نہایت خلیق، منکسر مزاج، نیک دل، دنیا اور دنیا کے معاملات سے بے نیاز شخص تھے۔ انھیں کی تحریک سے ڈاکٹر محمد انصار اللہ نے داتا دیال سے متعلق تحقیقات کا باضابطہ سلسلہ شروع کیا تھا۔

نیر صاحب نے اٹھاسی برس کی عمر میں ۲۶۔ اپریل ۱۹۹۹ء بروز دوشنبہ محلہ کیرتی نگر دہلی میں رحلت کی۔

(۲)

مستثنیات سے قطع نظر کہ زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنھوں نے چھ سات بلکہ زاید دیوان یادگار چھوڑے ہیں، عام یہ ہے کہ ہمارے شاعر زندگی کے جھمیلوں میں گھرے رہکر ساری عمر میں ایک دو دیوان تیار کر لیتے ہیں اور اس پر فخریہ کہتے ہیں کہ۔ ع

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

شیوبرت لال کی مصروفیتوں کا حال پہلے باب میں بہت تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ ان کے باوجود اس شخص نے بلا مبالغہ نصف درجن سے زیادہ اپنے کلام کے مجموعے تیار کر ڈالے اور بہ ایں ہمہ حال یہ تھا کہ فخر و مباہات کے بجائے خود کو شاعر کہلوانا بھی پسند نہیں کیا۔ یہی نہیں بلکہ بیشتر کلام اپنے عقید تمندوں میں تقسیم کر دیا۔ ذیل میں ان کے کلام کے ان مجموعوں کا مختصر انعارف کرایا جاتا ہے جو چھپکر مشتہر ہو گئے۔ جو کلام غیر مطبوعہ رہ کر ضایع ہو گیا یا کسی عقید تمند کے پاس گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا ہے اس کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔

۱۔ شبد گنجار:

یہ شیوبرت لال کے کلام کے ان چند مجموعوں، میں سے ایک ہے جسے خود انھوں نے اپنے نام سے مرتب کیا تھا۔ اس مجموعہ کے شروع میں انھوں نے ایک دیباچہ بھی لکھا ہے۔ دیباچہ بہت مدلل اور فکر انگیز ہے۔ طوالت کے خوف سے اس کا اختصار یہاں درج کیا جاتا ہے:

"شبد، سرشٹی رچنا کی جان ہے۔ رچنا کی کوی حرکت شبد سے خالی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظم راگ اور گانے سے ہر شخص کو فطری شوق ہے۔ اس سے خوشی ملتی ہے۔ انسان ہی پر کیا موقوف ہے، حیوانات کیڑے مکوڑوں

تک پر گانا اپنا اثر کر جاتا ہے۔ اچھا آدمی گانا شروع کر دے، ارد گرد کی دنیا بدل جائیگی۔ خاص قسم کا سماں بندھ جائیگا۔ اس ملک کے رشی گانے پر فدا تھے۔ ویدوں سے لیکر پرانوں تک کا علم ادب نظم ہی میں بیان کیا گیا ہے۔ سنتوں اور فقرا نے گانے کو غذاے روحانی کا نام دیا ہے۔

جس طرح ظاہری دنیا میں شبد کی یہ کیفیت ہے، وہی اس کی کیفیت اندورنی یا باطنی دنیا میں بھی ہے۔ شبد کا راگ خارجی عالم میں ہر جگہ چھڑا ہوا ہے اور وہ زور و شور کے ساتھ گونج رہا ہے۔ تم سنو یا نہ سنو، یہ دوسری بات ہے۔ جب تک راگ کی صدا کے ساتھ کانوں کو ہم آہنگی اور آشنای نہ ہو گی وہ اس کے سننے کے قابل نہیں ہو سکتے۔

سنتوں نے باہری راگ کے رائج کرنے سے تمھاری توجہ کو اندرونی دنیا کے نغمات کی طرف رجوع کرنے کا خیال مد نظر رکھا ہے۔ جس سے روحانی عروج کی مراد ملحوظ ہے۔ اس کا مشرح بیان کہیں کہیں نظموں میں آیا ہے، جو تم اس کتاب میں پاؤگے۔

شبد گنجار مین جو شبد داخل ہیں وہ محنت کے ساتھ نہیں لکھے گیے۔ یہ شبد قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں۔ ان کو پڑھنے سے خاص قسم کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ ایسے شبد ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ سب کو ایک کتاب میں لانا مشکل ہے۔ ان شبدوں میں تصوف کے ایسے بے شمار نکتے ملیں گے جو علم سینہ میں خاص خاص لوگوں کو معلوم ہیں۔ جن سے عام ست سنگی بالکل ناواقف ہیں۔ اس قسم کی ایک نظم نثر کے بے شمار لکچروں اور تقریروں سے زیادہ موثر اور مفید کار ثابت ہو گی" (ص ۷ تا ۹)

یہ کتاب مقبول ہوی اور نندو بھای نے اسے دوسری بار ۱۹۵۴ء میں علی گڑھ سے چھپوا کر رسالہ دیال کے سلسلے میں حیدرآباد دکن سے شایع کیا۔ اس کے پیش لفظ میں انھوں نے لکھا:
"شبد گنجار ایک بار پہلے چھپ چکی ہے اب یہ کتاب آوٹ آف پرنٹ ہے۔

اس کی مانگ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کو پھر دوبارہ چھپایا جارہا ہے۔ اس وقت اس کا پہلا حصہ بھینٹ کیا جارہا ہے۔ پوری کتاب کئی جلدوں میں پوری اور مکمل ہوگی جو رفتہ رفتہ طبع ہوتے رہینگے۔"

اس پہلے حصے میں ایک سو پانچ شبد ہیں۔

بعد میں نندو بھائی نے شبد گنجار کا دوسرا اور تیسرا حصہ بھی مرتب کر کے چھپوادیا تھا لیکن وہ اصل کتاب ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی البتہ ان دونوں حصوں کو دیوی چرن متل ایڈووکیٹ علی گڑھ نے دیوناگری خط میں چھپوادیا تھا۔ اس ہندی ایڈیشن کو مقبولیت حاصل ہوی اور اس کے کم سے دو ایڈیشن شایع ہوئے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے حصے میں ایک سو چھیاسٹھ اور تیسرے حصے میں کوی پانچ سو شبد ہیں۔ ان میں آتھریہ، برہ، آنند، بنتی، شکرانہ، سوال و جواب، دعا اور ہولی وغیرہ مختلف اور متعدد عنوانوں سے شبد یعنی چھوٹی بڑی متعدد نظمیں شامل ہیں۔

شیوبرت لال کی کتابوں کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں ذیل کی کتابیں بھی چھپی ہیں:

۱۔ شبد جھنکار ۲۔ شبد ٹنکار ۳۔ شبد دھنکار

۴۔ اور شبد پرسنگ پوتھی، ۵۔ سار بچن (نظم)

ممکن ہے کہ دو چار کتابیں اور بھی ہوں۔

زبان اردو میں "شبد" کے لکھنے کی روایت بہت قدیم ہے۔ ڈاکٹر محمد انصار اللہ نے مگہر والے کبیر کے ذکر میں لکھا ہے کہ:

"کبیر[۲] سے جو کلام منسوب ہے اس میں قطعات اور متفرق اشعار کی تعداد زیادہ ہے ان کے وزن اور موضوع پر خیال کر کے ان کے لیے مختلف اصطلاحوں کا استعمال کیا جاتا رہا ہے مثلاً دوہا، بشن پد، شبد اور ساکھی وغیرہ۔"

کبیر کے بعد اس روایت کو شیخ عبد القدوس گنگوہی نے آگے بڑھایا تھا چنانچہ ان کے شبد، سرود، دہرے اور شرلوک وغیرہ بہت مقبول ہوئے یہاں مثلاً ان کے رشد نامے

سے صرف دو نقل کیے جاتے ہیں:

سبد

پھلے نہ پھولے، آوے نہ جاے　　کانے کا سبد کانے سماوے

سبد

جیسو کتھ انبھ منہہ تھیو　　تیسو بُند بدی نُر میو
باہر بھیتر کہانہ جائے　　سرب نرنترا یکے کائے

کبیر اور عبد القدوس کے علاوہ اور بھی متعدد صوفی شعرا نے ان ہندوستانی اصل کی اصناف میں طبع آزمائی کی تھی لیکن حالات کی ستم ظریفی نے کسی طرح سے یہ غلط فہمی عام کر دی کہ ان اضاف کا زبان اردو سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شیوبرت لال کا یہ کارنامہ قابل توجہ ہے کہ انھوں نے اپنے طور پر اردو شاعری کی اس قدیم صنف کو نئی زندگی عطا کی اور انھوں نے ہر قسم کے شبد اردو میں کہہ کر ایک عام غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے:

منگل، چتاونی، استتی، موج، آنچریہ، دیوالی، آنند، پریم، وغیرہ ہر موضوع اور کیفیت سے متعلق بہ کثرت شبد کہے ہیں۔ ان کے شبد عام طور سے نو دس شعروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ایک دو شبد مختصر بھی ہیں مثلاً

شبد۔ آنند

من مگن میرا ہے سکھ کا، چین کا بھاگی ہوا
گورو کی کرپا ہو گئی گور وید کا انور اگی ہوا
بھاگ کیا اپنا سراہوں، بال اپنی میں گورو ملے
گا کے استوتی اوز، بھجن، بھکتی کے میں راگی ہوا
رادھاسوامی میں ہوں بالک، بال بنتی سن کے آپ
دیجئے اپنی شرن تب سمجھوں بڑ بھاگی ہوا

آپ

دیجئے اپنی شرن تب سمجھوں بڑ بھاگی ہوا

۲۔ نغمۂ یزدانی :

یہ شیوبرت لال کے کلام کے ان مجموعوں میں سے ہے جو ان کے مرنے کے بعد مرتب کئے گئے تھے۔ اس مجموعہ کو ڈاکٹر جی یل ورمن نے نندو بھای کی تحریک پر مرتب کیا تھا اور یہ بھی دیال کے سلسلے میں حیدر آباد دکن سے فروری ۱۹۵۸ء میں چھپ کر شایع ہوا تھا۔ اس کے تعارف میں مرتب نے لکھا ہے کہ :

"آپ (شیو) کی بے شمار تحریرات جن میں شبد اور بچن ہیں سینکڑوں پریمیوں کے پاس آج بھی محفوظ ہونگی۔ رفتہ رفتہ دفتر دیال کو داتا دیال کی غیر مطبوعہ تحریریں بہ غرض طباعت وصول ہو رہی ہیں۔ شری پنگل رنگ راو دیسمکھ نے داتا دیال کے غیر مطبوعہ کلام کا ایک مجموعہ میرے حوالہ کیا۔ ایک اور پریمی نے ایک قلمی بیاض بھیجی جو کم و بیش تین سو غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے۔

آپ استاد الشعرا تھے۔ سیکڑوں شعر گوی کا ذوق رکھنے والے پریمیوں کو ان کی لیاقت و قابلیت اور ان کے دل کی گھڑت کی موزونیت سے تخلص دیکر آپ نے ہزاروں کلام ان کے تخلص کے ساتھ لکھ کر انھیں تبرکا دے ڈالے۔ ۱۹۲۴ء کی بات ہے، داتا دیال دکن کے دورہ پر تھے۔ آپ کے ہمنکنڈہ کے دوران قیام ایک مسلمان صوفی آپ کی قیامگاہ پر پہنچا۔ ضابط تخلص کا جو کلام گلدستہ ہذا میں مرتب کیا گیا ہے داتا دیال نے صوفی مذکور کی آمد سے قبل ہی لکھ کر رکھ چھوڑا تھا، دے ڈالا۔ یہ صوفی کون تھا ہمیں علم نہیں البتہ پنگل رنگ راو جی نے اس قدر کہا کہ وہ ملک عدن کی طرف سے آیا تھا۔ اس میں کچھ کلام بے تخلص بھی ہے۔ یہ دیگر مستحقین کو بطور پرشاد یا تبرک دیا گیا تھا۔ ہم نے اس کا بھی انسلاک کر دیا۔ وقت اور واقعات ساتھ دینگے تو ہم حصہ دوم، سوم بھی شایع کرینگے۔" (ص ۵ تا ۱۰)

یہ مجموعہ حمدِ باری سے شروع ہوتا ہے اور اس کا مطلع یہ ہے ؎

تمھیں معرفت، رازِ عرفاں تمھیں ہو | معارف کے سب سازو ساماں تمھیں ہو

اس کے بعد چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں مثلاً: جذباتِ دل، تمنا، حسب حال، تصوف کے سات منازل، مسلک عشق کی چار راہیں۔ وغیرہ، آخر میں چند رباعی اور قطعے بھی شامل ہیں۔ چند رباعیات یہ ہیں ؎

ہر شۂ گل خار ہوا آہ عجب | کھلتا نہیں راز کیا کیا حق نے غضب
یہ کیسا ہے فضل وکرم مرے رب کا | کانٹے کو دیا گلاب بے وجہ وسبب

تھے برگِ حنا سبز عجب تھی سبزی | جب پس گئی آئی ان کے اندر سرخی
دیتے ہیں تجھے یہ سرخروی کا سبق | دے اَنت وَانا کو پیس بن کر مہندی

صورت دیکھوں کہ تیری سیرت دیکھوں | یا ناز ونیاز کی میں عادت دیکھوں
دو آنکھوں سے نظارہ ترا دیکھوں کیونکر | لاکھ آنکھیں ہوں تب بشری طلعت دیکھوں

اسی میں ایک مختصر سی نظم فارسی زبان میں ہے۔ وہ بھی تبرکاً نقل کی جاتی ہے۔

بیداری

صلاح کار کجا، من کجا، حبیب کجا | حریف وحاسد فاسد کجا، رقیب کجا
زجسم وجاں گذشتیم، ہوش رخصت شد | علاج ودارو، معالج کجا، طبیب کجا
مسلط است خیالِ جنوں بہ جسم وجگر | مراز عقل وخرد بہرہ ونصیب کجا
ندائِ حق، نہ انا الحق، بہ حق شدم واصل | بجو کہ دار کجا باشد وصلیب کجا

زانضباطِ نفس چشم وگوش ولب بندست
زبہر ضابطِ کامل، ادب ادیب کجا

ایک اسی نظم پر منحصر نہیں ہے۔ شیو برت لال کے دوسرے مجموعوں میں بھی ان کا فارسی کلام موجود ہے چنانچہ حسب موقع ان کی نشاندہی کی جائیگی۔

وہ زمانہ تھا جب پنجاب کے باکمال شاعر علامہ اقبال کے فلسفۂ خودی کی دھوم

نہیں کی گئی ہے۔ اس مجموعہ میں ذیل کی نظمیں توجہ طلب ہیں :

انسانی عظمت ، رمز خودی ، جام بیخودی ، وغیرہ

اس مقام پر ایک نظم "اسرار حقیقت" کا صرف مطلع اور مقطع نقل کیا جاتا ہے۔

خودی اپنی انا الحق کی صدا دیکر خدا نکلی
جسے ہم کذب تھے سمجھے ہوئے صدق و صفا نکلی

خودی کو کر خدائی، خود کو تو ذات خدا کردے
خودی میں آئی جب وسعت تو ضابط کیا تھی کیا نکلی

۳۔ نندو بھای کی ساکھی یا گیان بر دھک دوہے :

ساکھی بمعنی شہادت یا گواہی۔ مراد اس سے وہ نظم ہے جس میں خدا اور اس کے احکام کا اعتراف کیا جائے۔ بعد میں یہ نظمیں پیری مریدی کے معاملات کے لیے لکھی جانے لگیں اور اصطلاح میں ان کا یہی مفہوم رائج ہو گیا۔

زبان اردو میں امتداد زمانہ سے جن بعض اصناف شعری کو فراموش کر دیا گیا ہے ان میں یہ ساکھی بھی شامل ہے۔ زمانۂ قدیم میں اردو میں ساکھیوں کے لکھے جانے کا خوب چلن رہا ہے چنانچہ کبیر کی ساکھیاں مشہور ہیں۔ شیوبرت لال کا یہ کارنامہ بھی قابل قدر ہے کہ انھوں نے اس صنف کو اردو زبان اور اردو خط میں پھر سے رواج دینے کی کوشش کی۔

ان کی یہ کتاب شیوبرت لال کے رسالے سنت سماگم یعنی صحبت فقرا کی جلد ۲ نمبر ۲ میں ہندوستانی پریس لکھنو میں چھپکر ۱۹۲۱ء میں رادھاسوامی دھام ڈاکخانہ گوپی گنج سے معمول کے مطابق اردو خط میں ہی شایع ہوی تھی۔ اس کے مرتب خود ٹھاکر نندو سنگھ جی حیدر آبادی تھے اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ بھی تمام عمر معمولاً اردو ہی میں تصنیف، تالیف اور ترتیب وغیرہ کے کام کرتے رہے تھے۔ ۳/ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو انھوں نے اس کتاب کا دیباچہ لکھا۔ اس میں مذکور ہے کہ :

"جو دوہے کہ اس وقت نذر کیے جا رہے ہیں وقتاً فوقتاً قلمبند ہوئے تھے۔ کبھی کسی عزیز کو بطور خط کے بھیجے گے اور کبھی یوں ہی قلم کی زبان پر آئے۔ مجھے نہ ان کے اوپر ناز ہے اور نہ میں ان کو اپنی تصنیف سمجھتا ہوں۔ یہ گورو کی پریرنا

(تحریک) کے نتیجے ہیں۔ جب دوہوں کی کچھ تعداد اکٹھا ہو گئی مجھے ارشاد ہوا
کہ رسالہ جات سادھو، وگیانی، سنت سندیش وغیرہ میں بھی جو دوہے آئے
ہیں انھیں ان میں شامل کر لو تا کہ کتاب کی صورت میں یکجا ہو جائیں۔
تعمیل ارشاد فرض عین تھا۔ اور اسی حکم کے مطابق یہ ترتیب عمل میں آئی۔
اس میں وہ دوہے بھی ملا دئے گئے ہیں جو سنت نامی تصنیف میں درج ہیں۔
حضور کا کلام حضور کے معتقدین اور سیوکوں کی نذر ہے۔ حضور نے عنایت
فرما کر ان کو 'نندو بھائی کی ساکھی' کا نام عطا فرمایا ہے۔ جس پر مجھے بجا فخر ہے۔
اس ساکھی میں بہت اچھے اچھے اور نئے نئے خیال جا بجا ملیں گے۔"
یہ کتاب ایک سو اکیاون صفحوں پر محیط ہے۔ اس کے اندرونی سرورق پر تحریر ہے:

ساکھی

ساکھی آنکھی گیان کی، گیان کی درشٹی سے دیکھ ساکھی ورشٹی سے، نندوا بھے اگم الیکھ

کتاب نندو سنگھ کے پانچ شعروں پر مشتمل "نذر" سے شروع ہوتی ہے۔ ہر ساکھی کے
شعروں کی تعداد و شمار لکھنے کا التزام کیا گیا ہے اور جہاں کہیں کوئی لفظ یا واقعہ تشریح طلب
آیا ہے اس کی شرح حاشیہ پر کر دی گئی ہے۔ ان حواشی سے نندو بھائی کے اس بیان کی
تصدیق ہوتی ہے کہ یہ ساکھیاں مختلف وقتوں میں مختلف حضرات کے نام بطور خط کے
لکھ کر بھیجی گئی تھیں۔ بعض مکتوب الیہ کے نام یہ ہیں:

لالہ برکت رام کپور تھلہ ، لالہ شری نرائن
ہنومان سنگھ ، لالہ ہیرا لعل جوہری
شنکر سنگھ ، پدم سنگھ
راج سنیہی دیوی حیدر آبادی ، چندر پربھا دیوی

کتاب کے حواشی کو اگر محنت کر کے مرتب کر دیا جائے تو ہندوستانی اصل کے الفاظ کی
ایک مختصر لیکن کار آمد لغت تیار ہو سکتی ہے۔ ساکھی عموماً طویل ہیں اس لئے یہاں صرف
ایک مختصر سی ساکھی نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

موج کا انگ (پہلا)

اک بھروسا، ایک چت، ایک گورو کی آس
دل مرشد

جاکے من میں یہ بسیں، سوئی سانچا داس
جس وہی بندہ، مرید

ایک چت میں درڑھتا رہے، دو چتائی میں نبلتا
مضبوطی دوئی کمزوری

دوچتائی میں دکھ گھنا ایک چت میں ہے سپھلتا
دو دلا ہونا زبردست کامیابی

جو کچھ بھیا بسار دے آگے کی سدھ لے
ہوا بھلا دے خبر

من میں گورو کا دھیان دھرے دھیرج چت رہے
مرشد رکھے طمانیت دل میں

نربھر رہنا موج پر نج سیوک کا کام
منحصر اپنے مرید

سنکٹ میں گورو ہت کریں بھول نہ گورو کا نام
مشکل بھلائی

رادھا سوامی سیر کر من، یہی مول تت سار
سیج کر اصل خلاصہ

گورور کشا انگ سنگ رہے درڑھ نشچے چت دھار
حفاظت محکم طے شدہ

۴ - پنگل ساکھی :

کتاب نغمہ یزدانی کے تعارف میں شیوبرت لال کے ایک عقیدتمند شری پنگل رنگ راو دیسمکھ کا ذکر آیا ہے کہ انھوں نے بھی شیوبرت لال کے کلام کا ایک مجموعہ اشاعت کے لئے پیش کیا تھا۔ نندو بھائی نے اس مجموعہ کو پنگل ساکھی کے نام سے مرتب کر کے شائع کر دیا تھا۔ ہمیں اس کتاب کا بھی ہندی ترجمہ دستیاب ہو سکا ہے جسے دیوی چرن متل نے علی گڑھ سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس کی بھومیکا میں نندو بھائی کی طرف سے تحریر ہے:

"پنگل ساکھی پرم پرش داتا دیال مہرشی شیوبرت لال جی مہاراج ایم اے نے

پنگل رنگ راوجی محبوب آباد (دکھن) نواسی کے چتانے کے لئے لکھی ہے۔......
اس میں ہر ایک موضوع پر تفصیل سے ساکھیاں لکھی گئی ہیں۔ کبیر ساکھی کی طرح اس کے اولوکن سے من میں شردھا، بھکتی، پریم اور اتساہ پیدا ہوکر زندگی کی اصلاح کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب میں سمست چوٹی کے دوہے دئے گئے ہیں۔ یہ کبھی اسمھو نہیں ہے کہ کوئی شخص ان کو پڑھے اور اس کی وچار دھارا پر بھاوت نہ ہو۔ بھاشا سرل ہے۔ الفاظ بھی سیدھے سادے ہیں۔ ان کے مفہوم اور معانی کو سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہے ؎

پنگل ساکھی کو پڑھے دھرے ارتھ پر دھیان
اس نر کا جیون بنے، جگ میں ہو کلیان"

نندو بھائی کی ساکھی کی طرح اس کتاب کے سرورق پر بھی یہ ساکھی لکھی ہوئی ہے ؎

ساکھی انکھی گیان کی، دیکھ سمجھ من مانہہ
بن ساکھی سنسار کا، جھگڑا چھوٹے نانہہ

جیسا کہ مرتب نے کہا ہے اس مجموعے میں ناری، پرش، پریم، تیرتھ، دھیان اور بھجن وغیرہ ہر موضوع سے متعلق ساکھیاں یعنی مختصر نظمیں شامل ہیں۔ یہاں نمونے کے طور پر ایک نظم نقل کی جاتی ہے۔ اس کا عنوان ہے:

"لالچ نہ ہو"

جس من میں لالچ لگا گیا لوبھ میں بھوئے
پنگل ایسے منج سے کیسے بھکتی ہوئے
پنگل لوبھی ہردے کی کبھوں ترپتی نانہہ
تین لوک کی سمپدا کب آوے گھر مانہہ
پنگل لالچ پاپ ہے تا سنگ پریت نہ جور
جیون چھایا پیچھے لگے کبھوں نہ پاوے چھور

اس قسم کے ناصحانہ کلام کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔

۵۔ تحفہ درویش یعنی فقیر پرساد :

اس کتاب کے باہری سرورق پر یہ شعر لکھا ہے۔

یہ گوروکا پرساد ہے سواد سے جو کوئی کھائے

تن من کو آنند ملے سہج پرم پدپائے

اوراندر کے سرورق پراس کتاب کی روداد مختصراً اس طرح تحریر ہے:

"دوبرس کے بعد پنڈت فقیر چند عراق عرب سے ست سنگ میں آئے۔ رادھا سوامی دھام سے ان کو روزبہ روز پرساد ملتارہا۔ انھوں نے اس کی لذت حاصل کی۔ اب اپنی باری پر روحانیت پسند ادھیکاریوں کے درمیان محبت کے ساتھ تقسیم کرتے ہیں۔ اس سے بہتر روحانی غذا بھی شاید ہی کہیں ملے گی۔"

اس کے نیچے بھی وہی مندرجہ بالا شعر لکھا گیا ہے۔

یہ کتاب بھی سنت سماگم کے سلسلے (جلد ۳ نمبر ۱) میں ٹھاکر نندو سنگھ نے رادھا سوامی دھام گوپی گنج سے شائع کی تھی۔ اس کا دیباچہ انھوں نے ۲۸ر فروری ۱۹۲۲ء میں لکھا تھا۔ اس کا اختصار اس طرح ہے:

"پنڈت فقیر چند کا معمول تھا کہ وہ سال میں ایک مہینہ کی رخصت لیکر ست سنگ کے لئے عراق عرب سے آتے تھے۔ پارسال حکم ہوا: 'چھٹی نہ لو دوسال گذرنے پر دو مہینہ کی چھٹی لیکر آؤ'۔ جنوری ۱۹۲۲ء میں پہنچے۔ ارشاد ہوا: دوبرس کے بعد آئے ہو۔ اب کی مرتبہ روز شبد اور بچن کا پرشاد ملیگا۔ سیر ہوکر خود کھاؤ۔ اور دوسروں کو سیر چشمی کے ساتھ تقسیم کرو۔ ایک شبد روزانہ تحریر کی صورت میں ملتارہا...... ان میں سے بسنت کے شبد خاص کر زیادہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہیں...... یہ ان شبدوں کے مجموعے کو کتابی صورت میں لانے کی غرض ہے۔ یہ تحفہ درویش رادھا سوامی دھام کا پہلا پرشاد ہے جو ایک مستحق اور شیو جی کے پیارے دیالیاترست سنگی کو ملا ہے۔ ...... یہ پہلا تحفہ ہے۔ اگر ست سنگیوں کو منظور ہو تو اس قسم کے اور تحفے جو

دوسرے ادھیکاریوں کو یہاں سے ملتے رہتے ہیں چھپوا کر باقاعدہ مستقل طور پران کے پاس بھیج دئے جایا کریں۔ شبد نہایت رسیلے جذبۂ شوق کے ابھارنے والے، سنت مت کی باریکیوں کے سمجھانے والے، بھرم کے مٹانے والے، اور گیان جوگ کی اصلیت بتانے والے ہیں۔"

یہ مجموعہ ستر صفحوں پر مشتمل ہے۔

کہنے کو تو یہ شبد کا مجموعہ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں ساکھی، چتاونی، دوہا، چوپائی، بسنت، ہولی، ہنڈولا اور کتھا وغیرہ سبھی کچھ ہے۔ زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ بعض شبدوں کی تاریخ بھی درج کر دی گئی ہے۔ مرتب نے نندو بھائی کی ساکھی کی طرح اس مجموعے میں بھی حاشئے پر مشکل الفاظ کے معنی لکھ دئے ہیں تاکہ پڑھنے والے کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔ مرتب کی اس درخواست پر کہ آئندہ بھی ایسے "تحفے" شائع کئے جاتے رہیں بہ گمانِ غالب ست سنگیوں نے کماحقہ توجہ نہیں کی۔

۶- شاہ دیوان ضابط :

جناب کبیر ناتھ سریواستو ایڈووکیٹ بلیا نے جو شیوبرت لال کے بڑے عقیدتمندوں میں سے تھے، ان کے کلام کا یہ مجموعہ مرتب کر کے دیوناگری خط میں چھپوایا ہے۔ اس کی بھومیکا میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

"پرم دیال پنڈت فقیر چند جی مہاراج ہوشیارپور...... نے آدیش دیا کہ داتا دیال کے نظم آبدار اور تابدار امولیہ ...... جو انیک لیکھوں میں بکھرے ہوئے ہیں، ان کو چن کر ایکترت کرو اور 'شاہ دیوان ضابط' تیار کرو۔ اس دیوان کو لکھتے سے ہم کو ایسا پرتیت ہو رہا تھا کہ داتا دیال سویم بیٹھ کر لکھ رہے ہیں۔"

اس کے بعد مرتب نے مختصراً "جیون چرتر داتا دیال ضابط صاحب" لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے اتنا کہا ہے کہ :

"آپ کے پوترو بھوتی کو 'شاہ شاعراں' اور آپ کے دیوان کو 'شاہ دیوان ضابط' کہنے کے اتر کت ہم کو اس سے شریشٹھ شبد نہیں ملتے۔"

لیکن اصل مسئلہ یہ تھا کہ کیا خود شیو برت لال نے اپنے لئے ضابطؔ تخلص کو رواج دینا پسند کیا تھا اور جو کچھ کلام اس مجموعے میں ہے وہ سب وہ اپنے نام اور ضابطؔ تخلص کے ساتھ شائع کرنا چاہتے تھے؟ اس بارے میں مرتب نے بالکل خاموشی اختیار کر لی ہے۔

کتاب کے شروع میں آٹھ صفحوں پر مشتمل "فہرست نظمات" (کذا) ہے۔ ابواب کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے:

باب ۱۔ مرشد و مرید	باب ۲۔ عشق	باب ۳۔ خدا
باب ۴۔ خوشی	باب ۵۔ مجھ کو	باب ۶۔ آنکھ
باب ۷۔ دل	باب ۸۔ مستی	باب ۹۔ انسان
باب ۱۰۔ مستزاد	باب ۱۱۔ حقیقت	باب ۱۲۔ وحدت
باب ۱۳۔ علم	باب ۱۴۔ زندگی	باب ۱۵۔ خیال
باب ۱۶۔ شغل باطن	باب ۱۷۔ وہم (متھیا وچار)	باب ۱۸۔ آب
باب ۱۹۔ کام	باب ۲۰۔ تماشا	باب ۲۱۔ کیوں و کہاں
باب ۲۲۔ فقیر	باب ۲۳۔ مکاں	باب ۲۴۔ آرزو
باب ۲۵۔ جوہر (پرم تتو)	باب ۲۶۔ محبت	باب ۲۷۔ ربط ضبط
باب ۲۸۔ درد و دوا	باب ۲۹۔ تناسخ (آواگون)	
باب ۳۰۔ تدبیر و تقدیر	باب ۳۱۔ دنیا و دین	باب ۳۲۔ افسانہ
باب ۳۳۔ موج	باب ۳۴۔ انقلاب	باب ۳۵۔ نام
باب ۳۶۔ بچپن	باب ۳۷۔ متفرق	

مرتب نے اپنے طور پر اس کام میں محنت کی ہے۔ حاشیہ پر مشکل الفاظ کے معنی بھی کہیں کہیں لکھے ہیں لیکن ان کی مجبوری یہ تھی وہ اردو بالکل نہیں جانتے تھے۔ معمولی معمولی لفظوں کا تلفظ غلط لکھا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ لفظوں کو شدھ کر لینے کے

شوق میں ان کو کچھ سے کچھ بنادیا ہے۔ مثلاً :

خیال کو کھےیال	اقرار کو اے قرار
تناخ کو تناسکھ	خیالی جلوے کو کھےیالی جلوے
تدبیر کو تدویر	مقصد و مراد کو مقصدو و مراد

لکھا ہے بعد اور باد، کہ اور کے وغیرہ میں امتیاز کرنے کا تو عقید تمند مرتب کو شاید خیال بھی نہ ہوا ہو گا۔ اس طور پر شدھی نے نہ صرف اچھے خاصے کلام کو مسخ کردیا ہے بلکہ اکثر مصرعوں کو ناموزوں اور کہیں کہیں مہمل بھی بنادیا ہے۔ اس مسخ شدہ کلام کو پڑھنے اور اس سے محظوظ ہونے کے لئے جس صلاحیت کی ضرورت ہے وہ کوئی کہاں سے لائیگا؟

۷۔ نیّر اعظم :

شیو برت لال کے کلام کا سب سے کامیاب، آخری اور سب سے زیادہ خوش نصیب مجموعہ کلام نیّر اعظم ہے جو انھوں نے اپنے سب سے مخلص اور فنافی المرشد کے درجے پر پہنچے ہوئے عقیدت کیش موہن لال نیر کو عنایت کیا تھا۔ اس مجموعہ کو نیر صاحب نے بڑی آن بان کے ساتھ چھپوا کر شائع کیا تھا اس کے سرورق پر اس کا تعارف اس طرح لکھا گیا ہے :

”مذہبی دنیا کی بے نظیر منظوم کتاب۔ اپنی وضع کی سب سے نرالی دنیا کا حقیقی آفتاب، موجودہ مذہبی غلامی کے سراسر خلاف، نہایت مدلل، آتم گیان، خواہ علم الٰہی سے مالامال

نیر اعظم

نیر اعظم درخشاں ہو گیا باآب وتاب

اکتساب نور ہو، چمکا فلک پر آفتاب

مصنفہ مہرشی شیو برت لال صاحب ورمن ایم اے

موجد، محرک، ایڈیٹر: بابو موہن لال صاحب نیر

پبلشر: ایس ڈی نیر، آنریری منیجر
مہرشی شیوبرت لال پبلکیشن ٹرسٹ، نہر سعادت علی خاں، دہلی
طبع اول: ۱۰۰۰ قیمت: ایک روپیہ آٹھ آنہ"

"اطلاع عام" کے عنوان سے نیر صاحب نے جو لکھا ہے، اس کا اختصار اس طرح ہے:

"یہ پرم سنت مہرشی شیوبرت لال صاحب ورمن ایم اے، ال ال ڈی کی سب سے آخری تصنیف ہے۔ ۸۷ سال کی عمر میں لکھی گئی۔ چونکہ میرا آپ سے بہت گہرا تعلق رہا ہے یہ صرف میری ہی رہنمائی کے لئے تحریر فرمائی۔ پرائیویٹ خطوط کی شکل میں مجھے ملی۔ اور کتابوں کی طرح یہ بھی قلم برداشتہ لکھی گئی۔ سنتوں کے کلام میں نظر تصرف مطلب ہی پر رہے تو سود مند ہوگا۔ الفاظی بندشیں کچھ وقعت نہیں رکھتیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی تحریرات پبلک کے سامنے خوبصورت سے خوبصورت پیرایہ میں رکھی جائیں۔ اس سے زیادہ مجھے غرض نہیں۔ نیز اگر کوئی صاحب دوستانہ طریق پر مجھ سے مہرشی جی کی خواہ ان کی تصنیفات کی بابت کچھ پوچھنا چاہیں تو میں ہر وقت اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

مرتب نے "دیباچہ مختصر اور دلچسپ پیرایہ میں" "یکم اپریل ۱۹۳۹ء میں بہت تفصیل سے (صفحہ ۸ تا ۴۱) لکھا تھا" پھر مختصراً "حالات زندگی پرم سنت مہرشی شیوبرت لال صاحب ورمن ایم اے" (صفحہ ۴۲ تا ۴۷) تحریر کئے ہیں۔ کتاب ذیل کے ابواب میں منقسم ہے:

باب اول	انسانی زندگی کا مقصد۔ طلوع آفتاب۔ خیال اور دل پر
باب دوم	خدا اور اس کی رہائش کا مقام
باب سوم	غیر خدا کی بندگی کے خلاف
باب چہارم	رندانہ تحریر
باب پنجم	فلسفیانہ نظمیں
باب ششم	رہنما کی ضرورت

ہر باب کے شروع میں مرتب نے متعلق منظومات کے بارے میں کہیں طویل اور کہیں مختصر تمہید نثر میں لکھی ہے۔ اس کے بعد اصل کلام کو نقل کیا ہے۔ یہ کلام زیادہ تر مختصر منظومات کی صورت میں ہے۔ کچھ غزلیں، رباعیات، قطعے، ترجیع بند، گیت، فردیات اور مرثیہ وغیرہ بھی ہیں کلام کے بارے میں مرتب نے جو رائے دی ہے وہی صحیح ہے:

"یہ قلم برداشتہ تحریریں ہیں۔ عبارت میں جہاں غلطیاں رہ گئی ہوں ان کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔ صرف مفہوم کی جانب نگاہ رہے۔"

شیوبرت لال نے خود اپنے آپ کو علمی اور ادبی شاعروں کی صف میں لانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کے پیش نظر ایک مقصد تھا اور تمام عمر وہ اسی مقصد کے حصول کے لئے کوشاں رہے۔ ان کے کلام کا بھی یہی معاملہ ہے اور اسے اسی نظر سے دیکھا جانا چاہئے باہمہ شیوبرت لال کے اس مجموعے میں بعض بہت اچھے شعر بھی مل جاتے ہیں۔ مثلاً

الفت کا جام پی لیا سرشار ہو گئے
عابد کو کب خیال شراب طہور کا

دل ہے لطیفہ، ٹکڑا نہیں گوشت پوست کا
دل دل ہے دل ہی جسم ہے دل خود ہے جانِ دل

ہمت اگر بلند، بشر کامیاب ہے
ہمت نہیں تو سہل بھی دشوار ہو گیا

اسی کی ہوس ہے، اسی کی تمنا
اسے کون پائے وہ پایا ہوا ہے

کیا کہوں، کس سے کہوں کیونکر کہوں

جی میں آتا ہے یہی چپ ہو رہوں
بندھ گئے محکومیت میں ہاتھ پاؤں
دین و دنیا میں کہاں خورسندگی

موہن لال نیر صاحب نے شیوبرت لال کے مرنے کے فوراً بعد یہ کتاب "نیر اعظم" چھپوائی تھی۔ ان کی جدائی کا غم تازہ تھا۔ قلب و دماغ بھی اس صدمے سے مغلوب تھے۔ اس حال میں جو کچھ دل پر گذر رہی تھی اور جو کچھ خیال میں آیا بے کم وکاست لکھ ڈالا۔ اسمیں بہت باتیں ناگفتنی بھی تھیں۔ مخالف اور نکتہ چیں بعض فقروں کو معنی پہنا کر زبان طعن بھی دراز کر سکتے تھے۔ چند سال کے بعد جب دل قابو میں آیا اور ذہن نے معاملات پر نظر کی تو کتاب پر نظر ثانی کا خیال ہوا۔

نیر اعظم کا دوسرا ایڈیشن نکلا تو نثری حصے کو کم سے کم اور اپنے حالات کو بھی کاٹ چھانٹ کر مختصر کر دیا۔ کتاب کی ضخامت خاصی حد تک کم ہو گئی لیکن اس کی افادیت میں اضافہ ہو گیا۔

کئی برس کے بعد نیر صاحب کا ڈاکٹر محمد انصار اللہ سے رابطہ ہوا۔ اس رابطہ سے وہ بہت خوش تھے۔ اکثر کہتے تھے کہ چالیس برس کی تلاش کے بعد یہ مجھے ہاتھ آئے ہیں۔ نیر صاحب کی فرمائش سے انھوں نے نیر اعظم کو دیوناگری خط میں منتقل کیا۔ خواجہ امیر خسرو سے لیکر قاسم دریا آبادی بلکہ اس کے بھی بعد کے اردو کے شاعروں کا کلام دیوناگری خط میں لکھا گیا ہے لیکن اردو کے اشعار کو ان کے اوزان و بحور کے مطابق اور عربی فارسی کے الفاظ کو ان کے صحیح تلفظ کے ساتھ منتقل کرنے کی طرف عموماً توجہ نہیں کی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد انصار اللہ نے شیوبرت لال کے کلام کو لب ولہجہ اور تلفظ کی صحت کے ساتھ منتقل کر کے گویا ایک نئی راہ دکھائی اور یہ کتاب انھیں کے اہتمام میں ۱۹۹۶ء میں چھپ کر شائع ہوئی لیکن نیر صاحب کی حوصلہ مندی انھیں کسی ایک مقام پر قائم نہیں رہنے دیتی تھی۔ وہ شیوبرت لال کی تحریروں کو انتہائی بلندیوں تک پہنچا دینا چاہتے تھے۔

ان کی کوششوں سے نیر اعظم کے مذکورہ ہندی ایڈیشن کو سامنے رکھ کر پروفیسر نرسنگھ سریواستو نے اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور اس طرح نیر اعظم پروفیسر

محمد انصار اللہ کے اہتمام میں ہندی اور انگریزی دونوں زبانوں میں یکجا نومبر ۱۹۹۹ء میں چھپ کر اشاعت پذیر ہوئی۔

اس ہندی انگریزی ترجمے میں شیو برت لال اور موہن لال نیر دونوں صاحبوں کے قلم کی ایک ایک تحریر شامل کر دی گئی ہے جس سے یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان دونوں حضرات کی تحریر کی زبان اردو ہی تھی اور دونوں حضرات نہایت خوشخط بھی تھے۔ کتاب کے شروع میں اعتراف کے عنوان سے یہ بات کہی گئی ہے کہ:

"ان (شیو برت لال) کا قلم جب تیزی پر آتا تھا تو بعض پورے پورے شعر فارسی میں ہو جاتے تھے جیسے ۔

چشمہ صافی پُر از آبِ حیات   آب شیریں بہتر از قند و نبات

ان کے کلام میں عربی فارسی کے لفظ اور فقرے بہت نظم ہوئے ہیں۔ انھوں نے اسلامی عقیدے کی بیشتر اصطلاحوں کو اپنے مذہبی معاملات کے سمجھانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ وہ عربی فارسی کے طور پر خود بھی بہت لفظ بنا لیتے تھے اور قواعد کے اصولوں کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ایک مزے کی بات یہ بھی ہے کہ ان کے بعض بیانوں کو سمجھنے کے لئے فارسی لپی (خط) کا جاننا بھی ضروری ہے۔"

موہن لال نیر نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"یہ کتاب کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتی۔ صرف انسانیت کا پرچار کرتی ہے۔ سنتوں کے نقطہ نظر سے، تاکہ دنیا کے لوگ بلا لحاظ مذہب و ملت سکھ شانتی اور امن چین سے اپنی اپنی زندگی گذار سکیں"

خدا کرے کہ ان کی یہ خواہش پوری ہو۔

(۳)

متفرق کلام

داتا دیال شیو برت لال ورمن کا شاید ہی کوئی ایسا رسالہ یا نثری کتاب ہوگی جس میں کم و بیش ان کا منظوم کلام موجود نہ ہو۔ گذشتہ اوراق میں پیر مغاں کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ "کتاب نظایر قانونِ روحانی" کے حصۂ اول میں مذکور ہے :

"۲۵ دسمبر ۱۹۳۱ء کو رادھا سوامی دھام کا بھنڈارہ تھا۔ بھنڈارہ کے موقع پر تمام ست سنگیوں کو پرشاد تقسیم ہوتا ہے۔ یہ پرشاد مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ کسی کو کسی قسم کا پرشاد دیا جاتا ہے اور کسی کو کسی قسم کا۔ پنڈت بوادت صاحب اور پنڈت بابورام صاحب بھنڈارے کے موقع پر حسن اتفاق سے تشریف لائے۔ حقانی راگ سنا کر لوگوں کو خوش کیا۔ نظر عنایت ہوئی۔ ان کو پیر مغاں اور (اُن کو) شاہ قلندر کے خطابات عطا کئے گئے، اور ساتھ ہی ان کو شبد کے پرشاد بھی دیے گئے جن کی نقل ذیل میں اس خیال سے درج کی جاتی ہے کہ جو مستی کے کلام کے شیدائی ہیں ان سے حظ اٹھائیں اور بس۔" (ص ۱۲ تا ۱۳)

اس کے بعد صفحہ ۲۶ تک غزلیات اور فرد وغیرہ لکھے ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

دکھادے پاکیزہ شکل اپنی، جہاں کو محو جمال کردے
ترستا ہے دیکھنے کو عالم، نظر میں آکر نہال کردے

دعا ہے پیر مغاں کی بارش فلک سے ہو بادہ و سبو کی
حرام کہتی ہے جس کو دنیا کرم سے اس کو حلال کردے

تو دریا ہے میں ہوں قطرہ، تو اور نہیں میں اور نہیں

تو شمس ہے اور میں ہوں ذرہ، تو اور نہیں میں اور نہیں
تو نور ہے، نور کا مبدا ہے، تجھ سے عالم ہے نورانی
میں اسی نور کا ہوں لمعہ، تو اور نہیں میں اور نہیں

ہوں پیر مغاں کا دیوانہ، کوئی کچھ سمجھے کوئی کچھ سمجھے
مے پی کے ہوا ہوں مستانہ، کوئی کچھ سمجھے کوئی کچھ سمجھے
مستانہ ہو کر پیر مغاں، حقانی راگ سناتا ہے
ہو گرم انجمنِ رندانہ کوئی کچھ سمجھے کوئی کچھ سمجھے

ان بحروں میں اتنی طویل ردیفوں میں ایسے پُر کیف و رواں اشعار کہہ لینا قابل توجہ بات ہے۔ خوبی یہ بھی ہے کہ اس پر ابتذال وغیرہ کا الزام بھی عائد نہیں ہوتا۔

آخر میں یہ ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شیو برت لال کی کتابوں کی فہرست میں ذیل کے دو نام بھی ملتے ہیں :

دلچسپ نظموں کا مجموعہ اور کلام فلک

پہلی کتاب شیو برت لال ہی کی تصانیف میں سے ہے۔ اس کے بارے میں ایک اشتہار میں لکھا ہے کہ :

"حقانی اور روحانی گیتوں کی نرالی الاپ"

افسوس ہے کہ یہ ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی۔

دوسری کتاب جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے فلک تخلص کے کسی ہندو شاعر کا مجموعہ کلام ہے۔ فہرست میں ایک اور کتاب "آئینۂ فلک" کا نام بھی شامل ہے۔ ظاہر ایہ بھی شیو برت لال کی تصنیف نہیں ہے بلکہ اسی فلک شاعر کے کلام کا مجموعہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ فہرست میں اور بھی بعض ایسی کتابوں کے نام شامل ہیں جو شیو برت لال کی تصنیف نہیں ہیں مثلاً

"روحانی کتھائیں" — جس کے مصنف گوری شنکر لال اختر تھے۔

(مختصر فہرست کتب مشمولہ گلستان ہزار رنگ ص ۵۲ تا ۶۰)

(۴)

مکتوبات منظوم

شیوبرت لال کے خطوط کے کئی مجموعے چھپ چکے ہیں ان میں تلاش کریں توان کے بہت سے منظوم خط مل سکتے ہیں مثال کے طور پر مکتوبات مہرشی کے حصہ دوم میں کئی مکتوب منظوم ہیں۔ بیشتر مثنوی اور غزل کی صورت میں ہیں اور ایک بہ طور ترجیع بند۔ آخرالذکر کے ایک دو بند نمونہ کے طور پر یہاں لکھے جاتے ہیں ؎

یہ سمجھ لو کرنی ہے کرنی
چھوڑو تم کتھنی اور بدنی

منھ سے کتھا تو کیا کتھا — ایک نہ سمجھی بات
من چنچل بھرمت پھرا — مچا بتیہ اتپات

اس سے چھوٹے نہ جنم اور مرنی
یہ سمجھ لو کرنی ہے کرنی

سنی سنائی بات کو — کیوں تو کتھے اپار
کچھ کربت بھی چاہئے — تب پاوے دیدار

کرنی سے ملے بچی رہنی
یہ سمجھ لو کرنی ہے کرنی

اس مجموعے میں ایک مکتوب، جو بطور غزل ہے، پورا پورا نقل کیا جاتا ہے ؎

اے غریق بحر زحمت کیوں ہے گھبرایا ہوا
پھول ساچہرہ ترا رہتا ہے مرجھایا ہوا

آن سمجھ، کودن نہ بن، صحبت کالے مجھ سے اثر
کھول دے دل کی گرہ کیوں تو ہے شرمایا ہوا

خوشدلی کالے پتا مجھ سے نہ ہو تو دل فگار
اب کہاں جائیگا میری بزم میں آیا ہوا

ہو جا میری ذات مین تو گم خودی کو اپنی کھو
مر نہیں سکتا ہے میری روح کا پایا ہوا
کہتے کہتے ہو گیا بسیار گو اب کیا کہوں
ذی خرد اب تو سمجھ تو نکتہ سمجھایا ہوا

مکتوبات مہرشی کے حصہ سوم کا بھی یہی معاملہ ہے بلکہ یہ مجموعہ تو تین نظموں سے شروع ہوتا ہے جنکے عنوان یہ ہیں: ۱۔ سویرے کی پرارتھنا،

۲۔ دوپہر کی پرارتھنا، اور

۳۔ سونے سے پہلے کی پرارتھنا

ان تینوں کی ہیئت کو اصطلاح میں غالباً مستزاد کہا جا سکتا ہے لیکن عملاً ان کا انداز گیت کا ہے ان میں سے پہلی پرارتھنا یہاں نقل کی جاتی ہے ؎

تمھارا ایک سہارا ناتھ

میں اجان، چنتا بس، بیاکل، من میں بھرا اہنکارا — تین تاپ کی اگنی جلاوے کون کرے نستارا

ناتھ میرے تمھارا

موہ لوبھ نے مجھے پھنسایا، سوجھے وار نہ پارا — گوروا پدیش نہ چت سماوے بھو ہارا

ناتھ میرے تمھارا

دھیرج دے مری بانہہ پکڑ کر بھو سے کرو کنارا — رادھا سوامی سمرتھ داتا چرن شرن کا سہارا

ناتھ میرے تمھارا

اس مجموعے میں دو منظوم خط اور کل ملا کر پندرہ شبد بھی شامل ہیں۔ یہ سب شبد بھی در اصل مختلف خواتین کے نام کے منظوم خطوط ہیں۔ ان میں سے مثال کے طور پر صرف ایک درج ذیل ہے ؎

دین کے سنکٹ کاٹ دو، ستگورو ست دھائی — ست گورو
چرن کمل کا ملے سہارا، اٹل بھگتی کا ٹھاٹ دو — ست گورو
بہت کلیس نے چھوں دس گھیرا، بچنے کی کوئی بات دو — ست گورو
جیو دکھی چنتا کرے چھن چھن، چت چنتا سے اچاٹ دو — ست گورو
موج کے رہوں سہارے پل پل، پریم سواد من بانٹ دو — ست گورو
رادھا سوامی دین دیالا، کال کرم کو ڈانٹ دو — ست گورو

(۵)

بھجن

ہندوستان کی مذہبی شاعری میں بھجن کی بہت اہمیت ہے۔ بھجن میں دنیا کے پیدا کرنے والے سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ شیوبرت لال نے کسی موقع پر بھجن کی ماہیت سے متعلق ایک تقریر کی تھی۔ اس کو ٹھاکر نندو سنگھ نے دیال ہمکنڈہ کے سلسلے میں "کلیدِ معرفت یعنی بھجن کی ماہیت" کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا۔ یہ رسالہ ضابطؔ سے متعلق ایک ترجیع بند سے شروع ہوتا ہے جو بہت دلچسپ اور معنی خیز ہے۔ ضابط کا ذکر گذشتہ اوراق میں ایک سے زائد مقاموں پر آچکا ہے۔ اس اعتبار سے بھی اس ترجیع بند کی اہمیت ہے اسی لئے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے عنوان ہے:

ہدایتِ مرشد

ضابط گیا حضور میں مرشد کے روبرو — بولے کرم سے آج تو، سن میری گفتگو
ضابط اگر بنا ہے تو دل اپنا ضبط کر — دل اصل شے کو دے کے فقط اس کا ضبط کر
باتوں میں جا کسی کی، نہ سن ان کی بات کو — پکا ہو دھن میں اپنی اسی کا خیال ہو
بے پر کی ورنہ سب، یہاں ہر دم اڑاتے ہیں — سورج کو دن میں، شمع یہ اکثر دکھاتے ہیں

پیراں نمی پرند و مریداں می پرانند
پیران بے پرانند و مریدان باپرانند

کیا جانتے ہیں یہ ترے دل میں خیال کیا — ان کو خبر کہاں ہے ترا اپنا حال کیا
اپنی سی کہتے رہتے ہیں، اپنی سناتے ہیں — کرنا نہ دھرنا، ایک کی سو سو بناتے ہیں
جو ان کے پھندے میں پھنسا اس کی کہاں نجات — جو آپ سے گیا، کوئی کب دیگا اس کا سات

کہتا ہوں بار بار سنا کر میں یہ صدا ہشیار باش، دوسروں کی بات میں نہ آ

پیراں نمی پرند و مریدان می پرانند

پیران بے پرانند و مریدان باپرانند

دل ضبط میں ہو، ضبط میں صبر و قرار ہے ضابط جو دل کا ہے وہی بااختیار ہے

دل ہاتھ آیا جسم بھی ہے اس کے ہاتھ میں با عقل و ہوش رہتا ہے دنیا کے ساتھ میں

اس کو خوشی ہے اوروں کو ہے درد، رنج و غم اس کو نہیں کسی کا گلہ رہتا بیش و کم

اوروں کا مشورہ ہے مضر اس سے بچ نکل ضابط اگر ہے سچا تو اس ضابطہ پہ چل

پیراں نمی پرند و مریداں می پرانند

پیران بے پرانند و مریدان باپرانند

آنکھوں سے اپنی دیکھ لے تب منھ کو اپنے کھول کانوں سے سن لے پہلے زباں سے تب اپنی بول

دو کان، آنکھ دو ہیں، زبان ایک ہے عزیز دو بار دیکھ، سن لے تو آجائیگی تمیز

بے دیکھے بے سنے نہ یقیں ہو تجھے کبھی یہ ہو اصول زندگی کا تیری جیتے جی

جو وہم کے شکار ہیں خود ان کی کچھ نہ سُن ان کے کلام ہوتے ہیں بے برگ و بار بن

پیراں نمی پرند و مریدان می پرانند

پیران بے پرانند و مریدان باپرانند

کہتا ہے تجھ کو کون نجس، پست حوصلا نادان تھا وہ جس نے تجھے اس طرح کہا

تو پاک جسم، پاک دل اور پاک ذات ہے خوش خلق، خوش کلام ہے، اور خوش صفات ہے

تجھ میں خدا سمایا ہے، تو ہے خدا کا نور تو حق کے ہے قریب، ہیں حق سے دور دور

ضابط نے دونوں ہاتھ سے اس کو کیا سلام ہر وقت آیا کرتا ہے لب پر یہی کلام

پیراں نمی پرند و مریدان می پرانند

پیران بے پرانند و مریدان باپرانند

اس کے بعد اصل رسالہ "کلید معرفت یعنی بھجن کی ماہیت" شروع ہوتا ہے۔ اس میں کہا ہے کہ:

"بھجن کیا شے ہے؟ اس سے مراد کیا ہے؟ اس کے لغوی معنی کیا ہیں؟

...... بھجن سنسکرت دھاتو بھیج سے نکلا ہے۔ بھیج کے معنی سیوا کرنا ہے یا
خدمت کرنا ہے۔ خدمت کرنا ایک قسم کا تعلق ہے جو خادم اور مخدوم دونوں
میں یگانگت جوڑتا ہے، جس سے خادم کے اندر مخدوم کا اثر آجاتا ہے،
اور مخدوم کے اندر خادم کا پریم پیدا ہو جاتا ہے۔ تب سیوک سوامی، دونوں
مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ یہ بھجن کرنے یا سیوا کرنے کی اصلی مراد ہے۔"

شیو برت لال نے جو بات اپنے نقطہ نظر سے کہی ہے مسلمان صوفی شعراء اس کو عبد اور معبود کی اصطلاحوں کی مدد سے بیان کرتے ہیں اور اس سیوا کو عبادت سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر یہی عبادت فنافی المعبود یا فنافی اللہ کے درجے تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ لگن اور خلوص ہی عبادت کی جان ہے۔ اردو شاعری میں بھجن اور اس قبیل کی مختلف ہندوستانی اصناف کا مدت سے چلن رہا ہے۔ خود شیو برت لال کے ابتدائی زمانے میں مولوی حفیظ اللہ خاں سانڈوی متخلص بہ حفیظ نے گلدستہ حفیظ اللہ خاں کے نام سے ایک مجموعہ تیار کیا۔ جس کے سرورق کا اندراج اس طرح ہے:

"ہر ایک رنگین طبیعت عاشق مزاج دوستوں کے دل بہلانے کے واسطے
نہایت عمدہ عمدہ اور طرح طرح کی مزیدار عشق آمیز گانے والی، چٹ پٹی
غزلیں اردو، فارسی و اشعار متفرق، مستزاد، مخمس، مسدس اور دوہے ملی
ہوئی غزلیں، بھجن، ہولی، ٹھمری، چوماسا، بارہ ماسہ، دادرہ، دوہا، کبت، سویا
وغیرہ بڑی خوبی اور ترتیب کے ساتھ مندرج کئے گئے ہیں۔"

یہ مجموعہ مطبع نولکشور لکھنؤ میں ۱۹۱۲ء میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اسی طرح یوسفی برقی پریس لکھنؤ سے حسب فرمائش سید قائم حسین حقیر نائب مدرس مدرسۂ اسلامیہ جرول ایک مجموعہ چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس کے سرورق کی عبارت اس طرح ہے:

"ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ مصنف گلدستہ ہذا منشی نذیر احمد قریشی شدت ضلع
مراد آباد محلہ نواب پورہ و یکسینیٹر پنشنر ضلع بہرائچ قصبہ جرول
گلدستہ نذیر حصہ اول

چوماسہ فصل برسات   خیال   غزلیات،   بھجن
ہولی   ٹھمری   دادرہ   کجری
بسنت   ادھا

کتاب کے آخر میں یہ رباعی لکھی ہے۔ ؎

اس کاپی کو ہم نے دل لگا کر دیکھا   اصلاح بھی دی نظر جما کر دیکھا
غلطی سے بری ہوش مصنف ہے ضرور   شاعر کا ہنر عیب بچا کر دیکھا

اور اس کے بعد یہ نوٹ چھپا ہے:

"کوئی صاحب اس کتاب کو بلا اجازت نہ چھپائیں ورنہ بجائے نفع کے نقصان اٹھائینگے۔ جس قدر جلدیں منظور ہوں پتہ ذیل سے طلب کریں۔ فقط

۱۔ نذیر احمد شدت ولد مولوی کریم بخش صاحب......

۲ سید قاسم حسین حقیر ......   مورخہ ۲۰ر مئی ۳۶ء"

تلاش کریں تو اردو میں ہندوستانی اصل کی ان اصناف کے اور بھی مجموعے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مل سکتے ہیں چنانچہ اردو کے لئے جو لوگ ان کو غیر خیال کرتے ہیں، وہ بڑے مغالطے میں ہیں۔ خود شیو برت لال صاحب علم و نظر تھے۔ وہ زبان اردو میں ان سبھی اصناف کی مسلسل روایت سے بخوبی واقف تھے، اس لئے انھوں نے ان میں بے تکلف طبع آزمائی کی تھی اور ان کو بغیر کسی تامل یا تذبذب کے اردو خط میں شائع بھی کر دیا۔ ان کی کتابوں کی فہرست میں: "بھجن سنگرہ (اردو)" اور بھجن ولاس (ہندی) کا نام بھی ملتا ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعے ہمیں دستیاب نہیں ہو سکے۔

شیو برت لال نے اردو شاعری کو ہر اعتبار سے وسعت دینے کی شعوری اور غیر شعوری کوشش کی تھی۔ ان کی بعض کتابوں کا گذشتہ اوراق میں تعارف کرایا جا چکا ہے۔ ان کی کتابوں کی فہرست میں ذیل کے دو نام اور ملتے ہیں:

۱۔ دلچسپ نظموں کا مجموعہ   اور
۲ نئے دلکش شبدوں کا مجموعہ

بخوبی ممکن ہے کہ ان کے علاوہ بھی بعض کتابیں ہوں جن کا حال ہمیں معلوم نہ ہو سکا ہو۔
بہر نوع شیو برت لال کے کلام کے جتنے مجموعے دستیاب ہو سکے ہیں، ان پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ شخص نہایت پر گو تھا اور تمام اصناف شعری میں خواہ وہ ہندوستانی اصل کی ہوں یا فارسی کے واسطے سے اردو میں آئی ہوں وہ کامیابی کے ساتھ اور عموماً بے ساختہ شعر کہنے پر قادر تھا۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ اس نے اردو کے شعری سرمائے میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اس کے کلام کی کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے، اسے اس بات کا استحقاق حاصل ہے کہ اردو شاعری کی تاریخ میں اس کا تذکرہ مستحسن انداز سے کیا جائے۔

(ب)

شرحیں

شعر گوئی کے لئے سخن سنجی اور شعر فہمی کی لیاقت بھی ضروری ہوتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ معاملہ فہمی اور نکتہ رسی کی صلاحیت خداداد ہوتی ہے لیکن غور و فکر کی عادت اور تجربہ و مشاہدہ کی کثرت بھی اس کمی کو پورا کر دیتی ہے چنانچہ شاعر کے لئے مطالعہ کا ذوق اور زندگی میں رونما ہونے والے مختلف النوع واقعات کے ایک ایک پہلو پر نظر کرتے رہنے کا شوق بھی لوازمات کے درجے میں ہے۔

شیوبرت لال ورمن کے بارے میں یہ دعوا کرنا تو صحیح نہیں کہ انھیں تحقیقِ واقعات سے دلچسپی تھی۔ اس کی ایک بدیہی وجہ یہ بھی رہی ہے کہ ان کی زندگی نہایت مصروف تھی اور تحقیق کے لئے ادنا ادنا معاملوں پر جس توجہ اور تامل کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے ان کے پاس وقت نہیں تھا۔ پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ انھوں نے بتدریج وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات سند کا حکم رکھتی تھی اور عقیدتمند بے تکلف اس کی صحت کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اس منزل پر پہنچ جانے کے بعد ان کی عملی زندگی میں تیزیِ تخیل، جوشِ بیان اور زورِ استدلال کی اہمیت بہت زیادہ ہو گئی تھی اور یہ سب اوصاف ان کو خداداد تھے۔ اس پر کثرتِ مطالعہ اور قوتِ حافظہ مستزاد تھی چنانچہ شعر گوئی کے ساتھ ساتھ انھوں نے شرح نویسی کا کام بھی اس خوبی اور کثرت کے ساتھ کیا تھا کہ :

۱۔ ہندوستانی اصل کے بیشتر علوم کا سرچشمہ سنسکرت زبان کو مانا جاتا ہے اور اس زبان کے تحریری سرمائے پر تو وہ اپنا اجارہ سمجھتے تھے چنانچہ اپنشد میگزین اور پوران وغیرہ اپنے رسالوں میں انھوں نے سنسکرت کے روایتی، افسانوی اور فلسفیانہ

سرمایہ کی تعبیر و تفسیر کا کام بڑی خوبی سے انجام دیا ہے۔ ان کے علاوہ گیتا، پنچد شی، پتنجلی وغیرہ بنیادی اہمیت کی متعدد کتابوں کے ترجمے اور تشریحیں لکھیں۔ رامائنوں کے بارے میں تو خود ان کا دعویٰ ہے کہ:

"میں نے اردو میں دس بارہ رامائنیں لکھی ہیں"

ان کی کتابوں کی فہرست میں ایک درجن رامائنوں کے نام تحریر ہیں اور اس بارے میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ تعداد اور زیادہ ہو سکتی ہے۔

داتا دیال کی تصانیف کی قدر و قیمت کا ذکر کرتے ہوئے سردار بابا ساون سنگھ جی آچاریہ بیاس اکثر کہا کرتے تھے کہ:

"مہرشی ویاس جی نے تو صرف چار ویدوں کو ہی ترتیب دیا ہے۔ ہمارے مہرشی جی نے ہزاروں کتابیں جو ہر لحاظ سے پاکیزہ اور بلند پایہ ہیں رفاہ عام و خاص کے لئے تصنیف کی ہیں تاکہ حق کے متلاشی اور سنت مت کے پیروان کے مطالعہ سے مستفید و مستفیض ہو سکیں۔"

۲۔ شمالی ہند میں ہندوستانی زبان کے قدیمی سرمائے کا بھی انھوں نے غیر معمولی حد تک مطالعہ کیا تھا چنانچہ کبیر اور ان کے کلام سے متعلق بھی انھوں نے متعدد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کبیر مسلمان ماں باپ کی اولاد تھے اور ان کے گھرانے میں بقول رویداس شیخ، شہید اور پیر ہوتے تھے اور وہ گائے کی قربانی بھی کرتے تھے۔

جا کے اید، بکرید، کل گئورے، بدھ کرہ، مانی آہ سیکھ شہید، پیرا
جا کے باپ ویسی کری، پوت ایسی سری، تہورے لوک پر سدھ کبیرا

شیوبرت لال نے اس مسلمہ حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ انھوں نے بہت پرزور الفاظ میں لکھا ہے کہ:

"جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کبیر صاحب نے شاستروں، ویدوں یا اپنشدوں سے یہ (اپنے) خیالات مستعار لئے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ہم نے بار بار

اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی سوانح عمری جو ہم نے ترتیب دی ہے پڑھو۔ بیجک کی مشرح ٹیکا جو ہم نے لکھی ہے اس کا بار بار مطالعہ کرو۔ ساکھیوں کا مجموعہ جو ہم نے پیشکش کیا ہے اس کو ملاحظہ فرماؤ اور ان کے شبدوں کی گنگا کو دیکھو۔ ساتھ ہی شاستر، اپنشد اور ویدوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرو تب یہ بات خود بہ خود اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گی۔ تعصب اور ہٹ دھرمی کا یہاں کام نہیں ہے۔ ہر انسان، ہر قوم اور ہر ملک کے افراد میں فطرتاً حقانیت کا مادّہ موجود رہتا ہے۔ جہاں موافق اور موزوں اسباب اکٹھے ہو جاتے ہیں آپ ہی آپ اس کے ظہور کا نظارہ اپنا تماشا دکھانے لگتا ہے۔"

شرح نویسی کے لئے ضروری ہے کہ متعلق متن کے مصنف کے حالات، واقعات اور محرکات وغیرہ پر صحیح طور سے نظر رکھی جائے۔ اس اعتبار سے شیو برت لال بہتوں سے بہتر ہیں۔ کبیر کے ساتھ تو ان کو خصوصی عقیدت تھی چنانچہ انکی کتابیں:

کبیر صاحب کی ساکھی، ست کبیر کی شبداولی وغیرہ

خصوصیت سے قابل توجہ ہیں۔

کبیر شبداولی میں انھوں نے کبیر کا ایک شبد لکھ کر اس میں آئے ہوئے مشکل الفاظ کے نیچے ان کے معنی لکھے ہیں۔ پھر شبد کے ہر شعر کے الگ الگ مفہوم سے بحث کی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام بہت محنت سے کیا گیا ہے اور اس کی افادیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

کبیر بیجک جس کا اقتباس بالا میں ذکر آیا ہے شیو برت لال نے امریکہ سے واپسی کے بعد ۱۹۱۴ء میں گیارہ حصوں میں:

"پرم سنت کبیر صاحب کا بیجک مکمل، واضح، اردو شرح کے ساتھ"

کے نام سے مرتب کر کے ۶۲۸ صفحوں پر شائع کیا تھا۔ انھوں نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"اس بیجک کے لکھانے میں کسی اور مہان شکتی کی عنایت تھی اور اس نظر سے
اسے بہت مفید ہونا چاہئے۔ ایک رات کو سوپن میں کبیر کا درشن ہوا۔ آپ
نے مسکرا کر ایک شبد کی ویاکھیا کی جس کو ہم نے جیوں کا تیوں لکھدیا ہے۔"

کبیر سے متعلق شیو برت لال کی ایک قابل ذکر کتاب "کبیر دوہاولی" بھی ہے۔
شروع میں مختصراً کبیر کے سوانح لکھے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کبیر
کے بارے میں یہ خیال کہ چونکہ وہ جولاہے کے بیٹے تھے اس لئے مسلم معاشرہ
میں حقیر سمجھے جاتے تھے غالباً بہت صحیح نہیں۔ مسلمانوں میں پیشہ وارانہ تقسیم اور اس
کی وجہ سے شریف ورذیل کی تعیین کا سلسلہ ہندوستانی معاشرہ کے زیر اثر اور بہت بعد
میں شروع ہوا تھا۔ باہمہ اس میں شدت کی صورت آج بھی نہیں ہے۔ آج بھی
شرافت کا واقعی معیار مسلمانوں میں وہی ہے کہ :

"تم میں خدا کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جس کے اعمال بہتر ہوں۔"

کبیر دوہاولی میں شیو برت لال نے کبیر کے کل اکیسو ستائیس شبدوں کی شرح لکھی ہے،
اس طرح کہ پہلے شعر لکھا، پھر اس کا مطلب بیان کیا مثلاً۔

صاحب صاحب سب کہیں، موہے اندیسا اور
صاحب سے پرچے نہیں بیٹھوگے کیہی ٹھور

ارتھ: کہنے کو سب مالک کہتے ہیں مگر صاحب کی پہچان کسی کو بھی نہیں۔
مجھ کو اندیشہ یہ ہے کہ جب اس کو دیکھا نہیں تو کس جگہ جاؤ گے؟

قدیم ہندوستانی زبان کے سرمایے سے بعض اور کتابوں کی بھی شیو برت لال
نے شرحیں لکھی ہیں مثلاً ان کی ایک کتاب "رحمن نیت دوہاولی" ہے جس میں
عبد الرحیم خانخاناں سے منسوب کلام کی تشریح کی ہے۔

۳۔ اردو اور فارسی کا چولی دامن کا ساتھ ہے چنانچہ شیو برت لال کی، جنھوں نے
تصنیف وتالیف کے لئے شعوری طور پر اردو کو اختیار کر لیا تھا، بیشتر تحریروں کا محور
تصوف ہے اور تصوف کی بیشتر مروجہ کتابیں عموماً فارسی میں ہیں چنانچہ انھوں نے فارسی

کے کلام کا ترجمہ اور حسب ضرورت تشریح کر کے اپنے طریق کی وضاحت کی ہے۔ ان کی ایک ضخیم کتاب "صوفی ازم" ہے۔ اس میں سلسلۂ بیان کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے ؎

"کفر است در طریقت ماکینہ داشتن
آئین است سینہ چوں آئینہ داشتن

ترجمہ: تعصب رکھنا ہمارے طریق میں کفر ہے۔ ہمارا اصول یہ ہے کہ دل کو آئینہ کی طرح صاف شفاف رکھا جائے۔"

اس کتاب میں صفحے کے صفحے فارسی اشعار کے ترجموں میں صرف ہوئے ہیں مثلاً اٹھارہویں پرسنگ میں جس کا عنوان ہے "مرشد کی ضرورت" دیال نے صوفیوں کے بہ کثرت اشعار سنائے ہیں۔ ؎

"یک زمانہ صحبتِ با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شوی
صحبت صالح تُرا صالح کند صحبتِ طالح تُرا طالح کند

مطلب خیز ترجمہ:

لمحہ بھر کی مرشد کی صحبت سو برس کی خالص عبادت سے بہتر ہے۔
تو چاہے پتھر کی طرح سخت ہو لیکن صاحب دل کی خدمت میں جا کر گوہر بن جائیگا۔
نیک کی صحبت سے تو نیک ہو جاویگا اور برے کی صحبت سے تو برا بن جائے گا۔"

اس قسم کے ترجموں اور تشریحوں سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہاں ان کے ذکر سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ شیو برت لال نے نثر و نظم میں جو کچھ لکھا ہے وہ محض اٹکل پچو نہیں ہے بلکہ ان کے گہرے مطالعے اور غور و فکر کا نتیجہ ہے اور اسی لئے وہ سنجیدگی کے ساتھ توجہ طلب ہے۔

حواشی

۱۔ گلستانِ ہزار رنگ، ص ۷۶ تا ۷۸

۲۔ تاریخِ اقلیمِ ادب حصہ اول ص ۲۹

۳۔ گلستانِ ہزار رنگ، ص ۷۴۴

تیسرا باب

قصے، ناول، داستان

اور ناٹک وغیرہ

(۱)

قصے

شیو برت لال کو قصے کہانیوں سے بہت دلچسپی تھی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان کو ایک حد تک اپنے مذہب کا جزو خیال کرتے تھے اور اس نقطہ نظر سے اپنے ہم قوم صاحبان قلم کو بھی رائے دیتے تھے کہ :

"وہ[1] عام ہندو مذاق کا مطالعہ کرتے ہوئے اگر اور نہیں تو قصہ کہانیوں کی تصنیف و تالیف سے قوم کے نیک جذبات کے ابھارنے کی کوشش کریں اور جیسے ہمارے بزرگ ضرورتِ زمانہ کو سمجھ کر قصہ کہانیوں کی کتابیں لکھا کرتے ہیں ویسے ہی ان کو بھی اس طرف مائل ہونا چاہئے۔"

ان کی اہمیت کا بیان کرتے ہوئے شیو برت لال نے سنسکرت کے تحریری سرمائے کا حوالہ دیا ہے اور زور دیکر یہ بات کہی ہے کہ فلسفہ کے دقیق مضامین کی تفہیم کو عام کرنے کے لئے کہانیاں بہترین وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہیں چنانچہ :

"یوگ[2] واسسٹ نامی ویدانت کی مستند کتاب جو مہار امائن کہلاتی ہے، عجیب و غریب تصنیف ہے۔ سنسکرت کی ایک اور پرانی کتاب موجود ہے جو آتم پران کے نام سے مشہور ہے اور جس میں اپنشد وغیرہ کی کہانیاں بڑی خوبی کے ساتھ عام فہم پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں۔ مذہبی مہر لگنے کے سبب سے ان کی کتھائیں ہر جگہ سنی جاتی تھیں۔ اب حالت اور ہو گئی ہے مگر دھرم کرم کی کتھاؤں کے سننے کا شوق ہندوؤں میں اب تک موجود ہے۔ قصہ کہانیوں کا رواج برا نہیں ہے۔ اس سے یقینی طور پر مذاق کو اصلاح اور درستگی کا سامان مل جاتا ہے۔ جو کام لکچروں اور ویاکھیانوں سے ممکن نہیں ہے وہ ان سے

ممکن ہو جاتا ہے۔"

قصے کہانیوں کے ہندوستان میں چلن اور سنسکرت ادبیات کے حوالے سے ان کے مطالب میں ارتقا کے عمل کا جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ:

"سب سے پہلے ہندوستان میں جانوروں کی کہانیاں سننے کا عام شوق تھا اور انھیں قصوں کے ذریعہ بچوں کے دلوں میں بالخصوص اخلاق اور دھرم کا مادّہ داخل کیا جاتا تھا۔ اس قسم کے قصے کرتک دمنک (کلیلہ دمنہ) پنچ تنتر، کتھا سرت ساگر، ہت اپدیش وغیرہ میں بہ کثرت موجود ہیں اور اس قابل ہیں کہ اب بھی بچوں میں ان کو رواج دیا جائے۔ ان کے بعد دیوتاؤں کی کہانیوں کا رواج ہوا، جن کی یادگار دیو اور پریوں کے فسانے ہیں۔ جب ان سے طبیعت اکتاگئی تو راجا اور بہادروں کے کارنامے سنانے کی باری آئی اور جہاں ان میں تھوڑی بہت سچائی تھی، جھوٹ اور مبالغے کو بھی ضرورت سے زیادہ جگہ دی گئی اور ایسے تعجب خیز پیرایہ میں ان کے سنانے کا اہتمام کیا گیا کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی مگر ان کا مقصد بھی وہی تھا جو اگلے قسم کے قصوں کا تھا۔ سب تعلیم و تعلم کے ذریعہ تھے۔ زمانہ نے تبدیلی اختیار کی۔ اب اور طرح کے قصوں کا رواج ہوا جن میں نہ حیوانوں کو بولنے کی زبان دی جاتی ہے نہ دیوتاؤں راکشش کی لڑائی کا موقع رہتا ہے اور زبردست راجاؤں کے کارناموں کو بھی اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ عام آدمیوں کے کاروبار کے سلسلے میں حیرت انگیز و عجیب و غریب حالات سنانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ موجودہ زمانے کے ناول ہیں، جن میں انگریزی انشا پردازی نے کمال دکھایا ہے۔ اب ان کا بھی رنگ پھیکا ہونے لگا ہے۔ ایک طرف پولیس وغیرہ کی تحقیقات و جرائم کے پتا لگانے کے قصے گڑھے جانے لگے دوسری طرف ناچ اور تماشا کرنے والوں کے حالات میں دلچسپی کا سامان مہیا ہونے لگا۔ اس سے آگے چل کر اب ایسے ناول بھی لکھے جاتے ہیں جن میں

سائنس کی تحقیقات کی حیرت انگیزیاں کثرت سے داخل کی جاتی ہیں...... ہمارا وشواس یہ ہے کہ چاہے قصہ کہانیوں کی صورت برابر بدلتی رہے مگر جب تک انسان انسان ہے ان کے پڑھنے اور سننے کا شوق برابر موجود رہے گا۔"

قصے سننے سنانے کے لئے ہوتے ہیں اور ان سے سامع تک بعض اطلاعات یا معلومات کا پہنچا دینا مقصود ہوتا ہے۔ اگر چہ ان اطلاعات یا معلومات کے لئے محقق یا تصدیق شدہ ہونا ضروری نہیں ہے، قصہ گو ان کو ایسے پر اعتماد انداز سے پیش کرتا ہے گویا وہ ان کا عینی شاہد ہے یا ان کے قطعی اور تحقیق شدہ ہونے کا کم از کم اس کو یقین کامل ہے۔ یہ صورت حال ہندوستانی قصوں میں شروع سے پائی جاتی ہے چنانچہ جانوروں کے قصوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ شیو برت لال نے بھی قصوں کی اس خوبی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"سنسکرت کا ایک ناٹک ہے جو چار چندر اودے کہلاتا ہے اس میں دھرم کرم کی فرضی شخصیتوں کو ایسا رنگ روپ دیا گیا ہے گویا وہ سچ مچ کی جیتی جاگتی مورتیں ہیں۔"

قصہ میں مخاطبت کا انداز ہوتا ہے۔ بیان میں طوالت ہوتی ہے، اور اس کے لئے بسا اوقات مرادف الفاظ اور فقرات کے استعمال کے علاوہ، مطالب کی تکرار سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ اکثر مبالغہ سے کام لیکر بیانوں کو محیر العقول بنا کر پیش کرتے ہیں۔

قصے کے لئے کسی مربوط اور منظم پلاٹ کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ مقصود چونکہ سامع کو اپنی بات کا یقین دلانا ہوتا ہے، اصل قصے کے مطالب کی بہتر تفہیم کے لئے ضمناً کسی حکایت، روایت یا لطیفہ کا بیان بھی کیا جاتا ہے اور بات میں سے بات پیدا کرکے سامع کی دلچسپی کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

زبان کا بھی عام فہم بلکہ مخاطبین کے مزاج اور معیار کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ عالمانہ اور محققانہ طرز بیان قصے کے لئے معیوب ہے، البتہ مکالمہ کا انداز اکثر

پسندیدہ ثابت ہوتا ہے۔

ہندوؤں میں شروع سے یہ خیال عام رہا ہے کہ "قصے سننے سے پاپ دور ہو جاتے ہیں"۔ یہ عقیدہ بھی قصہ گوئی کے فروغ کا سبب بنتا رہا ہے، لیکن شاید اسی عقیدہ کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بقول شیو برت لال:

"یہ[5] سچ ہے کہ سائنس کے تماشوں وغیرہ کے قصے ہندوؤں میں نہیں ہیں مگر ان کی جدت اور طرح کی ہے۔"

شیو برت لال کی مختلف تحریریں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ قصہ گوئی کے فن سے واقف تھے بلکہ ان کے قصوں کو پڑھنے کے بعد اکثر یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید ان کے مزاج کی افتاد ہی یہی تھی۔ ایک جگہ انھوں نے خود بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ:

"میں نے صرف قصہ گوئی کا فرض اپنے ذمہ لیا ہے۔"

اور اس ذمہ داری کو انھوں نے ہر قسم کے قصے لکھ کر بدرجہ احسن پورا کیا ہے۔

(الف) عورتوں کے قصے :

پہلے باب میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ شیو برت لال کی تصنیفی زندگی کا آغاز ان کی بیوی جسودا کنور کی تحریک سے ہوا تھا چنانچہ خود لکھا ہے کہ:

"جب[6] میں ہندوستان کے تمام حصوں میں سیاحت کرنے کے بعد آریہ سماج انسٹی ٹیوشن بریلی کا ہیڈ ماسٹر ہوا میری بیوی نے مجھ سے کہا: تم روزانہ مجھ کو نیک عورتوں کے حالات سنایا کرو۔ کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا آخر اس نے درخواست کی کہ: 'ان سب کو سلیس اردو میں لکھ کر چھپوا دو۔ میں نے اس طرح کے پچیس رسالے ترتیب دیئے ہیں جو بھارت کی شجاع و عالم استریوں کے کارنامے کے نام سے مشہور اور مقبول ہوئے۔ یہ سلسلہ ہندو خاندانوں کو بطور تحفہ میری بیوی کی تحریک سے نذر کیا گیا۔"

شیو برت لال کی تحریروں سے کافی پہلے اردو میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مقصد سے کئی رسالے نکل رہے تھے مثلاً:

اخبار النساء — اس کے مدیر مولوی سید احمد مولف فرہنگ آصفیہ تھے اور یہ ۱۸۸۷ء میں جاری ہوا تھا۔

ماہنامہ شریف بیبیاں لاہور — منشی محبوب عالم پیسہ اخبار والے اس کے ایڈیٹر تھے یہ ۱۸۹۳ء میں جاری ہوا بعد میں اس کا نام شریف بی بی ہو گیا۔

ہفتہ وار تہذیب نسواں — سید محمدی بیگم نے جو مولوی سید ممتاز علی کی زوجہ تھیں اپنے شوہر کی تحریک سے یکم جولائی ۱۸۹۸ء میں یہ اخبار نکالنا شروع کیا۔

ماہنامہ مشیر مادر، لاہور — سیدہ محمدی نے ۱۹۰۴ء میں جاری کیا۔

ان رسالوں کے نام اور ان کے مضامین کو دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کسی خاص فرقہ یا طبقے کی خواتین کے فائدے کے لئے تھے۔ جسودا کنور نے بھی بلا کسی قسم کے قید کے "نیک عورتوں" کے حالات سنانے کی فرمائش کی تھی۔ ان حالات کو "ہندو خاندانوں" تک محدود اور مخصوص کر دینے کا عمل شیو برت لال کا تھا۔ ان کے اس عمل نے اردو میں قصے کہانی کی تاریخ میں ایک نئے رجحان کی ابتدا کر دی تھی اور اس کے بعد سے کچھ مدت تک قصے کہانی بھی ہندو اور پھر مسلمان ہونے لگے تھے۔ انھوں نے اپنی بعض تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس کے نے ۳۰ر ستمبر ۱۹۰۴ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت کی میں نے لاہور میں آکر اس کی وصیت کو پیش نظر رکھ کر ہندو استریوں کے متعلق ضخیم رسالے لکھے جو ہماری ماتائیں، بچی دیویاں، ستی برتانت، راجستھان کی بیر رانیاں، بچی استریاں وغیرہ کے نام سے ہندی، اردو میں شائع ہو کر فروخت ہو رہی ہیں۔ یہ کتابیں ہندو جاتی کے درمیان کس قسم کے پاک جذبات کی محرک ہوئیں وہ میرے کہنے کی محتاج نہیں ہیں۔ میں خوش ہوں کہ میری استری کی تحریک نے بہت بڑی ضرورت کو رفع کرنے کا اہتمام کیا۔"

۱۔ ستی بر تانت :

یہ ہندو عورتوں کی کہانیوں کے ابتدائی مجموعوں میں سے ہے۔ شروع میں مصنف نے سولہ صفحوں کا دیباچہ لکھا ہے۔ اس میں کہا ہے کہ :

"لاہور آکر اپنی مرحومہ بیوی کی وصیت کے مطابق ہندو استریوں کے متعلق میں نے ضخیم رسالے لکھے۔ نیک استری کے جذبات کس حد تک خاوند سے نیک کام کرا سکتے ہیں یہ اس کا عملی ثبوت ہے۔"

کتاب میں صفحہ ۱۷ سے ۲۲۴ تک سترہ عورتوں کے حالات لکھے ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ بھارت لٹریچر کمپنی لاہور سے ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی۔ چار برس بعد یعنی ۱۹۰۸ء میں لاہور ہی سے اس کا ہندی میں ترجمہ چھپا۔ اردو میں دوسری بار یہ پنجاب سٹیم پریس لاہور میں ۱۹۲۲ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔ اس وقت اس کی ضخامت ۲۱۲ صفحے کی رہ گئی تھی۔

۲۔ بھارت کی پرسدھ استریوں کا جیون چرتر :

یہ شیو برت لال کی ایک اردو کتاب کا ہندی ترجمہ ہے۔ مترجم کوئی امرت لال تھا۔ یہ ترجمہ پہلی بار ہریدوار سے ۱۹۰۷ء میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

۳۔ سچی دیویاں :

اس میں بھی ہندو عورتوں کے قصے لکھے ہیں۔ یہ پہلی بار ۱۹۰۶ء میں اور پھر ۱۹۲۰ء میں چھپی تھی۔ اس کے صرف حصہ اول کا ہندی میں ترجمہ ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا تھا۔

۴۔ ہماری ماتائیں :

یہ کتاب پہلی بار ۱۹۰۷ء میں بھارت لٹریچر کمپنی لمیٹیڈ لاہور سے چھپی تھی۔ پھر ہندوستان سٹیم پریس لاہور سے ۱۹۱۰ء میں ۲۴۶ صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی۔ بعد

میں دیال ہنمکنڈہ کے سلسلے میں جون ١٩٦٨ء میں ٨٧ صفحوں پر اس کا اختصار چھپا۔ ہندی میں بعد کے زمانے میں شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل علی گڑھ نے اس کو شائع کیا۔

کتاب کے شروع میں مصنف کے علاوہ لالہ گوکل چند کا لکھا ہوا دیباچہ بھی شامل ہے۔ مصنف نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے :

"ان[8] معدودے چند صفحات کی جو نہایت خلوص اور صدق دلی کے ساتھ پبلک کی نذر کئے جارہے ہیں یہ غرض ہے کہ ہندوؤں کی موجودہ نسل کو ان کے بزرگوں کی انسانی شان کی یاد دہانی کی جائے ...... اس سے پہلے میں نے بارہ حصوں میں ایک مقبول عام سلسلہ بھارت کی شجاع و عالم استریوں کے کارنامے کے نام سے لکھا تھا جو جالندھر کے مطبع ستیہ دھرم پرچارک سے شائع ہوا تھا...... نظم کا حصہ زیادہ تر طبعزاد ہے یا صرف کہیں کہیں مرحوم میر انیس کے قابل قدر مرثیہ سے عاریت لیا گیا ہے۔"

پھر مصنف کی دو دو باتیں کے عنوان سے کہا گیا ہے کہ :

"[9] ہمارا یہ سلسلہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ ہم پوران، اپنشد، برہمن، موجودہ اتہاس سے اس قسم کے سوانحات نکال کر برابر بالکل برائے نام قیمت پر محض قومی فلاح کی نظر سے لکھتے رہیں گے۔"

اس کتاب میں ذیل کی کتابوں کا بھی مذکور ملتا ہے :

سچی دیویاں ، ستی برتانت ، راجستھان کی بیر رانیاں
سچی استریاں، بھارت کی شجاع و عالم استریوں کے کارنامے

ہماری ماتائیں میں دروپدی، دمینتی، کانتی، پاروتی وغیرہ کل بائیس عورتوں کے حالات لکھے ہیں۔

۵۔ ہندو ماتائیں :

اس میں دس ہندو عورتوں کے قصے لکھے ہیں۔ کتاب کل ٨٨ ورق کی ہے۔

شروع میں صفحہ ۵ سے ۱۳ تک دیباچہ ہے۔ یہ کتاب دوسری بار پنجابی اسٹیم پریس لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ بعد کے زمانے میں شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل علی گڑھ نے اسے ہندی میں چھاپ دیا تھا۔

اوپر جن کتابوں کا ذکر آگیا ہے۔ ان کے علاوہ فہرست میں درج ذیل نام بھی ملتے ہیں۔

۱۔ ہماری پڑھی لکھی بیویاں، ۲۔ ہمارے پڑھے لکھے مرد، ۳۔ ہندو استریاں

۴۔ استری رتن مالا، ۵۔ ویر ماتائیں، ۶۔ ہندو دیویاں

۷۔ راجپوتنیوں کے کرتب، ۸۔ راجپوتوں کے کرتب

(ب) بچوں کے لئے قصے :

شیوبرت لال نے بچوں کے لئے بھی کہانیوں کے کئی مجموعے شائع کئے تھے۔ کچھ یہ ہیں

۱۔ بچوں کا دل بہلاؤ اس پر لکھا ہے کہ:

"یہ کتاب بچوں کے لئے ایک گلدستہ ہے، جس میں سبق آموز اور دلچسپ کہانیوں کا ذخیرہ ہے۔"

۳۰ اپریل ۱۹۲۶ء کو اس کے دیباچے میں مصنف نے کہا ہے کہ:

"جیسی عمر ویسا قصہ ہو تب اور بھی مزا آتا ہے۔ سب سے مزیدار بچوں کی کہانیاں ہیں۔ یہ ہر عمر والوں کو مزا دے جاتی ہیں۔ اگر ایسی کہانیاں لکھی گئیں تو بچے کھیل کھیل میں پڑھ لکھ جائیں گے"۔

اس کتاب میں مندرجہ کہانیوں کا عنوان یہ ہے :

۱۔ انوکھی رانی، ۲۔ اصلی رانی، ۳۔ بیل ونتی رانی

۴۔ بندریا رانی، ۵۔ پاروتی دیوی، ۶۔ خوش پوش راجا

۷۔ لنکا کی ڈائن، ۸۔ پھول ونتی رانی

اسے جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز لاہور نے ۹۶ صفحوں پر چھپوا کر شائع کیا تھا۔ شروع کے چھ صفحوں پر مصنف کا لکھا ہوا دیباچہ ہے۔

اسی ناشر نے شیوبرت لال کی درج ذیل کتابیں بھی شائع کی تھیں :

۲۔ بچوں کی علمی سیر:

"بچوں کے لئے ایک تعلیمی چٹکلا جس سے کہانیوں کے شوق میں بچے پڑھنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔"

۳۔ بچوں کا پھول المشہور دلچسپ کہانیاں:

"یہ بچوں کے لئے سبق آموز دلچسپ کہانیوں کا گلدستہ ہے"

۴۔ بچوں کی نئی دنیا:

"یہ بچوں کے لئے رہنمائے تعلیم ہے۔ سادہ، آسان الفاظ میں کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ، جس سے بچے پڑھنے کی طرف خود راغب ہوتے ہیں۔"

۵۔ ویر منڈل:

یہ کتاب کل چھ حصوں میں چھپی ہے۔ پہلے حصے میں دو صفحوں کا دیباچہ ہے جس میں کہا ہے کہ:

"ان صفحوں میں اس مقدس سرزمین (ہندوستان) کے مشہور و معروف بزرگوں کا مختصر تذکرہ ہے"۔

ہر حصے میں تین یا چار لوگوں کا حال لکھا ہے۔ کتاب چونکہ بچوں کے لئے شائع کی گئی ہے ہر حصے کی ضخامت کم سے کم رکھی گئی ہے چنانچہ درج ذیل ہیں:

حصہ اول: دیباچہ صفحہ ۱تا۲، کمارل بھٹاچاریہ صفحہ ۳تا۸،
مہاراجہ دوہیچی صفحہ ۹تا۱۳ شرون صفحہ ۱۴تا۲۰، شالبائن صفحہ ۱۹تا۲۰

حصہ دوم: بانکا راجپوت صفحہ ۱تا۳، مہاکوی چند باروٹ صفحہ ۴تا۹،
لکشمن جی صفحہ ۱۰تا۱۵ اگست رشی صفحہ ۱۶تا۲۰

حصہ سوم: رانا پرتاپ صفحہ ۱تا۷، بھگیرتھ صفحہ ۸تا۱۲
رکھو کا دو گوجے، ص ۱۳تا۱۷، والمیکی رشی ص ۱۸تا۲۳

حصہ چہارم: شکدیو جی صفحہ ۱تا۸، ویرارجن صفحہ ۹تا۱۹،
سوامی دیانند سرستی صفحہ ۲۰تا۳۱

حصہ پنجم: ہنسراج جی ص ۱ تا ۱۰، گوپلچی چند صفحہ ۱۱ تا ۱۷،
مہاراجا رائے مل، صفحہ ۱۸ تا ۲۰

حصہ ششم، راناکمبھ صفحہ ۱ تا ۴، یاگیہ دلکیہ رشی صفحہ ۵ تا ۹،
دھرو صفحہ ۱۰ تا ۱۵، راج کمار چتو صفحہ ۱۶ تا ۱۹،

ان کے علاوہ فہرست میں درج ذیل کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں:

۱۔ ایک ساتھ سات کہانیاں، ۲۔ دلچسپ کہانیاں

(ج) عوامی قصے :

شیوبرت لال کو خود بھی قصوں کہانیوں کا شوق تھا۔ جہاں جاتے لوگوں سے وہاں کے قصے سنتے اور پھر ان کو قلمبند کر لیتے تھے۔

۱۔ سندھ دیش کے پرانے دیہاتی قصے، تصوف کے رنگ میں۔ حصہ اول:

اس کتاب کے دیباچہ میں شیوبرت لال نے ۲۶/دسمبر ۱۹۲۳ء کو لکھا ہے کہ:

"خاص شہر ملتان میں میرے کئی عالم فاضل دوست ہیں ان سے ملتان کے حالات کے متعلق دریافت کیا۔ سب کے سب ناواقف نکلے۔ کسی طرح پوچھ پاچھ کر میں نے ایک مختصر رسالہ ترتیب دیا، جس میں پرانوں کے عہد سے لیکر انگریزوں کے آنے تک کے مجمل واقعات کے ساتھ ساتھ وہاں کے دیہاتی قصوں کا بھی شمول ہے۔

اس کے بعد سندھ گیا...... دوران سفر جن مقامات کی سیر کی یا جو باتیں سنیں وہ میرے نوٹ بک میں درج ہیں۔ ممکن ہے کسی وقت وہ کتاب کی صورت میں شائع ہو سکیں۔ ان قصوں میں سے بعض بعض پنجاب سے اور بعض بعض راجپوتانہ سے مخصوص ہیں لیکن سندھ میں آکر سندھی رنگ ڈھنگ اختیار کر لینے سے سندھی ہی کہے جانے کے مستحق ہیں۔ سندھ کے مخصوص قصے اپنی وضع کی نظر سے نرالے ہیں۔ گو وہ حد درجہ سادہ ہیں،

مذہبی رنگ بھی لئے ہیں۔ اردو لاونیاں (ہندی وزن کی نظمیں) بھی اگر اپنی مخصوص دھن میں پڑھی جائیں گی تو دل کے جذبات کے ابھارنے میں مددگار ہونگی، قریب قریب ہر قصہ کے ساتھ جان بوجھ کر ایسی نظموں کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ ہندی وزن کو اردو میں لانا آسان بات نہیں اور اب تک کسی کی توجہ بھی اس طرف نہیں ہوئی ہے یہ اپنی قسم کی نئی کوشش ہے۔ اردو زبان کے اندر ہندی کی صوفیانہ پرجوش نظموں کا نمونہ داخل کرنا بے سود نہ ہوگا۔ یہ قصوں کے رنگ کو دوبالا کردیتی ہیں۔"

اس مجموعے میں ذیل کے قصے ہیں :

۱۔ ہیر رانجھا ۲۔ جام تماچی اور نوری ۳۔ راج بالا

۴۔ بیر سنگھ اور سندر بائی ۵۔ امر اور مرئی ۶۔ سوہنی اور مہر یا مہینوال

۷۔ کورو اور چینسر ۸۔ سسی اور پنوں

اصلاً یہ سب قصے اردو نثر میں ہیں لیکن بیچ بیچ میں منظوم مکالمے بھی شامل کئے گئے ہیں مثلاً۔

"ہیر کب اس کی باتوں میں آنے لگی تھی۔ پاؤں کو زمین پر پٹکا اور منہ بنا کر بولی۔

تجھے خبر تک نہیں ہے قاضی اس دنیا میں عشق ہے کیا
عشق میں لذت، مزہ ہے کیا عشق نہیں ہے بری بلا

میں نے ماں سے باپ سے کب پوچھا کسی سے عشق کروں
ان کو لاعلمی میں رکھ کر میں نے خریدا یہ سودا

جام عشق کو پیا تو پی کر متوالی مدہوش ہوئی
ہوش حواس بجا نہیں میرے کھو بیٹھی ہوں فہم و ذکا

تو کیا سمجھائیگا مجھ کو　　تجھ میں اتنی سمجھ نہیں
عشق میرا ہے سچا ہادی　　عشق میرا ہے رسول وخدا

عقل کو عشق سے نسبت کیا ہے　　سمجھ بوجھ لے تو قاضی
دنیا کے مذہب و ملت سے　　عشق کا دین بالکل ہے جدا

قاضی کو ہیر کی بے تکی بری لگی۔ غصہ کے لہجہ میں کہا: تو بدکار، بدتمیز، اور بدعقل لڑکی ہے۔ تو نے سخت گناہ کیا ہے۔ ماں باپ کا حکم نہ ماننا خلافِ شرع ہے اور جو شرع کا حکم نہیں مانتا بے دین، مردود اور گمراہ ہے اور اس نے اپنی مذہبی کتاب ہاتھ میں لی۔ ورق گردانی شروع کی۔ اِدھر اُدھر سے حدیث اور آیتوں کو پڑھکر سنانے کی نیت کی۔ ہیر نے اس کی حالت دیکھی اور زوردار لہجہ میں سنایا ؎

قاضی بند کر کتاب اپنی　　تیری کتاب میں دھرا ہے کیا
پیچ دار سطریں ہیں اس کی　　عشق کا سیدھا ہے رستہ

زیر زبر اور پیش سے مطلب　　میں نہیں رکھتی ذرا قاضی
بے تے الف کا ضبط ہے تجھ کو　　جیم دال میں تو ہے پھنسا

الف تیرا اللہ بنا ہے　　میم محمدؐ کو سمجھا
عین علیؓ کا علم بنایا　　عشق کو ان کی نہیں پروا

آسماں سے تو کہتا ہے　　نازل ہوئی کتاب تیری
اس میں کہاں لکھا ہے قاضی　　عشق و محبت کا نکتہ

آدم سے بھی قدیم عشق ہے　　عشق ہے اول اور آخر

تیری کتاب نہیں دیتی ہے عشق کا اور الفت کا پتا

جز میں کل میں عشق بسا ہے اس سے خالی نہیں کوئی
عقل کی چوٹی پہ عین عشق ہے قاف لام قل چھوڑ دیا

دل میں عشق عشق میں دل ہے دل دلدار کا مسکن ہے
عین عشق اور شین شوق ہے قاف قناعت کا لٹکا

پتھر پڑے عقل پر تیری عین قاف اور لام یہ بھی
مجھے نہیں کچھ ان سے غرض ہے عقل کو اپنی دور ہٹا

تیری عقل میں عین عبث اور قاف فیل کی صورت ہے
لام سے لاف گذاف کی سوجھی انھیں کے رشتے تو الجھا — الخ

بعض جگہ یہ منظوم مکالمے خاصے طویل بھی ہیں اور دلچسپ بھی ہیں اور ان سے مصنف کی نکتہ آفرینی کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کی صلاحیتوں کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

لاونیوں کے بارے میں شیو برت لال کا بیان عام خیالوں سے متاثر ہے۔ جن اوزان کو انھوں نے جدید ہندی سے منسوب کیا ہے وہ فی الاصل عام ہندوستانی اوزان ہیں اور وہ اردو کے لئے کبھی بھی نامانوس یا غیر نہیں تھے۔ اردو شاعری کے ابتدائی دور میں تو یہی ہندوستانی اوزان مروج تھے۔ اردو شاعری میں فارسی اوزان کا استعمال نسبتاً بعد میں شروع ہوا تھا چنانچہ یہ خیال کہ :

"ہندی وزن کو اردو میں لانا آسان بات نہیں"

حقیقت کے برعکس ہے۔ اردو کی قدیم ترین منظوم تصانیف سب ہندی (= ہندوستانی) اوزان ہی میں ہیں۔ لاونی وغیرہ شعری اصناف کا بھی شیو برت لال سے

بہت پہلے اردو میں موجود ہونا ثابت ہے چنانچہ یہ ذکر دوسرے باب میں آچکا ہے۔
کتاب "سندھ دیش کے پرانے قصے" میں جولاونیاں شیوبرت لال نے لکھی ہیں ان میں سے ایک کے کچھ بند یہاں نمونے کے طور پر نقل کئے جاتے ہیں۔

ازل سے تھا یہ عہد، رہوں گا ساتھ ساتھ دونگا تیرا
بھولونگا نہیں قول یہ، سمجھونگا تو ساتھی ہے میرا
آکر تیری سنبھال کروں گا درد والم نے جب گھیرا
تیرے دل کو بناؤنگا اپنے رہنے کا میں ڈیرا

جا دنیا میں فکر نہ کر، کچھ دن کے لئے دنیا میں جا
تو میرا ہے، میں تیرا ہوں، تجھ سے کبھی نہ ہونگا جدا

عاشق نے یہ بات سنی معشوق کی، خوش ہو کر بولا
ترے حکم سے میں جاتا ہوں، جانے کی کچھ نہیں پروا
ہجر عذاب جاں ہے بے شک وصل ہے راحت اور مزا
جب تو میرا اور میں تیرا، فکر کا پھر کیوں ہو سودا

وہ بولا میں سچ کہتا ہوں، کچھ نہیں کہتا سچ کے سوا
تو میرا ہے میں تیرا ہوں، تجھ سے کبھی نہ ہونگا جدا

عہد ہوا اور قول ہوا، عاشق نے چھوڑا عرش بریں
اتر کے کرسی سے وہ ماں کے حمل میں ہوا قرار گزیں
فلک سیر جو روح تھی، حکم سے آکر ہو گئی خاک نشیں
رزق رساں معشوق ساتھ تھا، اس مکاں کا ہو کے مکیں
تنگ جگہ میں عاشق سنتا رہتا بس یہی صدا
تو میرا ہے، میں تیرا ہوں، تجھ سے کبھی نہ ہونگا جدا

ماں کے حمل سے گرا خاک پر، لگا لوٹنے خاک میں وہ
کبھی پاک حالت تھی اس کی، کبھی حالتِ ناپاک میں وہ

گرا اٹھا، اٹھکر پھر سنبھلا، خوف و بیم اور باک میں وہ
کبھی رویا، کبھی ہنسا، کبھی لوٹا خس میں، خاشاک میں وہ

بات بات میں، دل میں بات نے اس کی کی تھی جا
تو میرا ہے، میں تیرا ہوں، تجھ سے کبھی نہ ہونگا جدا

غرض ان عوامی قصوں کو نثر کے ساتھ نظم کو ملا کر شیو برت لال نے بہت دلچسپ انداز سے لکھا ہے اور اردو کے عوامی ادب کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ان قصوں کی افادیت اور اہمیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

ان قصوں کے علاوہ شیو برت لال نے اور بھی بہت قصے لکھے تھے جو ان کے متعدد رسالوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کو جمع کیا جائے تو چند مجموعے تیار ہو جائینگے۔

فہرست میں شیو برت لال کے قصوں کے درج ذیل مجموعوں کے نام بھی شامل ہیں :

۱۔ پانچ کہانیاں، ۲۔ مثالیہ کہانیاں حصہ اول تا چہارم،
۳۔ دیہاتیوں کے قصے ۴۔ دلچسپ تاریخی واقعات وغیرہ

(۲)

ناول

ناول پڑھنے پڑھانے کے لئے لکھے جاتے ہیں اس لئے ان کے واسطے ضروری ہے کہ ان کا مقصد بھی متعین اور قطعی ہو۔ ان میں اِدھر اُدھر کی اور غیر متعلق باتیں نہیں آنی چاہئیں۔ اس صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ ناول کا پلاٹ بھی مربوط اور منظم ہو اور قصہ در قصہ والی صورت پیدا نہ ہونے پائے۔ تکرار خواہ زبان و بیان کی ہو یا مطالب کی، ناول کے لئے بہر صورت معیوب ہے۔ نثر کو البتہ سادہ اور سلیس ہونا چاہئے۔ علمی نثر ناول کے لئے مناسب نہیں ہے۔

شیو برت لال کے زمانے سے بہت پہلے سے اردو میں ناول لکھے جا رہے تھے مولوی نذیر احمد نے مذہبی نقطہ نظر سے کئی اصلاحی ناول لکھے تھے۔ رتن ناتھ سرشار بھی فسانۂ آزاد۔ کے دفتر تصنیف کر چکے تھے اور اس کے بعض اجزاء شیو برت لال کے داماد اور دست راست گوری شنکر لال اختؔر کے رسالہ شیو شمبھو میں بھی چھپے تھے۔ حالی کی مجالس النساء اور شاد کی صورۃ الخیال کے علاوہ عبد الحلیم شرؔر کے تاریخی اور معاشرتی ناول بھی خاص و عام میں مقبول ہو چکے تھے۔ اگرچہ شیو برت لال نے ان سب کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن ان جیسے کثیر المطالعہ شخص کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ ناول کا یہ سرمایہ ان کی نظر سے نہیں گذرا تھا۔ ان کے ساتھ زیادتی کرنا ہے۔ اگرچہ ان کے یہ اقوال بھی حقیقت پر مبنی ہیں:

"مجھے[۱۱] ناول نویسی کے فن میں کامل مہارت نہیں ہے۔ میں نے صرف قصہ گوئی کا فرض اپنے ذمہ لیا ہے۔"

اور

"[۱۲] میں نہ ناول نویس ہوں، نہ اس فن کی تحصیل و تکمیل کی طرف ہی میں نے کبھی توجہ کی۔"

تصنیف و تالیف کے بارے میں ہی نہیں، زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق شیو برت لال کا ایک مخصوص اور متعین نقطہ نظر تھا اور ہر چیز کو وہ اسی نظر سے دیکھتے تھے۔ ناول کے ساتھ بھی ان کا معاملہ یہی ہے۔

اختر[۱۳] صاحب کے ناولوں کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ بھگت مال کے قصوں کو ناول کے پیرایہ میں بیان کیا جائے۔ اسی سبب کے ضمن میں ایک اور سبب کو بھی شامل کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں اپنے طور پر ہندو قوم کے اردو داں افراد کے دلوں میں بھگتی، پریم، عقیدتمندی اور فلسفہ پسندی کے مادّہ کو حلول کرنا چاہتا ہوں۔ میری کوئی تحریر اس غرض سے خالی نہیں ہوتی۔ میں نے ہی سب سے پہلے پنجاب میں آکر مخربِ اخلاق ناولوں کے پڑھنے کی وبا کو روکا ...... میری لکھی ہوئی کتابیں کثرت سے بازار میں فروخت ہو رہی ہیں ...... میں بھی اب اس پیرانہ سالی میں ناول نویس بن رہا ہوں۔ میرے ناول دلچسپ ہوں گے۔ ساتھ ہی ان کا اصلی اثر دیرپا ہوگا۔ جو شخص ان کو ایک مرتبہ پڑھ لیگا اس زندگی میں تو ان کو کوشش کرنے سے بھی نہ بھلا سکے گا۔"

شیو برت لال نے مخرب اخلاق ناولوں کے پڑھنے کی وبا کا ذکر کیا ہے لیکن ایسے ناولوں کی نشاندہی نہیں کی ہے۔ بظاہر یہ دوسرے کی گردن کاٹ کر اپنا قد بلند کرنے والی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان سے پہلے جو ناول لکھے گئے تھے انکے مقاصد اس طور پر متعین اور محدود نہیں تھے۔ ان میں ہندوستانی معاشرے کے تقریباً سبھی پہلوؤں کی مختلف نظریوں کے مطابق اور گوناگوں انداز سے عکاسی کی گئی تھی۔ شیو برت لال کے مخصوص نقطہ نظر سے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ان کو اردو کے ناول پسند نہیں آسکے تھے البتہ انگریزپسندی کا بول بالا رہا چنانچہ لکھتے ہیں:

"[۱۴] یوروپ نے علم کی اور شاخوں کی طرح اس (ناول کے) فن کو عجیب وغریب ترقی دی، جو چھاپہ خانوں کی وجہ سے ہزاروں صورتوں میں نمودار ہے اور اس ملک کے آدمی اس سے خاص قسم کی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہمارے یہاں اور باتوں کی طرح ان کی بھی سخت کمی ہے۔ سوائے بنگال کے ہندوستان کا کوئی حصہ سچے معنی میں اچھے ناول نویس نہیں پیدا کر سکا ہے۔ ہندوستانی زبان کا کتب خانہ اب تک ناولوں سے خالی ہے۔ لوگ ترجمہ کرتے ہیں۔ انگریزوں کی تقلید میں ناولوں کے نام سے قصے لکھتے ہیں۔"

اس زمانے تک اردو میں جتنے مقبول اور معروف ناول لکھے گئے تھے ان میں سے شاید کوئی بھی انگریزی سے ترجمہ یا مستعار نہیں تھا۔ یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ ناولوں کے نام سے قصے لکھے جا رہے تھے۔ بنگالی زبان میں انھیں خصوصیت کے ساتھ بنکم چندر چٹرجی کے ناول پسند تھے۔ انھوں نے اس بات کا اعتراف بہت پرزور الفاظ میں کیا ہے:

"[۱۵] بابو بنکم چندر چٹرجی اس ملک میں ناول نویسی کے فن کے نہ صرف موجد ہی ہوئے بلکہ وہ اس قسم کی قصہ گوئی کے ملک کے بادشاہ اور خدائے سخن بھی کہے جا سکتے ہیں۔ اس شخص کے خیالی جذبات غضب کے تھے۔ اس کا دل کیا تھا اندر سبھا کا اکھاڑا۔ اگر زمین کا کرہ آسمان کہا جاتا تو میں بلا مبالغہ ان کو اس خطہ کے عطارد ہونے کا خطاب دیتا...... میں فقیر ہوں۔ بنکم بابو کے طرزِ تحریر کا مداح اور ثنا گو ہوں...... میں نے کئی زبانوں کے ناول دیکھے اور نہیں تو ان کے ترجمے تو ضرور ہی پڑھے ہیں۔ انگریزی، عربی، فرانسیسی، روسی وغیرہ زبانوں کے ضخیم ناولوں کی ورق گردانیاں کی ہیں، مگر بنکم بابو بنکم ہی ہیں۔ ان کا بانکپن کسی زبان کے ناول نویسوں میں نظر نہیں آتا"۔

ان اقتباسوں سے شیو برت لال کے ناول نویسی کے مزاج اور معیار کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

(الف) شاہی کا سلسلہ :

اس سلسلے کی بیشتر کتابوں کے ناشر لالا لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور تھے۔ کچھ کتابیں وگیانی لاہور میں بالاقساط شائع ہوئی تھیں اور کچھ گوری شنکر لال اختر کے رسالہ شیو شنبھو لاہور میں چھپی تھیں۔ ان کے تعارف میں خود شیو برت لال نے مارچ ۱۹۲۵ء میں لکھا ہے کہ :

"مجھ [۱۶] سے اکثر دوست احباب ناول لکھنے کی درخواست کرتے ہیں لیکن مجھے اپنی کمی کا علم ہے اور میری توجہ بھی اس طرف نہیں ہے۔ قصہ کی کتابیں میں نے متعدد لکھی ہیں۔ وہ قصے ہیں ناول نہیں ہیں۔ شاہی سلسلہ میں پینتیس کتابیں ہیں جو لاہور میں فروخت ہوتی ہیں لیکن میں ان میں سے کسی کو ناول کہنے کی جرات نہیں کرتا۔ وہ پرانے زمانے کے قصے ہیں جو موجودہ زبان میں قلمبند ہوئے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی اور کوئی حیثیت نہیں ہے"۔

اس اقتباس میں کتابوں کی جو تعداد بتائی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ غالب گمان ہے کہ شیو برت لال اپنی کتابوں کے شمار میں عموماً مبالغے سے کام لیتے رہے ہیں۔ اپنی کتاب "شاہی بھکاری" میں شیو برت لال نے اس سلسلے کی کتابوں کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے :

"[۱۷] اس سلسلے کی یہ کتابیں ہیں :

۱۔ شاہی لکڑہارا ۲۔ شاہی بھگت ۳۔ شاہی بھگتی

۴۔ راج بھگت ۵۔ راج بھگتی ۶۔ بھگت بھگونت بھگتی

پہلی کتاب کو سب جانتے ہیں۔ باقی پانچ وگیانی کے صفحوں میں شایع ہو گئی ہیں۔ جن کا جی چاہے مسرز لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور سے منگا کر پڑھ لیں۔ (شاہی بھکاری) ساتویں کتاب ہے۔ آٹھویں کتاب شاہی ڈاکو کی ترتیب کا خیال ہے"۔

۸۔ شاہی پتی پرائن ۹۔ شاہی ڈاکو ۱۰۔ شاہی جادوگرنی

۱۱۔ شاہی بھوت ۱۲۔ شاہی چور ۱۳۔ شاہی جوگی

شاہی ڈاکو بار سوم چھپ رہا ہے۔ شاہی پتی پرائن کا بھی دوسرا ایڈیشن قریبا ختم ہے۔ شاہی جوگی دوسری بار زیر طبع ہے۔ اس سلسلے کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ کوئی نہ کوئی کتاب ختم ہی رہتی ہے۔ پبلک کی مانگ کو پورا کرنے کے لئے ہم نے یہ سلسلہ لالا لاجپت رائے ساہنی ولالہ رام دتہ مل جی پبلشرز تاجران کتب لاہور کے حوالہ کر دیا ہے۔"

یہ کتاب شاہی بھکاری شیو شمبھو کے اشتہار کے مطابق پہلی بار ۱۹۱۸ء میں چھپی تھی۔ ان کے علاوہ اس سلسلے کی درج ذیل کتابیں بھی شائع ہوئی تھیں:

۱۴۔ شاہی طالبعلم یا عدم تعاون۔ بعد میں یہ ویر راجپوت کے نام سے چھپی تھیں:

۱۵۔ شاہی بٹ مار، ۱۶۔ شاہی تپسوی ۱۷۔ شاہی ساہسی

۱۸۔ شاہی سوراجیہ ۱۹۔ شاہی بھگتی

فہرست [۱۸] میں اس سلسلے کی ان کتابوں کا نام بھی ملتا ہے۔

۲۰۔ شاہی راہزن۔ ۲۱ شاہی سورما۔ ۲۲۔ شاہی فیاضی

ایک اقتباس سے گمان ہوتا ہے کہ شاید اس سلسلے کی کوئی کتاب شاہی فرمان کے نام سے بھی رہی ہوگی۔

بہر نوع ان کی تعداد موجودہ معلومات کے مطابق پینتیس تو کیا پچیس تک بھی نہیں پہنچتی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ان کتابوں کا الگ الگ لیکن اختصار کے ساتھ تعارف کرایا جاتا ہے۔

۱۔ شاہی لکڑہارا:

اس ناول کے تعارف میں شیوبرت لال نے لکھا ہے کہ:

"[۱۹] مکرمی منشی سورج نرائن صاحب مہر دہلوی کے بار بار اصرار پر میں نے

ایک مرتبہ شاہی لکڑہارا نامی ناول لکھا جس کے پلاٹ کو میں خود اس قدر پسند نہیں کرتا ہوں۔ وہ ایک پرانا عورتوں کا قصہ تھا مگر کسی طرح لکھ لیا گیا تھا۔ ملک میں وہ اس قدر مقبول عام ہوا کہ پانچ مرتبہ بیشتر تعداد میں چھپا اور لوگ ہاتھوں ہاتھ لے گئے اور اب بھی اسی طرح اس کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے۔ جنھوں نے اس کو پڑھا ہے وہ مجھ سے دوسرے ناول لکھنے کو کہا کرتے ہیں"۔

بتایا گیا ہے کہ یہ ناول کسی گجراتی ناٹک کی بنیاد پر تین حصوں میں مکمل کیا گیا تھا اور پہلی بار منشی گوری شنکر لال اختر کے رسالہ ناول میگزین لاہور کے سلسلہ ۱، ۲، ۳، میں چھپا تھا اور اس کا دیباچہ مصنف نے ۲۰ مارچ ۱۹۱۳ء میں دفتر سنت سندیش لاہور میں لکھا تھا۔ اس کے بارے میں مصنف کا بیان ہے کہ:

"امریکہ کی سیر سے واپس آ رہا تھا۔ ہانگ کانگ میں جہاز بدلا گیا۔ سکنڈ کلاس میں پنڈت کاشی ناتھ شرما بنارس نواسی بھی تھے۔ انھوں نے میری فرمائش پر یہ قصہ سنایا۔ لاہور پہنچ کر یہ قصہ میں نے پنڈت کرم چند جی کو لکھوا دیا۔ اس کا کچھ حصہ پہلے مارتنڈ میں چھپا تھا۔ میں اردو کے ذریعہ ہندی زبان کی اشاعت کرنا چاہتا ہوں۔ میری زبان کھچڑی ہے جس میں ہندی، سنسکرت کے لفظ بہ کثرت آتے ہیں۔ یہ میں جان بوجھ کر کرتا ہوں تاکہ ہندی کے لفظ پڑھنے والوں کی زبان پر چڑھ جائیں۔"

اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں دیباچہ صفحہ ۳ سے ۶ تک اور اصل ناول تین حصوں (سینتیس ابواب) میں صفحہ ۸ سے ۳۰۶ تک ہے۔ ہر صفحہ پر اکیس سطریں ہیں۔ یہ ایڈیشن آریہ اسٹیم پریس لاہور میں چھپا تھا اور پبلشر بابو رام پرشاد تھے۔ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کے اشتہار میں اس کی بعض خوبیوں کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

"شاہی لکڑہارا ایک نہایت ہی دلچسپ، دلآویز، پُراثر و رقت آمیز ناول۔ گیان سمجھ میں نہیں آتا۔ دھیان کی باتوں سے دل کوسوں دور بھاگتا ہے۔ بھگتی کی کس کو قدر ہے۔ ہمارا شاہی لکڑہارا فلاسفی کے خشک مسئلوں کو دلکش،

دلچسپ اور دلپسند پیرایہ میں سناتا ہے۔ جہاں رقت کے مضامین آتے ہیں، آپ منہ پر رومال رکھ کر سسکتے نظر آئیں گے۔ جہاں ویراگ کا بیان ہے دنیا کی اصلی شکل نظر آتی ہے۔ رزم کے میدان میں تماشوں کو دیکھ کر دل میں شجاعت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ بزم کے نظارے اس طرح دکھائے گئے ہیں کہ ناظرین ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بن جاتے ہیں۔ اخلاقی تعلیم کا موثر خاکہ، روحانیت کے سبق کا باثر معلم، سوسائٹی کے حالات دکھانے کا زوردار شیشہ ...... یہ تیسرا ایڈیشن ہے"۔

ایک دوسرے اشتہار میں گوری شنکر لال اختر نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"[۲۱] بابو شیو برت لال صاحب ورمن ایم اے کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کی تصانیف نہ صرف ہمدرد اور اخلاق آموز دوست کا کام دیتی ہیں بلکہ جہاں تک ہمارا اپنا اور دوسرے اصحاب کا خیال ہے وہ نصیحت آموز معلم کے فرائض بھی ادا کرتی ہیں۔ آدمی اگر صحبت اختیار کرے تو اچھے لوگوں کی اور علم کا طالب اور شائق اگر کسی قسم کی کتابوں سے تعلق پیدا کرے تو صرف اچھی اور منتخب کتابوں سے کام رکھے۔ اس ناول خوانی کے زمانہ میں ناول اور فسانوں کی بھرمار ہے مگر ان میں اچھی تصانیف صرف انگلیوں پر گنی جاسکتی ہیں۔ اس قسم کے بہترین ناولوں میں ایک شاہی لکڑہارا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں چار مرتبہ چھپا۔ اب پانچویں ایڈیشن کی تیاری ہورہی ہے"۔

ایک اور اشتہار میں اس کے مطالب کی نشاندہی ان لفظوں میں کی گئی ہے:

"[۲۲] شاہی لکڑہارا جودھپور کے ایک راجکمار کی زندگی کے نشیب و فراز۔ اس کی بیوی وشواس اور عصمت کا پیکر۔ نیکی بدی کے انجام کا موثر خاکہ۔ کرم یوگ کی اعلا ترین مثال۔ اس قدر مقبول عام ہے کہ اس کا نواں ایڈیشن چھپ رہا ہے"۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مختلف ایڈیشنوں میں منشی گوری شنکر لال اختر اپنے طور پر کاٹ چھانٹ کرتے رہے ہیں چنانچہ ایک اشتہار میں کہا گیا ہے کہ:

''شاہی [۲۲] لکڑہارا نامی مشہور و معروف اور ہر دلعزیز دلچسپ ناول کا ترجمہ، ایڈیٹر شیو شمبھو (منشی گوری شنکر لال اختر) نے نہایت ہی صحت اور صفائی کے ساتھ سرل بھاشا میں کیا ہے۔ عورتوں کے خصوصا کام کی چیز ہے''۔

۱۹۲۱ء کا ایڈیشن ۲۰۶ صفحوں پر اور ۱۹۲۳ء کا ۲۰۷ صفحوں پر چھپا تھا۔ ان میں کتاب تین حصوں میں منقسم نہیں رہ گئی تھی۔ ابواب کی تعداد میں بھی کمی آ گئی تھی، یعنی ان میں کل چھتیس پر کرن (ابواب) رہ گئے تھے۔ شاہی لکڑہارا کی مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے شیو برت لال نے ناول آبدار موتی کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ:

''شروع سے لیکر اب تک اس کتاب کی ایک لاکھ کاپیوں سے کم نہ چھپی ہو نگی''

ظاہر اً تعداد کے اس بیان میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ پانچویں ایڈیشن میں مذکور ہے کہ:

''پہلی دفعہ یہ ایک ہزار چھپا...... دوسری مرتبہ ڈھائی ہزار جلدیں چھاپی گئیں ...... تیسری بار ڈیڑھ ہزار چھپا...... اردو ناولوں میں پنڈت رتن ناتھ سرشار مرحوم کو اس قدر ہر دلعزیزی کا رتبہ حاصل نہیں ہوا اور نہ کوئی ناول اس قدر جلد جلد اردو میں چھاپا گیا''

اس مقام پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ فسانۂ آزاد اپنی ضخامت کی وجہ سے بار بار نہیں چھاپا گیا۔ شاہی لکڑہارا کے نویں ایڈیشن تک کے چھپنے کا ذکر ملتا ہے۔ ہندی میں بھی یہ کم سے کم تین بار چھپا تھا۔ ایک عقیدتمند نے لکھا ہے کہ ''اردو ہندی میں اس کے اکیس سے بھی زیادہ ایڈیشن نکلے تھے'' لیکن اس بیان کی صحت بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی۔

شاہی لکڑہارا کہنے کو ایک ناول ہے لیکن مصنف نے اس میں اپنے فلسفیانہ خیالات تفصیل کے ساتھ پیش کیے ہیں۔ گیان دھیان کی باتوں کے باوجود اس کتاب

کا غیر معمولی طور پر مقبول ہونا بڑی بات ہے اور اس پر مصنف کا فخر بجا ہے۔

وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں متکلم (بولتی ہوئی) فلموں کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ جینت پکچرس، دادر، بمبئی اس وقت کی ایک معیاری فلم ساز کمپنی تھی۔ اس نے شاہی لکڑہارا کی کہانی کو فلمانے کے لئے پسند کیا اور ۱۹۳۳ء کے اختتام تک غالباً وہ فلم تیار ہو گئی تھی چنانچہ گوری شنکر لال اختر نے اپنے رسالے مان سرور میں اس کا اشتہار شائع کیا تھا، اس طرح :

"۴۴ شاہی لکڑہارا : ۱۹۳۳ء کا بہترین فلم"

جس میں : افسانہ: مہرشی شیوبرت لال ورمن اے ایم

مس زہرہ، لاہور والی	خاص پارٹ	مکالمہ و	منشی گوری شنکر لال اختر و
اس تارا، بنارس والی	کر رہے	گانے	منشی شیام
ماروتی راؤ، مسٹر لونگیا	ہیں		

جینت پکچرس ، موزباغ ، دادر ، بمبئی۔"

"۴۴ فلمی خبریں" کے تحت بھی اسی شمارے میں اس فلم کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ :

"کمپنی والے اس فلم کو ہر لحاظ سے کامیاب بنانے کی انتہائی کوششوں میں ہیں۔"

مان سرور کے فروری ۱۹۳۴ء کے شمارے میں اس فلم کے ایک سین کی تصویر بھی شائع کی گئی ہے۔

۲۔ شاہی بھگتنی :

شاہی سلسلے کے جو ناول شیوبرت لال کے رسالہ وگیانی میں شائع ہوئے تھے ان میں شاہی بھگتنی سب سے پہلا ہے۔ یہ جنوری سے اپریل ۱۹۱۵ء تک کے وگیانی کے چار شماروں میں پہلی بار چھپا تھا چنانچہ اس کے ناشر لاجپت رائے ساہنی نے اپنے چند سطری دیباچے میں اس کا ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ :

"اس تواریخی ناول کے کئی باب وگیانی نامی رسالہ میں نکلے۔ عام طور پر پبلک نے ان کو پسند کیا مگر افسوس ہے کہ وہ تمام وکمال اس میں نہ نکل سکے۔ اس کے علاحدہ کتابی شکل میں چھپوانے کے لئے سینکڑوں خط آئے۔ ہم نے اپنے طور پر مصنف سے اس کے پورے کردینے کی درخواست کی۔ شکر ہے کہ اب یہ کتاب کی صورت میں نذر کی جارہی ہے۔ اس کے مطالعہ سے بدھ دھرم کی اشاعت کے متعلق نئے نئے خیالات ملیں گے۔ بودھ بھکشو نہ کسی کے دھرم کا کھنڈن کرتے تھے اور نہ کبھی کسی کو برا بھلا کہتے تھے وہ اپنی زندگیوں کو سچائی کے سانچے میں ڈھال کر اپنی مثال دکھا کر اوروں کے دلوں میں دھرم کا پیار پیدا کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ وہ تھوڑے ہی دنوں میں تمام دنیا کا عالمگیر مذہب ہو گیا۔"

یہ ناول پانچ حصوں اور اکیس ابواب میں منقسم ہے۔ قصہ کا ہیرو اجات شترو ہے، جو اجودھیا کا حکمراں تھا لیکن اس میں سب سے اہم اور بنیادی کردار سنگھ کا ہے جو راجا کا نہایت وفادار خدمتگار ہے۔ راجا کی تیسری بیوی چندر بھاگا اس ناول کی ہیروئن ہے لیکن فی الواقع یہ پہلی رانی کے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کی مظلومی کی کہانی ہے، جس میں مصنف نے اپنے خیالات اور نقطۂ نظر کو بہت تفصیل سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بیشتر مقاموں پر یہ قصہ کے بجائے مذہبی تلقین کی کتاب معلوم ہونے لگتا ہے۔ بعض مقاموں پر مصنف کا شوقِ تلقین غیر معمولی حد تک طول پکڑ لیتا ہے۔ اس صورت حال کا کہیں کہیں اسے خود بھی احساس ہو جاتا ہے مثلاً ایک موقع پر لکھا ہے کہ :

"یوں تو پرمارتھ کی درشٹی سے کاش کا کا اور بھی ارتھ ہے مگر اس ناول میں ہم کیا بیان کریں۔ پڑھنے والے ہماری وگیان کرشناین نامی کتاب کو پڑھکر اپنی تشفی کرلیں۔"[۲۵]

اسی طرح لنکا کی مہابودھی سوسائٹی وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ اس قسم کی تفصیلات لکھ کر مصنف نے چند صفحوں کی کہانی کو ڈیڑھ سو صفحوں پر پھیلادیا ہے۔ یہ تو صحیح ہے

کہ یہ کتاب مصنف کے خیالوں اور اس کی فراہم کردہ معلومات کا ذخیرہ بن گئی ہے لیکن اس کی افادیت بہت کم ہو گئی ہے۔ اس میں نہ تو قصہ یا ناول والی کیفیت باقی رہ گئی ہے اور نہ اب اسے مذہب یا تاریخ کی کتاب ہی کہا جا سکتا ہے۔

ناول شاہی بھگتنی پنجابی پریس لاہور میں ۱۹۲۳ء میں ۱۵۲ صفحوں پر چھپ کر شائع ہوا تھا۔

۳۔ شاہی بھکاری :

یہ شاہی سلسلہ کی ساتویں کتاب ہے اور اس کے اندرونی سرورق پر مندرجہ ذیل تعارفی عبارت لکھی ہے :

"ہندو بھگتوں کے سلسلہ کی کہانیاں نمبر ۱ سنت امرت بانی کا سلسلہ نمبر ۲
ناول شاہی بھکاری یعنی
راجہ چندر ہاس ایشور کے سچے بھگت کی پر از واقعات زندگی، جس میں تسلیم و رضا اور مالک کے اوپر بھروسہ کرنے اور متوکل فی اللہ رہنے کے کئی مؤثر، مفید، دلچسپ اور دلنشیں سبق ملتے ہیں"۔

اس کتاب کو بھی لاجپت رائے اینڈ سنز، تاجران کتب، لاہور نے ۱۹۲۸ء میں گیلانی الیکٹرک پریس، لاہور میں ۲۰۸ صفحوں پر چھپوا کر شائع کیا تھا۔

سنت امرت بانی کے سلسلے میں ہونے کی وجہ سے غالب گمان ہے کہ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء میں چھپی ہو گی۔ مصنف نے شروع میں چار صفحوں سے زائد کا تفصیلی دیباچہ لکھا ہے۔ اس کا ضروری اختصار اس طرح ہے:

"مکرمی منشی سورج نرائن صاحب مہر دہلوی اور عزیز گوری شنکر لال صاحب اختر ایڈیٹر شیو شمبھو کے پاس خاطر سے میں نے قلم اٹھائی اور شاہی سلسلہ کا یہ ناول برے بھلے طریقہ میں جس طرح ہو سکا لکھ ڈالا۔ یہ بھی ایک پرانا قصہ ہے۔ چندر ہاس بھگت تھا۔ ایشور پر اس کو پورا وشواس تھا اور اگر اس کے پڑھنے سے کسی میں ذرا بھی مالک کی بھگتی پیدا ہوئی تو میں اپنی محنت کو سپھل سمجھونگا۔

...... یہ ساتویں کتاب ہے۔ مشکل تو یہ ہے کہ میری بھگتی کے متعلق تحریروں کو بہت کم آدمی پڑھتے ہیں۔ اس وجہ سے مجبوراً انھیں دونوں باتوں کو ناول کے پیرایہ میں پیش کرنا لازمی سمجھتا ہوں۔"

کتاب پانچ حصوں میں مکمل ہوئی اور ہر حصے میں ابواب کی تعداد حسب تفصیل ذیل ہے:

پہلے حصہ میں: پانچ ابواب دوسرے حصہ میں آٹھ ابواب

تیسرے حصہ میں: سترہ ابواب چوتھے حصہ میں سات ابواب

پانچویں حصہ میں: دس ابواب

قصہ اس طرح ہے

"چندرہاس انگ دیس کے راجہ کا بیٹا تھا جس کے ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں اس لئے اسے منحوس قرار دیکر پرورش کے لئے ایک غریب عورت کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور وہ اسے پردیس میں لے جاکر پالتی ہے۔ مرتے وقت وہ عورت اس راجکمار کو ایک رشی کے سپرد کر دیتی ہے۔ رشی جہاں جاتے اس کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ ایک دن راجا کنتل رائے کے دیوان درشٹ بدھی نے اس رشی سے پوچھا کہ میری بیٹی کی شادی کس کے ساتھ ہوگی۔ رشی نے جواب دیا کہ چندرہاس کے ساتھ ہوگی اور اس کا پورا تعارف کرانے کے بعد دیوان کے سامنے اسے پیش بھی کر دیا۔ دیوان کو رشی کی یہ پیشین گوئی پسند نہ آئی اور اس نے چندرہاس کو قتل کر دینے کی سازش کی لیکن قسمت نے چندرہاس کو پنچال دیس پہنچا دیا اور اس کی وہاں کے راجا کے محل میں پرورش ہوئی۔ کئی برس کے بعد دیوان درشٹ بدھی اپنے راجا کا خط لیکر پنچال دیس پہنچا۔ اور چندرہاس کے توسط سے اسے وہاں کے راجا کی خدمت میں باریابی حاصل ہوئی۔ راجا نے اسے ایک خط دیا لیکن دیوان نے راجا کے اس خط کے ساتھ اپنا بھی ایک خط لکھ کر چندرہاس کو دیا کہ اسے فوراً ودربھ دیس پہنچا دے۔ چندرہاس وہاں پہنچ کر ایک باغ

میں اترا۔ نیند آگئی۔ اسی دوران دیوان درشٹ بدھی کی بیٹی وشا پہنچی۔ اس نے اس نوجوان کا حال معلوم کرنے کے لئے تلاشی لی، تو اسے دیوان کا وہ خط مل گیا جس میں اس نے اپنے بیٹے کو تاکید کی تھی کہ چندرہاس کو فوراً وِش (زہر) دیدیا جائے۔ اس نے وش کو وشا بنادیا، اور خط کو پھر اسی جگہ رکھ دیا۔ چندرہاس نے بیدار ہونے کے بعد وہ خط دیوان کے بیٹے کے پاس پہنچادیا۔ اس نے چندرہاس کو نہلا دھلا کر فوراً اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں وشا کی شادی چندرہاس کے ساتھ کردی۔ دوسرے دن راجا کنتل رائے نے اسے طلب کیا۔ چندرہاس نے اسے اپنے راجا کا خط پیش کیا اور بتایا کہ میں اس راجا کا بیٹا ہوں۔ اس طرح رشی کی پیشین گوئی کے مطابق آخر کار چندرہاس وِدربھ نگر پنچال دیس اور انگ دیس کا راجا ہو گیا"۔

قصہ دلچسپ ہے۔ مکالمے بھی اچھے ہیں اور ضمناً کہیں کہیں اشعار سے بیان میں رنگینی پیدا کرنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔

۴۔ شاہی پتی پرائن :

اشتہاروں میں اس ناول کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

"[۲۶] پتی پرائن ہندو دھرم کی ایک نیک سیرت راجپوت استری کی جو گجرات کی رانی تھی پرسوز سبق آموز داستان اور پتی برت کی جیتی جاگتی تصویر"

دیباچے میں مصنف نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"یہ قصہ نیا نہیں ہے، گجرات کے رہنے والوں کے کان اس سے آشنا ہیں۔ بغیر دنیاوی مثال کے سچے پریم کا مضمون لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیگا۔"

یہ قصہ بھی دوبار سے زائد چھپا تھا۔ ہمارے سامنے اس کا جو ایڈیشن ہے وہ میسرز رام وتہ مل اینڈ سنز لاہور نے اسٹیم پریس لکھنؤ میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس میں صفحہ ۳ سے ۶ تک دیباچہ ہے اور صفحہ ۷ سے ۱۲ تک چار حصوں میں قصہ مکمل ہوا ہے۔ ان چاروں

حصوں میں کل بیس ابواب ہیں۔

۵۔ شاہی ڈاکو :

اسی کتاب میں شامل فہرست کتب میں اس کے تعارف میں درج ذیل عبارت لکھی گئی ہے :

"شاہی ڈاکو: ایک دلاویز لاثانی تاریخی ناول۔ بوندی راج کے بانی کے پولیٹکل ڈاکے۔ وطن کی محبت، مصیبت کے وقت آزادی قائم رکھنے کی ہمت بخش داستان۔ بہ لحاظ رنگینی اور زیبائی عبارت دلکش ہے"۔

ہمارے پیش نظر اس کا پانچواں ایڈیشن ہے جو میسرز لالہ رام دتہ مل اینڈ سنز لاہور نے جون ۱۹۳۳ء میں ایک ہزار کی تعداد میں چھپوایا تھا۔ اندرونی سرورق پر اسے ایک دلچسپ تاریخی ناول کہا گیا ہے۔ شروع میں منگلا چرن کے عنوان سے پانچ شعروں پر مشتمل بنتی اور پرارتھنا ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۵، ۶ پر مصنف کا ۳۰ ر مئی ۱۹۱۸ء کا لکھا ہوا دیباچہ ہے۔ اس میں مصنف نے پہلے ناول اور تاریخ کے فرق کی وضاحت کی ہے۔ لکھا ہے :

"شاہی ڈاکو تواریخی ناول ہے۔ ناول اور تاریخ میں فرق ہوتا ہے۔ مورخ کو سچے صحیح اور صاف صاف واقعات کے بیان کرنے کی مجبوری رہتی ہے مگر ناول نویس اس قسم کی قیدوبند سے آزاد ہے۔ مورخ کو اجازت نہیں ہے کہ وہ تواریخ لکھتے ہوئے اس میں اپنے خیالات کو شامل کرے مگر ناول نویس کو آزادی ہے کہ چاہے اس کی کتاب کے ہیر اور ہیر انگنائیں وغیرہ تواریخی ہی کیوں نہ ہوں وہ ان کے خط وخال کو اپنے خیالات کے موافق کھینچ سکتا ہے اور جس طرح چاہے اس طرح اپنے مافی الضمیر کو دوسروں کے ذہن نشین کراوے۔ ہاں ناول میں ایک خوبی ہونی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ حتی الامکان اپنے قصے کے زمانے کی مجلسی تصویر کھینچے، طرز معاشرت کے نقشے دکھلائے اور مخصوص وقت کے مخصوص جذبات اور خیالات کے ظاہر کرنے میں دریغ اور قصور نہ کرے

اور یہ بات آسان نہیں ہے بلکہ بہت مشکل ہے۔"

اس ناول کے قصے کے تعارف میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کا اختصار اس طرح ہے:

"جس وقت کا یہ قصہ ہے اس وقت راجپوتوں میں خاص قسم کی اولوالعزمیاں تھیں۔ جس وقت دہلی اور قنوج کی سلطنتیں شہاب الدین غوری کے حملوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئیں چوہان اور راٹھور وغیرہ راجپوت قوموں نے اپنی وطن کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا اور راجستھان کے ریگستانوں کو اپنی کوششوں کا مرکز قرار دیا۔ مغربی حملہ آوروں کی دار و گیر سے مجبور ہو کر نئے انداز سے اپنے نئے نئے حوصلوں کو عملی جامہ پہنانے کا اہتمام کچھ ایسی صورت میں کیا جس پر آج ہم سب فخر کرتے ہیں اور اپنی قومی تواریخ کا اس کو جزو اعظم سمجھتے ہیں ...... یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کے ہر نیک و بد کا پیمانہ صرف اس کی نیت ہو سکتی ہے۔ اس قصہ کا شاہی ڈاکو اپنے عہد میں نہایت اولوالعزم انسان تھا۔ افسوس ہے تواریخ نویسوں نے اس کے حالات فراہم کرنے میں سعی بلیغہ سے کام نہیں لیا۔ تاہم جو روایتیں پشتہا پشت سے ہم تک پہنچی ہیں ...... ان سے کام لیکر ہم اس کو اپنے طور پر بیان کرتے ہیں ......"

ان اقتباسات سے یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہے کہ قصہ کی بنیاد روایتوں پر ہے اور مصنف نے ناول نویس کی حیثیت سے اس قصہ کو اپنے مافی الضمیر کے پیش کرنے کا ذریعہ بنایا ہے چنانچہ پہلے باب میں زندگی کے بارے میں اپنے تصورات کو قلمبند کرنے کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ :

"یہ خیال ہمارے راجپوت نوجوان کے دل میں پیدا ہوئے تو وہ پہاڑوں کا ڈاکو ہو گیا۔"

اس نوجوان کا نام رائے دیوا بتایا گیا ہے جو سکندر لودھی کا معاصر رائے بنگو کا بیٹا اور
ہراوتی کا راجا ہے۔ دوسرے باب میں باپ بیٹے کی گفتگو نقل کی ہے۔ سکندر لودھی
رائے دیوا کو اپنے دربار میں بلا کر امیروں میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ رائے دیوا سکندر کے
اس خیال کے بارے میں اپنے باپ سے کہتا ہے کہ :

"میں ڈاکو مشہور ہو گیا ہوں لیکن میں نے آج تک کسی غریب کو نہیں ستایا،
نہ کسی کی جان لی...... اس عمل سے ہراوتی کی عملداری بڑھا رہا ہوں۔ سکندر
لودھی مجھے باز نہیں رکھ سکتا"۔

آخر میں باپ یعنی بنگو یہ طے کرتا ہے کہ رائے دیوا اپنے بیٹے ہرراج کو سنگھاسن دیکر خود
دہلی چلا جائے۔ یہاں رائے بنگو ہراوتی کی حفاظت اور نگرانی کرتا رہے گا۔ رائے
دیوا دہلی کے لئے روانہ ہوا۔ راستہ میں اس کی ملاقات رتن گڑھ کے راجا بیسل دیو سے
ہوتی ہے جو سکندر لودھی کے بارے میں کہتا ہے کہ :

"اس نے پنجاب کے کھتریوں کو لالچ دیکر اپنا گرویدہ بنا لیا اور اب کایستھوں
کو فارسی پڑھنے کا شوق دلا کر ہندو سلطنت کے ایک بہت بڑے رکن کو اپنی
طرف کر لیا۔ اس نے برہمنوں کو بھی بہکا کر ویدوں کے حصوں میں اللہ
اور محمد تک کے نام داخل کر دئے۔"

وہ رائے دیوا سے یہ بھی کہتا ہے کہ :

"میں نے عہد کیا ہے کہ جو شخص مجھے جائز یا ناجائز طریقہ سے رتن گڑھ واپس
دلائیگا میں اپنی لڑکی درگاوتی صرف اسی کو دونگا"۔

اس کہانی کی بنیاد کرنل ٹاڈ کی تصنیف راجستھان کے مندرجات پر ہے اور یہ بات بار بار
کہی گئی ہے کہ :

"سکندر مدبر اور عقلمند بادشاہ ضرور تھا مگر متعصب بھی تھا۔"

ظاہر ہے کہ یہ سب خیال مصنف کے ہیں۔ وہ ناول کے کرداروں سے اپنی ذاتی رائیں منسوب کرتا اور قاری کے سامنے ایسا مواد پیش کرتا چلا جاتا ہے جس سے خود اس کے ما فی الضمیر کو سمجھنا اور اس کے انداز فکر کے بارے میں رائے قائم کر لینا آسان ہو جاتا ہے۔

قصے میں مذکور ہے کہ رائے دیوا سکندر کے دربار میں پہنچ کر رہنے لگا لیکن اسے بیسل دیو کی بات اکثر یاد آتی تھی۔ اس کی صورت اس طرح پیدا ہوئی کہ ہراوتی کے قریب کیکر کے قلعہ پر جو پٹھان قابض تھے وہ خود مختار ہو گئے تھے۔ بادشاہ نے ان کی سرکوبی کے لئے رائے دیوا کو روانہ کیا۔ اس معرکے کو سر کرنے کے بعد رائے دیوا نے رتن گڑھ کے قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ وہاں کے قلعہ دار کو اپنا بھائی بنا کر اس سے قلعہ خالی کرا لیا لیکن اسی دوران بیسل دیو دہلی جا چکا تھا۔ دہلی پہنچ کر رائے دیو نے بیسل دیو کو رتن گڑھ بھیج دیا اور خود بھی وہاں سے فرار ہو کر رتن گڑھ ہوتا ہوا ایک غیر آباد مقام بوندائل میں مقیم ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد جب یہ مقام بوندی کے نام سے آباد ہو گیا تو کبیر صاحب وہاں پہنچے۔ ان کی موجودگی میں رائے دیوا نے رتن گڑھ سے اپنے بیٹے سمرسی کو طلب کر کے کہا کہ :

"تیرا بڑا بھائی ہر راج بمودا کا راجا بنایا گیا۔ آج سے تو بوندی کا راجا بنایا جاتا ہے۔"

کبیر صاحب اس کا راج تلک کر کے کاشی چلے گئے اور رائے دیوا درگاوتی کو لیکر قریب کے ایک گاؤں میں چلا گیا اور وہیں فقیرانہ زندگی بسر کر کے دونوں مر گئے۔

اس کہانی میں اگرچہ سکندر لودھی اور کبیر وغیرہ کے نام آتے ہیں لیکن واقعات عموماً خیالی ہیں اور شیو برت لال کے مافی الضمیر کے مطابق ہیں۔

۶۔ شاہی بٹ مار :

اس ناول کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"بالشوازم پر دلچسپ و محققانہ بحث، ناول کے پیرایہ میں۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نئی کتاب ہے۔"

یہ جودھپور کے راجا گج کے ولیعہد امر سنگھ کا قصہ ہے اور اس میں بالشوازم کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

یہ کتاب پرکاش اسٹیم پریس لاہور میں چھپی تھی۔

۷۔ شاہی تپسوی :

اس کتاب کے بھی ایک سے زاید ایڈیشن نکلے تھے۔ ایک ایڈیشن کے پبلشر ٹھاکر داس کھتوریہ اینڈ سنز لاہور تھے۔ انھوں نے اسے پنجابی اسٹیم پریس لاہور میں ۹۸ صفحوں پر چھپوا کر شایع کیا تھا۔ دوسرا ایڈیشن جو ہمارے سامنے ہے جے اس سنت سنگھ اینڈ سنز لاہور کا ہے جو مشہور عالم پریس لاہور میں چھیانوے صفحوں پر چھپا تھا۔ مصنف نے کوئی سوا تین سطر کی تمہید لکھی ہے جس کا ماحصل یہ ہے :

"کتاب بھرت کے قصہ سے شروع ہوتی ہے۔ ابتداء مختصراً شاستروں کے مطابق ہے۔ آگے چل کر مضمون نہایت دلکش ہو گیا ہے جس سے زندگی کے رازوں اور طریقوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔"

پورا قصہ اٹھارہ عنوانوں کے تحت مکمل ہوا ہے۔ قصہ کچھ اس طرح سے ہے کہ اس ملک کے راجا رشبھ دیو کی کئی رانیاں اور سو بیٹے تھے۔ ان میں سب سے بڑا اور نیک بخت بھرت تھا۔ رشبھ دیو نے بھرت کو مہاراجا بنا کر باقی بیٹوں کو اس کے ماتحت راجا بنا دیا۔ بھرت نے پانچ شادیاں کیں اور ان سے اس کے پانچ زبردست بیٹے پیدا ہوئے۔ بھرت کے نام پر اس ملک کا نام بھارت پڑا۔ کچھ مدت تک راج کرنے کے بعد بھرت گھر سے نکل پڑا اور ایک رشی کا

چیلا ہو کر گنڈک ندی کے کنارے ریاضت میں بسر کرنے لگا۔

ایک دن ایک ہرنی نے بچہ دیا۔ ہرنی کو شیر لے گیا۔ بچہ کو لا کر بھرت نے پال لیا۔ ایک دن ہرن کا بچہ غایب ہو گیا۔ بھرت نے اس کے غم میں جان دیدی۔ آخر اس نے خود ہرن کی صورت میں جنم لیا۔ پھر وہ ہرن مر گیا اور بھرت نے انگرا رشی کے گھر میں برہمن کا جنم لیا یہاں وہ جڑ بھرت کہلانے لگا۔ رشی کے بیٹوں نے جڑ بھرت کو مخبوط الحواس سمجھکر گھر سے نکال دیا۔ اس مقام پر مصنف نے لکھا ہے کہ :

"یہ دنیا حقیقت پسندوں کو دیوانہ سمجھتی ہے۔ میرے قریبی رشتہ دار اور ہم قوم مجھے بھی پاگل اور جنونی کہتے ہیں کیونکہ میرا رخ اب دنیا کی عزت، دولت اور حکومت کی طرف نہیں ہے اور میرے پاگل ہونے میں شک ہی کیا ہے۔ نہ دین کا رہانہ دنیا کا۔ رات دن سودائیوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہوں۔ جس طرح بھرت کو جو کچھ کھانے پینے کو برا بھلا مل گیا وہ اس پر صابر اور شاکر رہا میرا بھی یہی عمل و شغل ہے۔ ہاں بھرت منی (خاموش پسند) تھا۔ میں بڑبڑاتا، بکواس کرتا اور قلم کی گھس گھس میں پڑا رہتا ہوں۔

اس قسم کے بیانوں سے شیوبرت لال کا شاید ہی کوئی ناول خالی ہو اور ظاہر ہے کہ یہ روش ناول کے لیے بہت معیوب ہے۔ بہر نوع اصل قصہ اس طرح شروع ہوتا ہے کہ :

کسی ڈاکو کو دیوی کے مندر میں آدمی کے بلدان کی ضرورت پڑی۔ اس کے آدمی بھرت کو پکڑ لے گئے۔ جس وقت پجاری نے اس کی گردن پر خنجر پھیرنا چاہا دیوی کی مورتی گری اور پجاری اس کے نیچے دب کر مر گیا۔ سب ڈاکو ڈر کر بھاگ گے۔ اتفاق سے سندھ کے راجا رہوگن کی سواری ادھر سے گذری۔ اس کا ایک کہار بیمار پڑ گیا۔ اس کی جگہ بھرت کو پکڑ لائے۔ بھرت کی محتاط رفتار سے باقی کہاروں کو پریشانی ہوئی۔ راجا نے بھرت کو ڈانٹا۔ پھر کچھ سوال جواب ہوئے۔ آخر راجا نے بھرت کی حیثیت کو پہچان لیا اور اس سے معافی طلب کی اور اس نے بھرت کو اپنا گرو بنا لیا۔ گرو نے اپنے اس چیلے کو مختلف

اُپدیش دے۔ آخر میں ڈنڈوت کر کے بھرت کی اجازت سے رہو گن اپنی منزل کی طرف چلا گیا۔

اس کتاب میں مصنف نے اکثر مقاموں پر منظوم مکالمے اور جگہ جگہ گیت، نغمے اور سُتتی وغیرہ شامل کیے ہیں۔ یہ کتاب ہندو عقاید کی تلقین پر مشتمل ہے اور اسے ناول کہنا اس کے ساتھ زیادتی ہے۔

۸۔ شاہی سوراجیہ:

شیوبرت لال ورمن ہندوستان کے لیے انگریزی راج کو بڑی نعمت سمجھتے تھے اور اس لیے کانگریس کی جدوجہد سے متفق نہیں تھے۔ کہتے تھے کہ:

"ے ۲؎ کانگریس کے افراد انگریزوں سے نفرت کرتے ہیں اس لیے قدرت کے اصول کے مطابق اس نفرت کا نتیجہ کشت و خون کی شکل میں نمودار ہوگا"

ناول شاہی سوراجیہ میں انھوں نے اپنے مخصوص نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے۔ ایک اشتہار میں اس ناول کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے۔

"۸۲؎ شاہی سوارجیہ: یہ کتاب بابو شیوبرت لال صاحب کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ اس کتاب میں قابل مصنف نے بتایا ہے کہ سوراجیہ کیا ہے اور ہر قوم کے لیے اس کا حاصل کرنا کیوں ضروری ہے۔ اس میں کیسی کیسی برکتیں ہیں۔ سوراجیہ انسانی زندگی کی اصل، خیالی اور کچی معراج ہے اور جس قوم کی دنیا میں اپنی حکومت نہیں ہے وہ ناحق دھرم کرم اور روحانیت کی ڈینگ مارتی ہے۔ بغیر سوراجیہ کے ان میں سے کسی کا بھی اہتمام نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس ہندوستان میں ایک مردہ قوم کے دل میں کس طرح سوراجیہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور کس طرح اس جذبہ کو حرکت دیکر اس قوم نے اپنے آپ کو زندہ بنایا اور اب تک بھی کسی نہ کسی حد تک زندہ اور زندہ دلوں کی تعظیم کی مستحق

ہے۔ کتاب نہایت دلچسپ ہے"

رسالہ مان سرور لاہور سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتاب جولائی ۱۹۲۸ء سے پہلے کسی وقت چھپی تھی۔

۹۔ شاہی چور:

اس کتاب کے سرورق کی عبارت اس طرح ہے:

"ناولستان کے مشہور شاہی سلسلہ کی مختصر، دلچسپ سبق آموز مگر حد درجہ کی
حیرت انگیز کہانی............شاہی چور
تکشِ شلا کے ایک قدیم فرماں روا، مہاراجا شیکھ حوج کی سینہ زوری کے
ساتھ اصل اور قیمتی ہیرے کے لیے چوری
از شیو برت لال ورمن ایم اے بہ قلم منشی گوری شنکر لال صاحب اختر
چوری میں سینہ زوری، کیا خوب داستان ہے
مطبوعہ کاشی رام پریس لاہور"

ایک صفحہ کے دیباچہ میں پہلے سات شعر لکھے ہیں۔ اس کے بعد یہ عبارت ہے:

"کئی برس ہوئے جب یہ قصہ میرے رسالہ میں نکلا تھا۔ میں بولتا گیا۔ اختر صاحب نے اسے لکھ لیا۔ کئی صاحبوں نے رائے دی کہ اسے چھوٹی کتاب کی صورت میں ترتیب دیکر محفوظ کر دیا جائے۔ تعمیل ضروری سمجھی گئی۔"

اصل قصہ صفحہ ۳ سے ۱۶ تک محیط ہے اور دس ابواب میں منقسم ہے۔ قصہ اس طرح ہے:

"جوالا پور کے راجا کنک سین کے چار بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے تین بہت خوبصورت تھیں اور چوتھی جس کا نام کوکلا تھا نہایت بد صورت اور کالی تھی۔ اتفاق سے جوالا پور میں ایک ڈاکو ریچھ اور بندروں کی فوج لیکر آیا اور اس نے پہلے ولیعہد کو گرفتار کر کے قید کر لیا۔ جب وزیر اپنا لشکر لیکر اس کے مقابلے کے لیے نکلا تو اس نے وزیر زادہ کو بھی گرفتار کرا لیا۔ وہ راجا سے اس کے قیمتی

ہیرے کا طالب تھا۔ ایک دن وہ نائی کی صورت میں وزیر کے پاس آیا۔ وزیر سے قول و قرار کے بعد اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا۔ اسے بندروں وغیرہ کی اپنی فوجیں دکھائیں۔ پھر شاہزادہ اور وزیر زادہ کو وزیر کے حوالے کرنے کے بعد خود گرفتار ہو گیا۔ وزیر نے اسے راجا کے سامنے پیش کیا۔ راجا نے اس کی بیباک گفتگو سے ناراض ہو کر اسے قید کر کے دس دن بعد پھانسی دینے کا حکم جاری کر دیا۔ قید خانے میں شہزادی کو کالا کی باندی کملا اس کے لئے کھانا وغیرہ پہنچاتی رہی۔ اس کے ہاتھ اس ڈاکو نے ایک خط اپنے ایک رفیق آنند بھکشو کے پاس بھیجا۔ دسویں دن راجا نے اسے طلب کیا۔ کسی نے راجا کے ہاتھ میں ایک خط دیا۔ راجا نے خط پڑھ کر ڈاکو کو پہچان لیا اور اسے مہاراج شسکد حوج کہکر سلام کیا اور اس کے لیے قیمتی ہیرا لانے کا حکم دیا لیکن اس نے شہزادی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ میں اس ہیرے کو لینے آیا تھا۔ راجا نے اس کے ساتھ شہزادی کی شادی کر دی اور جہیز میں وہ قیمتی ہیرا بھی دیدیا"

یہ قصہ مختصر ہے اس لیے اسے زیادہ سے زیادہ ناولٹ کہا جا سکتا ہے۔ اس کے مکالمے دلچسپ ہیں۔

۱۰۔ شاہی بھوت :

یہ بھی ناولستان سے سلسلے کی کہانی ہے اور پہلی بار رسالہ وگیانی لاہور میں چھپی تھی۔ اس کے آخر میں صفحہ ۹۰ پر یہ اشتہار ہے :

"صاحبان! وگیانی اپنا کام کر کے اس مہینہ سے رخصت ہوتا ہے۔ اس فقیر کی پھیری ہو چکی۔ اب سنت کی باری آویگی۔"

صفحہ ۴ پر اس کا دیباچہ ہے۔ اس کا خلاصہ اس طرح ہے :

"اس قصہ میں جو واقعات ہیں بالکل ہی خیالی ہیں بلکہ تواریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس قومی غدار نے اور ملکی نمک حرام نے اکبر کو چتوڑ پر چڑھائی کی

ترغیب دی اس کا نام تک کسی کو معلوم نہیں۔ ہم بھی عمداً اس کا اصل نام بتائینگے، نہ ایسے بدکار کا کوئی فرضی نام قایم کرینگے۔۔"

قصہ ختم کرنے کے بعد مصنف نے لکھا ہے:

"یہ ناپاک زندگی کی ناپاک کہانی ہے۔ کہنے والوں نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا، یا تو ایشور جانتا ہوگا یا وہ جس پر گذری ہوگی۔"

قصہ تیئیس ابواب میں منقسم ہے اور صفحہ ۵ سے ۸۸ تک پھیلا ہوا ہے۔ پورا قصہ ہیرو کی زبان سے سنایا گیا ہے اور اس کے لیے صیغہ واحد متکلم کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ اس طرح ہے:

"میں کشتریوں کے اگنی کل سے ہوں اور بُری قسمت لیکر دنیا میں آیا تھا۔ ماں باپ بچپن میں مر گئے تھے اس لئے چچا نے پرورش کی تھی۔ میں نے ان کی ایک نہیں سُنی اور ہر قسم کی اوباشیوں میں مبتلا ہو گیا۔ میری لوٹ مار کی وجہ سے ٹوڈر مل نے مجھے اور میرے سب ساتھیوں کو گرفتار کر کے اکبر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ میں نے بادشاہ سے کہا:

"یہ میرے اوزار تھے۔ اوزار کو سزا دینے سے کوئی فایدہ نہیں۔ قصور تو صاحب اوزار ہی کرتا ہے۔"

بادشاہ کو میری بات اچھی لگی۔ میرے ساتھی رہا کر دیئے گئے۔ مجھے ٹوڈر مل کے سپرد کر دیا گیا تاکہ وہ مجھے تعلیم دے۔ رہنے کو ایک اچھا محل مل گیا۔ میری تعلیم مکمل ہوئی، تو مجھے شاہی خلعت سے نوازا گیا۔ میں اپنے وطن واپس آیا۔ کچھ دن وہاں رہنے کے بعد میں نے چتوڑ کے مہارانا اودے سنگھ کے یہاں ملازمت کر لی اور وہاں کے حالات سے ٹوڈر مل کو مطلع کرتا رہا۔ اس دوران میں ایک راجپوت سردار کی بیٹی چمپاوتی کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ وہ بھی میری طرف مایل ہو گئی اور اس سے رانا کے محل کے حالات بھی مجھے معلوم ہونے لگے۔ میں نے ٹوڈر مل کو مطلع کیا کہ:

'اگر نوارتر کے دنوں میں لشکرکشی کی جاے اور سادھوؤں کے مٹھ پر قبضہ حاصل

ہو جائے تو ممکن ہے کہ رانا کمزور ہو جائے،

اکبر نے میرے کہنے کے مطابق حملہ کر دیا۔ جنگ ہوئی۔ چتوڑ کا قلعہ ختم ہو گیا لیکن رانا فرار ہو جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اکبر آگرہ واپس آگیا۔ مجھے چتوڑ کا حاکم بنا دیا۔ یہاں میں کبھی رات تک مرے ہوئے راجپوتوں کی روحوں کو دیکھتا رہا۔ انھیں میں چمپاوتی کی روح کو بھی دیکھا۔ دن میں ایک پنڈت سے ان واقعات کی توضیح اور تشریح سنتا تھا۔ آخر میں نے راجا ٹوڈر مل کے نام پوری کیفیت قلمبند کر کے خریطہ کو سر ممبر کر کے حفاظت سے رکھ دیا۔"

قصہ دلچسپ ہے بھوتوں کے تذکرے کے باوجود یہ عام انسانی زندگی کے خیالوں سے دور نہیں ہے۔ اس میں مناظر کا بیان اور مکالمے بھی اچھے ہیں۔ ضمناً کہیں کہیں منظومات بھی شامل ہیں جن سے قصہ کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔

۱۱۔ شاہی طالب علم :

یہ کتاب پہلی بار "شاہی طالب علم یا عدم تعاون" کے نام سے چھپی تھی اور اسی نام سے یہ مشہور بھی ہوئی۔ دوسری بار اس کو نراین دت سہگل اینڈ سنز لاہور نے شایع کیا تھا۔ جون جولائی ۱۹۲۵ء کے اودھوت میں اس کا اشتہار اس طرح چھپا تھا :

"عدم تعاون یعنی ایک شاہی طالب علم کا طرز عمل، ناول کے پیرایہ میں :
آج کل ہمارے ملک میں عدم تعاون کے خیالات زوروں پر ہیں۔ ملک کے ہر طبقہ کے آدمی اس کے زیر اثر آگئے ہیں۔ نان کو آپریشن کیا ہے؟ اس کا مطلب جن کی سمجھ میں آگیا ہے، وہ تو اس کی بزرگی اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور یہ جان گئے ہیں کہ یہ اوزار کس قدر مضبوط اور بے خطا ہے لیکن جنھوں نے اس کو نہیں سمجھا وہ اس ناول کے مطالعہ سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کتاب میں ایک طالب علم کی زندگی کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں جس کے دل میں پہلے پہل عدم تعاون کا جذبہ پیدا ہوا تھا اور اس نے اپنی قابلیت

کے موافق شاندار کامیابی حاصل کرلی تھی۔ عدم تعاون کیا ہے؟ اور وہ کس طرح بعض اوقات یقینی طور پر کامیابی کی صورت پیدا کرلیتا ہے؟ قابل مصنف نے اس بحث کو اس کتاب میں کچھ اس انداز سے بیان کیا ہے جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔"

اس کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"نان کو آپریشن کا اوزار دراصل اس قدر تیز اور مضبوط ہے کہ وہ کام کرنے سے کند نہیں ہوتا۔ اس ناول سے یہی بات ذہن نشین کرانا مقصود ہے۔۔ یہ اکبر کے عہد کے ایک رئیس زادہ طالب علم سادھو سنگھ کی داستان ہے جو بالآخر رتن گڑھ کا حکمراں ہوا۔"

کتاب تین حصوں اور تیس ابواب میں منقسم ہے۔ اس طرح:

پہلا حصہ: تعلیم، تلقین، درس تدریس۔ گیارہ باب صفحہ ۵ تا ۵٦

دوسرا حصہ: جدوجہد، کشمکش، محنت، ریاضت۔ دس باب صفحہ ۵۷ تا ۱۴۱

تیسرا حصہ معراج تمنا کا حصول، زندگی کا انجام۔ نو باب صفحہ ۱۴۱ تا ۱۸۹

یہ کتاب بعد میں "ویر راجپوت" کے نام سے بھی چھپی تھی۔

(ب) موتی کا سلسلہ:

ٹھاکر نند و بھائی نے شیوبرت لال کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"۹ء ممبر شی جی مہاراج نے شاہی اور موتیوں کے سلسلے کے پچاسوں اخلاقی ناول لکھ لکھ کر نوجوان طبقہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرنے سے بچالیا اور ان کے اخلاق کو ہمیشہ اونچا کرنے کا جتن کرتے رہے۔"

ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے کے ناولوں کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی ہے۔ خود ممبر شی جی کا کہنا ہے کہ:

"۳۰ء میں نے موتی کے سلسلے میں کتنے ناول لکھے، مجھے یاد نہیں۔"

اس سلسلے کے بیشتر ناول جے اس سنت سنگھ اینڈ سنز لاہور نے چھاپے تھے۔ کچھ دوسرے ناشروں نے بھی شایع کیے تھے۔ ہندی میں ان ناولوں کے ترجے سنت کاریالیہ الہ آباد سے چھپے تھے۔ کچھ شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ نے بھی چھاپے ہیں۔

ا۔ آبدار موتی :

یہ موتی کے سلسلے کا پہلا ناول ہے اور اود حوت کے سلسلے میں (جلد ۲۰، نمبر ۴ اور جلد ۳ نمبر لابت جون، جولائی ۱۹۲۵) بندے ماترم سٹیم پریس لاہور میں چھپکر شایع ہوا تھا۔ مصنف نے شکارپور (سندھ) کے قیام کے زمانے میں ۲۷۔ مارچ ۱۹۲۵ء کو اس کا دیباچہ مکمل کیا تھا۔ کتاب کے مشمولات اس طرح ہیں :

بندناپرارتھنا (منظوم)		ص ۵ تا ۶
مقدمہ		ص ۷ تا ۱۳
دیباچہ		ص ۱۴ تا ۱۶
آبدار موتی۔ پہلا حصہ	(گیارہ کلا)	ص ۱۷ تا ۹۹
دوسرا حصہ	(بارہ تا چوبیس کلا)	ص ۱۰۱ تا ۱۹۴

مقدمہ میں کئی طرح کے نصیحت آمیز مضامین قلمبند کیے ہیں۔ ان کا اختصار اس طرح ہے :

"یہ لکھنے پڑھنے کا زمانہ ہے۔ کسی کی طبیعت خارجی سائنس کے مشاہدات کی جانب مایل ہے، کسی کا خیال فلسفہ کی طرف رجوع ہے۔ میں کرم کا قایل ہوں اور کرم کر کے جب کسی خیال کو اپنا بنا لیتا ہوں تب ہی وہ قلم اور زبان کی نوک پر آتا ہے۔ میں سہل زبان اور سلیس عبارت میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔ یہ قدیم قصہ نیی زبان اور نیی عبارت اور سہل سے سہل الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد دیباچے میں ناول کے بارے میں مصنف نے اپنے خیالات قلمبند کیے ہیں،

اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ :

"دوست احباب بار بار اصرار کرتے ہیں کہ قصوں کو بند نہ کیا جائے۔ ان کے کہنے سننے پر اب یہ نیا سلسلہ پھر شروع کرتا ہوں جس کا مقصد مذہبی پیرایہ میں عملی زندگی بتانا ہے۔ ہندو ہندو پن کو سمجھیں، ہندو بنیں اور ہندو ہونے پر ناز کریں۔"

آبدار موتی میں ایک معدوم شہر کی کہانی بیان کی گیی ہے۔ اس شہر کا نام رتھ مردن تھا اور اس پر ہیم رتھ نامی راجا حکومت کرتا تھا۔ اس کے دربار میں ایک اودھوت تین آدمیوں کے ساتھ آیا۔ اس نے پانچ پانچ ہزار روپے بطور قیمت لیکر راجا کو تین نصیحتیں کیں اور وہ رقم اپنے ساتھ والے آدمیوں کو دیکر خود بھی کہیں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی کاویری کے راجا سور سندر کے پروہت نے آکر پیغام دیا کہ کاویری کی راجکماری رکمنی نے رتھ مردن کے راجکمار کنک رتھ سے شادی کا ورت رکھا ہے۔ غور و فکر کے بعد راجا نے پیغام کو منظور کر لیا اور کنک رتھ کو کاویری کے لیے روانہ کر دیا۔ اس کا گذر ایک ریگستان میں ہوا جہاں ایک شخص چند آدمیوں کے ساتھ ملا۔ اس نے کنک رتھ کے ساتھیوں کو پانی پلایا اور اس سے محبت کو بطور قیمت طلب کر کے اسے دو نصیحتیں کیں۔ کنک رتھ اور اس کے ساتھی ایک جھیل کے کنارے پہنچ کر مقیم ہوئے۔ وہاں ان لوگوں نے ایک خوبصورت لڑکی دیکھی۔ اس لڑکی کے تعاقب میں یہ لوگ ایک جینی سادھو کی کٹیا پر پہنچے جو دراصل امراوتی کا راجا ہری سین تھا اور وہ لڑکی اس کی بیٹی رشی دتا تھی۔ سادھو نے راجکمار کے بائیں ہاتھ میں بیٹی کا داہنا ہاتھ دیکر کہا: "آج سے تم جورو خاوند ہو"

اس کے بعد وہ مر گیا۔ کنک رتھ اور اس کے ساتھی کاویری کا خیال چھوڑ کر اپنے وطن کی طرف واپس ہو گئے۔ یہاں پر آبدار موتی کا پہلا حصہ ختم ہو گیا۔

دوسرے حصے کا قصہ اس طرح ہے کہ: "رکمنی کو ان حالات کا علم ہوا تو اس نے سلسا نامی ایک آدم خور عورت کو رتھ مردن بھیج دیا جس نے راجکمار اور رشی دتا دونوں کو

بہوشی کی دوا کھلا کر رشی دتا کے ہونٹوں پر خون کے دھبے لگا دیے اور چارپائی کے نیچے ایک بچے کا سر کاٹ کر ڈال دیا۔ مصنف کا بیان ہے کہ ہندوستان میں ایسے آدمی ہوتے تھے جن کو مردم خوری کی چاٹ پڑی ہوئی تھی۔ کنک رتھ کے محل میں بچوں کے سر ملنے کے واقعات ہفتہ عشرے میں رونما ہوتے رہے لیکن وہ ان کو نظر انداز کرتا رہا۔ آخر اس کی خبر راجا کو ہوئی۔ اس نے خود معاملہ کی تفتیش کی اور جب اسے رشی دتا کے پلنگ کے نیچے بچے کا سر مل گیا تو اس نے جلاد کو حکم دیا کہ اس ناپاک عورت کا منہ کالا کر کے اسے ایسے جنگل میں چھوڑ آؤ جہاں پانی نہ ملے۔ کنک رتھ قید کر دیا گیا۔ ماں باپ کی جدائی کی صدمے سے ان کا بچہ بہوش ہو گیا۔ اچانک ایک اودھوت آیا اور اس نے راجا کو صحیح صورت حال سے آگاہ کر کے کنک رتھ اور اس کے بچے کو طلب کیا۔ دونوں کو ہوش میں لایا۔ اس پر راجا کو شبہ ہوا۔ اس نے اودھوت کو گرفتار کرنے کا حکم دیا لیکن وہ فرار ہو گیا۔ ادھر رشی دتا کو ایک جتی نے اپنے یہاں پناہ دی۔ دوسرے دن اس کا منہ بولا بھائی اس کے پاس پہنچا اور اس نے بتایا کہ میں اودھوت کے بھیس میں ہیم رتھ کے دربار میں گیا تھا۔ وہاں سے تیری تلاش میں آیا ہوں۔ ادھر سلسا وہاں سے فرار ہو چکی ہے۔ رشی دتا اپنے منہ بولے بھائی کے ساتھ اپنے باپ کے مندر میں پہنچ گئی۔ اس دوران کاویری کا قاصد ہیم رتھ کے پاس پہنچا اور رکمنی سے راجکمار کی شادی کا ذکر کیا۔ راجا نے کنک رتھ کو سمجھا لیا اور وہ پھر کاویری کے سفر کے لیے آمادہ ہو گیا۔ راستے میں وہ اسی جگہ پہنچا جہاں اس کی رشی دتا کے ساتھ شادی ہوی تھی۔ وہاں رشی دتا اس کو پارساتھ کے بھیس میں ملی۔ باوجود اس کے راجکمار کا دل اس کی طرف مایل ہوا اور منت سماجت کر کے اس نے پارساتھ کو اپنے ساتھ چلنے پر راضی کر لیا۔ کاویری پہنچ کر کنک رتھ کی شادی رکمنی کے ساتھ ہو گئی۔ اتفاق سے پہلی ہی رات میں رکمنی نے رشی دتا کا ذکر چھیڑ دیا اور اس کی تصویر بھی دکھائی۔ راجکمار اس تصویر کو دیکھکر کھو گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ بات بڑھ گئی اور غصہ میں رکمنی نے یہ ذکر بھی کر دیا کہ سلسا کو اسی نے بھیجا تھا۔ یہ سُن کر راجکمار غم اور غصہ سے گویا دیوانہ ہو گیا۔ وہ رشی دتا کی تصویر لیکر وہاں

سے نکلا۔ چتا بنائی، اور اپنے ہاتھ سے آگ لگائی۔ چاہتا تھا کہ اس میں کود کر جان دے۔ اتنے میں ایک جٹادھاری بابا آیا اور اس نے کنک رتھ کو بتایا کہ تیرے ساتھ جو جوان جتی آیا ہے وہ رشی دتا کے حال سے واقف ہے۔ کنک رتھ نے پارسناتھ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں ابھی تجھ کو رشی دتا سے ملا سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے خیمہ میں گیا اور وہاں سے تھوڑی دیر بعد رشی دتا بر آمد ہوئی۔ راجکمار نے اسے گلے لگالیا۔ رشی دتا نے رکمنی کو گلے لگایا اور اپنی محبت کا واسطہ دیکر راجکمار سے اس کی خطا معاف کرادی۔ اس نے سلسا کو بھی معاف کر دیا۔ اس کے بعد جشن منایا گیا۔ اس موقع پر پھر ایک جٹادھاری بابا آیا جس نے بھجن گانے کے بعد اپنی مصنوعی جٹا اور ڈاڑھی مونچھ ہٹادی۔ سب نے اسے پہچان لیا۔ یہ رشی دتا کا منہ بولا بھائی تھا۔ یہ رشی دتا اور رکمنی وغیرہ کو کچھ ہیرے دیکر غایب ہو گیا۔

قصہ دلچسپ ہے۔ مصنف نے جگہ جگہ تعطل اور تحیر کی کیفیت پیدا کر کے اس کی دلچسپی میں بہت اضافہ کر دیا ہے۔ ایک اشتہار میں اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ :

"[۳] یہ موتیوں کے سلسلے کا سرتاج ناول اپنی مثال آپ ہے۔"

۲۔ تابدار موتی :

یہ موتی کے سلسلہ کا دوسرا ناول ہے۔ لبدار موتی کے آخر میں کتابوں کے اشتہار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی رسالہ اودھوت کے سلسلے میں شایع ہوا تھا اور غالباً جولائی ۱۹۲۵ء میں چھپ گیا تھا۔ ہمارے پیش نظر اس کا جو ایڈیشن ہے وہ رفیق عام پریس لاہور میں چھپا تھا اور اس کے ناشر جے اس سنت سنگھ اینڈ سنز تھے۔ مصنف نے اس کے دیباچے میں اختصار کے ساتھ قصے کہانی کی اہمیت، تاریخ اور قسموں کا بیان کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ :

"میں نے بار ہا چاہا کہ لوگ میری فلسفہ دانی اور مذہبی تعلیم سے فایدہ اٹھائیں لیکن پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ جب میں نے اسے قصوں کی صورت میں

تبدیل کر دیا، بڑی سہولت سے بات ان کے ذہن میں اتر گئی"

اس ناول کے واقعات کی تقسیم اس طرح ہے:

پہلا حصہ۔	پانچ کلائیں	ص ۷ تا ۵۴
دوسرا حصہ	پانچ کلائیں	ص ۵۵ تا ۹۳
تیسرا حصہ	پانچ کلائیں	ص ۹۴ تا ۱۳۳
چوتھا حصہ	چار کلائیں	ص ۱۳۴ تا ۱۵۸
پانچواں حصہ	تین کلائیں	ص ۱۵۹ تا ۱۷۱

مصنف نے اس میں جگہ جگہ منظومات شامل کر کے اس کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے۔ قصہ اس طرح ہے:

"دیوشال نگر کے راجا جے سین کی بیٹی کلاوتی مصوری اور سنگ تراشی میں کامل تھی اور اس کی بنائی ہوئی تصویریں اور مورتیں مندروں میں رکھی جاتی تھیں۔ ایک دن کلاوتی کا بھائی جے سین مندر میں گیا تو اس نے دیکھا کہ ایک مسافر ان کو بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔ مسافر نے جے سین سے کہا کہ یہ سب تصویریں اور مورتیں کسی ایک شخص کی بنائی ہوئی ہیں جو کم سن اور بے استاد ہے۔ اتفاق سے جے سین کو سانپ نے ڈس لیا۔ مسافر نے اس کا علاج کیا اور وہ اچھا ہو گیا اور دونوں میں دوستی ہو گئی۔ جے سین نے مسافر کو کلاوتی سے ملایا۔ مسافر راجا کے سامنے پیش ہوا اور اس نے اپنا نام دت بتایا۔ کلاوتی نے دت کی شاگردی اختیار کر لی" یہاں پہلا حصہ ختم ہو جاتا ہے۔

دت نے اپنے وطن میں پہنچ کر راجا شنکھ کو اپنی سیاحت اور کلاوتی کے حسن کا حال سنایا اور یہ بھی بتایا کہ جو اس کے چار سوالوں کا جواب دیگا وہ اس کو قبول کر یگی۔ شنکھ کو اس کا اشتیاق ہوا۔ دت نے کہا کہ کامیابی کی ایک ہی صورت ہے کہ " آپ بر بچر یہ کاورت دھارن کیجئے۔" اس طرح اس نے شنکھ کی اصلاح کر دی۔ شنکھ سوئمبر میں پہنچا۔ رانی کی طرف سے چار پتکیوں نے سوال کیئے جن کے جواب شنکھ کی طرف سے چار

پُھلوں نے دیئے۔ اس پر کلاوتی نے شنکھ کے گلے میں جے مالا ڈال دی۔ اس کے بعد شیوبرت لال نے ایک کلا (باب) قایم کر کے سنسکرت کی چار اصطلاحوں کی توضیح کی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ باب عام قاری کے لیے غیر دلچسپ اور غیر ضروری ہے۔ اس کے بعد کے باب میں یہ مذکور ہے کہ کلاوتی نے رانی کے بعد شنکھ کے شہر کو آراستہ کر کے اسے سندر پٹنم بنا دیا۔ اس باب میں حسن کی حقیقت سے بھی بحث کی گئی ہے اور یہیں پر دوسرا حصہ ختم ہو جاتا ہے۔ تیسرے حصے کے پہلے باب میں تولید و تناسل کے مسایل زیر بحث آئے ہیں۔ اس کے بعد پھر اصل قصہ شروع ہوتا ہے۔ اس طرح:

کلاوتی کے بھائی نے اس کے لیے ساڑی بھیجی تھی جسے پہنکر وہ بہت خوش ہوی۔ غلطی سے شنکھ نے ساڑی کو دت کا تحفہ سمجھ لیا اور اس کے لیے رانی کو سزا دینے کی ٹھان لی۔ راجا نے حکم دیا کہ رانی کو بیہوش کر کے جنگل میں لے جایا جاے۔ اس کے ہاتھ کاٹ کر راجا کی خدمت میں پیش کیے جائیں۔ جلاد جس جگہ رانی کو لیکر گئے وہاں کسی خوبصورت عورت کی لاش پڑی تھی۔ انھوں نے اس کے ہاتھ کاٹ کر ان میں رانی کے زیور پہنا دیئے۔ راجا نے ان کو دیکھکر یقین کر لیا کہ اس کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ رانی جنگل میں پناہ کی جگہ تلاش کر رہی تھی۔ اسی حال میں اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ بچے کے رونے کی آواز سنکر ایک سادھو آگیا۔ وہ ان کو اپنے آشرم میں لے گیا اور رانی بھکشوی بن کر رہنے لگی۔ یہاں تیسرا حصہ ختم ہو گیا۔

ایک دن راجا رانی کے محل میں گیا۔ اس کا صندوق کھولا۔ اس میں جسے سین کی بھیجی ہوئی ساڑی اور اس کا خط رکھا تھا جس پر رانی نے یہ لکھ دیا تھا: یہ 'خط اس کا ہے۔ جو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے۔' حقیقت سامنے آئی تو راجا کو نہایت رنج ہوا اور وہ خودکشی پر آمادہ ہو گیا۔ امراوت کے بوڑھے باپ کو لے آئے۔ اس نے راجا کو تسلی دی اور خود رانی کی تلاش میں نکل پڑا۔ ادھر راجا نے ایک خواب دیکھا جسے سنکر ایک سادھو نے کہا کہ "راجا خوش ہو جا۔ تیری رانی زندہ ہے اور اس کے لڑکا پیدا ہوا ہے"۔

پانچواں حصہ اس طرح شروع ہوتا ہے کہ دت وطن واپس آتا ہے اور راجا کے

حکم سے رانی کی تلاش میں نکلتا ہے اور بالآخر رانی تک پہنچ جاتا ہے۔ واپس آکر راجا کو خبر دیتا ہے۔ راجا اس کے ساتھ جاتا ہے۔ سادھو مورتی کے سامنے اس سے قسم لیتا ہے اور پھر رانی اور بچے کو اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ دت گھربار چھوڑ کر کسی پہاڑ پر چلا جاتا ہے۔

ایک اشتہار میں اس ناول کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

"تابدار موتی موتیوں کے سلسلہ کو روشن کرنے والا ناول' دنیا بھر کے ناولوں کی زینت شمار ہوگا۔"

ظاہر ہے کہ اس بیان میں بہت زیادہ مبالغہ ہے۔ اس میں خیالی اور ماورائی کردار بھی ہیں مصنف کے علم و عقاید سے متعلق طویل بحثیں اور بعض غیر ضروری بیانات بھی ہیں۔ بایں ہمہ قصہ میں تعطل اور تحیر کی فضا پیدا کرنے کی کوشش نے اس کو دلچسپ بنا دیا ہے۔ زبان و بیان میں سادگی کا وصف موجود ہے لیکن روز مرہ سے مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے اکثر بے لطفی پیدا ہو گیی ہے۔

۳۔ چمکدار موتی:

ہمارے پیش نظر اس ناول کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ہندوستان پریس لاہور میں چھپا تھا اور اس کے ناشر جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تھے۔ غالباً یہ ناول بھی پہلی مرتبہ ادوتوت ہی کے سلسلہ میں چھپا تھا۔ شروع میں مصنف نے ایک طویل دیباچہ لکھا ہے۔ اس میں مذکور یہ ہے کہ:

"موتی کی لڑی کے سلسلے کا یہ تیسرا ناول ہے۔ پہلے نمبر کا نام آبدار موتی دوسرے کا تابدار موتی اور اس کا نام چمکدار موتی ہے۔ اس تیسرے ناول میں مایا کا مضمون زیر بحث آیا ہے۔ اس قلمی تماشے کو دیکھکر سمجھ جاوگے کہ مایا کیا چیز ہے۔"

یہ ناول پانچ حصوں میں منقسم ہے اس طرح:

تمہیدی پرواز — صفحہ ۱ تا ۵۷

پہلا حصہ	پانچ ابواب	صفحہ ۵۷ تا ۹۴
دوسرا حصہ	چھ ابواب	صفحہ ۹۵ تا ۱۲۷
تیسرا حصہ	پانچ ابواب	صفحہ ۱۲۷ تا ۱۳۴
چوتھا حصہ	پانچ ابواب	صفحہ ۱۳۴ تا ۱۷۳
پانچواں حصہ	تین ابواب	صفحہ ۱۷۴ تا ۱۸۹

یہ قصہ خود مصنف کے وطن بنارس کا ہے اس لیے اس میں بنارس کی زبان اور طرز بیان کا اچھا نمونہ ملتا ہے۔ قصہ کا خلاصہ اس طرح ہے کہ بنارس کے محلہ چیت گنج میں ایک برہمن اور ایک راجپوت خاندان رہتا تھا۔ دونوں میں ایک ایک لڑکی تھی اور دونوں کا نام مایا تھا۔ راجپوت مایا کالی اور برہمن مایا گوری چٹی تھی۔ دونوں مایا میں بڑی دوستی تھی لیکن وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھاتی پیتی نہیں تھیں۔ بنارس میں ایک قوم کا ہندو دوسری قوم کے ہندو کا چھوا نہیں کھاتا ہے۔ دونوں کی شادی دہلی میں ہوئی۔ راجپوت مایا کا شوہر برہم سنگھ دولتمند اور گورا چٹا تھا اور رانی کملاوتی کو چاہتا تھا۔ اس نے پہلی ہی رات مایا کو ٹھکرا دیا۔ برہمن مایا نے کملاوتی سے ربط ضبط بڑھا لیا۔ کملاوتی نے برہم سنگھ کو خوب منہ لگانے کے بعد اچانک اسے بے عزتی کے ساتھ اپنے سے دور کر دیا۔ رانی اپنے وطن واپس چلی گئی اور برہم سنگھ نے اپنے ماں باپ کی اجازت سے راجپوتانہ کی سیر کا ارادہ کیا۔ عین موقع پر مایا اس کے پاس پہنچی۔ کچھ ردو کد کے بعد برہم سنگھ نے اسے اپنا لیا۔ ادھر برہمن مایا نے اپنے شوہر کو تعلیم کی طرف راغب کیا۔

اس مقام پر مصنف نے اس کی زبان سے کہلوایا ہے کہ :

> "میں تم کو صرف دو کتابیں پڑھانا چاہتی ہوں۔ ایک بابو شیو برت لال کی کبیر ساکھی دوسری گوسائیں تلسی داس کی رامائن۔"

اور پھر اپنی کتاب کی تعریف بیان کی ہے۔ یہ کام اس زمانے میں شاید شیو برت ہی کر سکتے تھے۔ ان کے زمانے کے لوگ عموماً منکسر مزاج ہوتے تھے اور اپنی تصنیفوں کا اگر ذکر کرنا ہی پڑ جاتا تھا تو محتاط انداز اختیار کرتے تھے۔

مایا کی تعلیم سے اس کا شوہر واقعی پنڈت ہو گیا اور وہ کتھا سنا کر ہزاروں روپے لانے لگا جس سے گھر کی کایا پلٹ ہو گئی۔

راجپوت مایا نے برہمن مایا کو بلا کر رانی کملاوتی کے معاملے میں مدد چاہی تھی۔ اس کی کوشش کامیاب ہوئی اور رانی نے راجپوت مایا کے شوہر کو اپنے یہاں سے نکال دیا تھا۔

ناول کے تیسرے حصے کے مختلف ابواب میں مایا اور شکتی وغیرہ کی حقیقت سے بحث کی گئی ہے جو غیر ضروری اور غیر دلچسپ ہے۔ ناول کے لئے اس قسم کی بحثیں نامناسب اور معیوب مانی گئی ہیں۔

برہم سنگھ راجستھان کی سیر کر رہا تھا کہ اس کا باپ مر گیا اس لیے اسے دہلی واپس آنا پڑا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ بہو یعنی راجپوت مایا اپنے باپ کے گھر بنارس چلی گئی ہے۔ برہم سنگھ نے اپنی ماں سے مشورہ کیا۔ طے یہ پایا کہ دہلی کی جاید اد بیچ کر بنارس میں خرید لی جائے اور وہیں رہنے لگیں۔

چوتھے حصے کے پانچویں باب میں برہم سنگھ اپنے باپ کے روح سے نرک اور سورگ وغیرہ کی حقیقت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ یہ گفتگو بھی محض قیاسی اور اس دنیائے آب و گل کے معاملات سے الگ ہے اور ناول کے لیے غیر موزوں۔

برہم سنگھ اپنی ماں کے ساتھ بنارس آگیا۔ یہاں اس کی بیوی اپنے بچے کے ساتھ اسے مل گئی۔ یہاں رانی کملاوتی بھی موجود تھیں۔ انھوں نے برہم سنگھ اور اس کی بیوی کی دہلی میں ملاقاتوں کا حال سنا کر مطمئن کیا اور پھر وہ اپنے وطن واپس چلی گئیں۔ براہمنی مایا کا خاندان بھی دہلی سے بنارس آگیا۔

ایک اشتہار میں اس ناول کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"یہ گوہر نایاب موتی کی لڑی کے درمیان کا سب سے بڑا موتی ہے۔ خدا جانے مہاتما (شیوبرت لال) جی لٹریری کمال کے کس سمندر سے اس چمکدار موتی کو نکال کر لائے ہیں۔ یہ موتی ہاتھ میں اٹھا کر بہ نظر غور مطالعہ کرو۔ جام جہاں نما کی طرح اس میں مایا کا سروپ کھلتا نظر آئیگا۔ ناول کیا ہے۔ دھرم

اخلاق کی قیمتی نصیحتوں کا نچوڑ ہے۔ بنارس و دہلی کی زبان میں جو فرق ہے، ساس و بہو کے مواد میں دیکھ لیجئے۔ مزہ آجائیگا۔"

۴۔ دمکدار موتی :

موتی کے سلسلے کا یہ چوتھا ناول ہے اس کے اشتہار میں لکھا ہے کہ :

"یہ کتاب بھی علم و گیان کا دمکدار گوہر نایاب اور بے مثل ہے۔ مہاتما شیوبرت لال جی نے دھرم و اخلاق کے علمی سمندر میں غوطہ لگا کر یہ دمکدار موتی دنیا کی آنکھوں کو خیرہ کرنے کے لئے ڈھونڈ نکالا ہے۔ رام، لکشمن، سیتا اور نرملا کا جو سروپ انھوں نے کھینچا ہے، ایشور اور جیو کیا ہے؟ ایشور اور مایا کا کیا تعلق ہے؟ مرد اور عورت میں کتنی یکسانیت ہے، یہ سب عقدے جو عمر عزیز ضایع کرنے کے باوجود انسان سے حل نہیں ہوتے، آپ ان لاینحل مسایل کو اس ناول کے تختۂ کاغذ پر بہ خوبی سلجھا ہوا پائینگے۔"

اس ناول کے ناشر بھی جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تاجران کتب لاہور تھے۔

۵۔ شاہوار موتی :

یہ موتی کے سلسلے کا پانچواں ناول ہے۔ پہلی بار یہ بھی اودھوت کے سلسلے میں چھپا تھا۔ پھر اس کو جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز لاہور نے شایع کیا تھا۔ انھوں نے اس کے اشتہار میں لکھا ہے :

"دو مصیبت زدہ روحوں کو رہنمائے ہدایت اودھوت جی مہاراج اپنے سچے اپدیش سے آنند مئے زندگی گذارنے اور بعد از مرگ موکش دھام کو پراپت کرنے کا راستہ بتا دیتے ہیں۔ سوتیلی ماتاؤں کے ظلم و جبر، والد کی بے بسی اور معصوم لڑکے ولڑکی کی حوصلہ مندی بجائے خود سبق آموز ہیں مگر اس رام کہانی کو بیان کرنے میں فاضل مصنف نے جو گوناگوں قسم کی دلچسپیاں پیدا کی ہیں ان کی تصویر زبان قلم سے کھینچنی بہت مشکل ہے۔"

اس ناول کا بھی انداز وہی ہے جو شیوبرت لال کے اس سلسلے کے دوسرے ناولوں کا ہے۔

۶۔ بھڑکدار موتی :

شیوبرت لال کی بیشتر کتابوں کے ناشر جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں میسرز دیوان چند دیارام بک سیلرز و پبلشرز لاہور نے ان کی بعض کتابوں کے "حقوق دایمی" حاصل کر لیے تھے چنانچہ اس کتاب کا جو ایڈیشن ہمارے پیش نظر ہے اس کے اندورنی سرورق پر ان کا نام لکھا ہوا ہے۔ اسی پر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب امرت الکٹرک پریس لاہور میں چھپی تھی۔ اس سرورق پر کتاب کا نام اور اس کی کیفیت اس طرح درج ہے :

"بھڑکدار موتی راجستھان کی راجپوتی طرز معاشرت کا سچا مرقع اور قدیم کھشتری جنس کی عورتوں کی خوبیوں کا دلپذیر نقشہ۔"

کتاب کے شروع میں "تمہیدی پرواز" کے عنوان سے مصنف نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"موتی بھی اپنی آب و تاب سے بھڑکتا رہتا ہے۔ اس کی خبر کسی کسی مبصر کو ہوگی۔ یہ بھڑکدار موتی ہے۔ اس ناول کی ہیرانگنا سندربائی ہے وہ کس طرح بھڑکی تھی اور کیسے بھڑک کر اس نے جاہ و جلال، جلال و جمال، نقص و کمال کے تماشے دکھاے ہیں ان باتوں کا تذکرہ ان صفحات میں ملیگا۔"

اس مقام پر شیوبرت لال نے خود کو "ایڈیٹر رمتارام لاہور" لکھا ہے۔ یہ ناول چھ حصوں میں منقسم ہے۔ اس طرح :

پہلا حصہ	پانچ باب	ص ۱۳ تا ۵۶
دوسرا حصہ	چارباب	ص ۵۷ تا ۹۲
تیسرا حصہ	چارباب	ص ۹۳ تا ۱۱۶
چوتھا حصہ	چارباب	ص ۱۱۶ تا ۱۳۳

پانچواں حصہ	پانچ باب	ص ۱۳۴ تا ۱۶۵
چھٹا حصہ	پانچ باب	ص ۱۶۵ تا ۱۸۳

قصہ کا خلاصہ اس طرح ہے:

"بخت سنگھ مارواڑ کے راجا کا رئیس اور جھالور کا حکمراں، بیماری کے سبب جودھپور کے راجا رام سنگھ کے راج تلک میں نہ جاسکا۔ اس نے اپنی جگہ مائی چندر کالا کو بھیج دیا۔ رام سنگھ نے اسے اپنی توہین سمجھ کر اپنے چچا بخت سنگھ کو سزا دینے کا اعلان کر دیا۔ بخت سنگھ کی رانی سندربائی نے راجپوتنیوں کو لڑائی پر مستعد کیا اور رام سنگھ کو خط لکھا کہ وہ اپنے توہین آمیز عمل کی تلافی کرے۔ اس خط کو رام سنگھ کے نقارچی اومیا نے پھاڑ کر اسے پیروں سے کچل دیا اور اس نے فوراً لشکر کشی کا مشورہ دیا لیکن کوشل سنگھ چمپاوت نے مزید غور و فکر کا مشورہ دیا۔ رام سنگھ کو یہ مشورہ پسند نہ آیا۔ بات بڑھ گئی اور کوشل سنگھ ناراض ہو کر چلا گیا۔ بخت سنگھ سندربائی کے کہنے سے کوشل سنگھ کو اپنے پاس لے آیا۔ ایک ایک کر کے راجپوت نوجوان رام سنگھ کو چھوڑ کر بخت سنگھ کے لشکر میں شریک ہونے لگے اور لڑکیاں سندربائی کی خدمت میں حاضر ہوئیں جن کو اس نے رام سنگھ کے سرداروں کے حالات معلوم کرنے پر مقرر کر دیا۔

رام سنگھ کی رانی نے اس کو ایک بدشگونی سے باخبر کیا۔ اس پر اس نے رانی کو بھی جلاوطن کر دیا۔ رانی کے ساتھ اس کے آدمیوں کی جمعیت بھی الگ ہو گئی۔ اسی طرح اور بھی سردار اپنی اپنی جمعیت کو لیکر رام سنگھ سے الگ ہوتے گئے۔ جنگ ہوی۔ رام سنگھ کو شکست ہوئی اور وہ جودھ پور کی طرف بھاگا یہاں آکر وہ قلعہ بند ہو گیا۔ بخت سنگھ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ سندربائی نے اپنے لوگوں کی مدد سے پھاٹک کھلوا دئے اور اس طرح قلعہ فتح ہو گیا۔ رام سنگھ فرار ہو کر اجین جا پہنچا اور مہاراجا بخت سنگھ کے نام کی جے جے ہونے لگی۔ رام سنگھ نے مرہٹوں سے مدد حاصل کر لی۔

شیوبرت لال کا کہنا ہے کہ راجپوت چھل، بل، کر تینوں سے کام لیتے ہیں چنانچہ بخت سنگھ دغا سے ہلاک کیا گیا۔ سندربائی نے اس کے غم میں جان دی۔ ان کے

بعد ان کا بیٹا وجے سنگھ تخت پر بیٹھا۔

"بھڑ کدار موتی" کو اس زمانے کے معیار کے مطابق شیو برت لال کے کامیاب تاریخی ناولوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ان کے عقاید کا بہت زیادہ پرچار اور مافوق الفطرت طاقتوں کی غیر معمولی کار فرمائی بھی نہیں ہے۔

۷۔ دلدار موتی :

اس ناول کا مختصر سا دیباچہ مصنف نے ۹ مارچ ۱۹۲۶ء کو لکھا تھا۔ اس میں کہا ہے کہ :

"نیا رنگ، نیا ڈھنگ اس ناول کو گو فرضی کہانی مان لیا جائے، یہ بالکل فرضی نہیں ہے۔ نام کا الٹ پھیر مصلحتاً ضروری ہو گیا ہے ورنہ یہ واقعات پر مبنی ہے۔ کیا کروں فرصت نہیں ہے۔ دوبارہ نظر ثانی کرنے کا بھی تو وقت نہیں ملتا۔"

اندرونی سرورق پر اس کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے :

"دلدار موتی ہندو قوم کی مجلسی حالت، قومی حیثیت اور مذہبی امتیازی صورت کا نہایت دلچسپ مرقع۔"

جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز نے "حقوق دایمی ہر زبان کے خرید کر" اسے دوسری بار ہندوستان پریس لاہور میں چھپوا کر شایع کیا تھا۔ یہ ناول سات حصوں میں مکمل ہوا ہے، اس طرح :

پہلا حصہ	پانچ باب	ص ۳ تا ۴۰
دوسرا حصہ	پانچ باب	ص ۴۱ تا ۷۶
تیسرا حصہ	پانچ باب	ص ۷۷ تا ۱۱۵
چوتھا حصہ	سات باب	ص ۱۱۶ تا ۱۶۴
پانچواں حصہ	سات باب	ص ۱۶۴ تا ۲۰۲
چھٹا حصہ	پانچ باب	ص ۲۰۲ تا ۲۱۴
ساتواں حصہ	تتمہ نمبر ۱ نمبر ۲	ص ۲۱۴ تا ۲۱۷

قصہ کا ہیرو رلی دت کا بیٹا سوم دت مرزا پور کا رہنے والا ہے۔ دھام میں اس کی ملاقات منورما نامی ایک لڑکی سے ہوئی جو شیاما نامی ایک اہیرنی کے ساتھ دھام کے قریب چھمی نامی گاؤں میں ایک جھونپڑی میں رہتی تھی۔ شیاما نے منورما کو پالا تھا۔ اس سے زیادہ منورما کو اپنے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ سوم دت منورما سے باتیں کرتا ہوا شیاما کے جھونپڑے تک پہنچ گیا۔ شیاما نے اسے آئندہ اپنے جھونپڑے میں آنے اور منورما سے بات کرنے سے منع کر دیا البتہ یہ بتادیا کہ منورما ایک برہمن کی بیٹی ہے۔

شیاما نے منورما کو بتایا کہ راجا جے چند نے نیچ ذاتوں کے سوا لاکھ آدمیوں کے گلے میں جنیوڈال کر ان کو برہمن بنادیا تھا۔ اسی طرح راجپوتانے میں کتنی ہی نیسی ذاتیں بنائی گئیں۔ جنم سے سب شودر ہوتے ہیں۔ اپنے کرم سے کوئی کشتری اور کوئی برہمن بن جاتا ہے۔

سوم دت منورما سے اپنی ملاقات کا حال اپنے باپ کو بتاتا ہے اور اپنے اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ وہ اہیرنی نہیں ہے۔ باپ بیٹے کو بتاتا ہے کہ برہمن ہونا جنم پر موقوف نہیں۔ کرم پر موقوف ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ موجودہ زمانہ کے اصلی برہمن مہاتما گاندھی ہیں۔ سوم دت باپ کی اجازت سے مرزا پور چلا گیا۔ دوسرے دن اچانک معلوم ہوا کہ شیاما اور منورما بھی کہیں چلے گئے اور ان کا جھونپڑا خالی پڑا ہے۔ ایک ہفتہ کے بعد سوم دت دھام واپس آگیا اور اس نے شیاما کے ایک پڑوسی سے ان کے بارے میں معلومات چاہیں لیکن نتیجہ صفر رہا۔

طاعون کا زور ہوا۔ یہ وبا دھام میں بھی پہنچ گئی۔ سوم دت کے بھی گلٹی نکل آئی۔ لیکن وہ تارلویوی کے علاج سے صحتیاب ہو گیا۔ ایک شخص نے خبر دی کہ شیاما اور منورما کرایہ کا مکان لیکر بندھیاچل میں رہ رہی ہیں۔ سوم دت وہاں پہنچا۔ اس کے شدید اصرار پر شیاما نے اعتراف کر لیا کہ وہ خود اور منورما بھی دونوں برہمن ہیں۔ چند روز بعد شیاما کا خط سوم دت کے نام آیا جس میں اس نے ایک مہینہ کے بعد ملاقات کرنے کی بات لکھی تھی۔ اس دوران شیاما اپنے وطن گئی۔ وہاں کے بہت سے معززین نے ایک کاغذ پر دستخط کرے کہ وہ

برہمنی ہے اور وہ کا غذا لا کر سوم دت اور ربی دت کے سامنے رکھدیا اور پھر کچھ بات چیت کر کے چلی گیی۔ اس کے جانے کے بعد ربی دت نے بیوی او بیٹے سے مشورہ کیا اور دوسرے دن دونوں کو شیاما کے یہاں شادی طے کرنے کے لیے بھیج دیا۔ شیاما اور منورما سے بات ہوی اور رشتہ طے ہو گیا اور جیٹھ کے مہینے میں سوم دت اور منورما کی شادی دھام میں ہو گئی۔

ربی دت نے سوم دت کی شادی شیاما کے ایک رشتہ کے بھای شیو نندن کی بیٹی کے ساتھ طے کی تھی اس لئے شیو نندن نے ربی دت کے خلاف عدالت میں نالش کر دی۔ عدالت میں شیو نندن کی بیوی اور ربی دت کی بہو کی طلبی ہوئی۔ شیو نندن کی بیوی نے شیاما کے پاس منورما کو کھڑے دیکھا۔ دوڑ کر اس کے گلے سے میری بیٹی، کہکر لپٹ گیی۔ شیو نندن نے شیاما سے معافی مانگی اور اس کی جاید اد بلا کسی شرط کے واپس کر کے راضی نامہ لکھوادیا۔ جج نے ڈکری بحق مدعا علیہ کا حکم جاری کیا۔ ربی دت کی بیوی نے منورما کو گلے لگا کر کہا یہ میرا دلدار موتی ہے۔

اس ناول میں کیی ضمنی کردار شیو برت لال اور ان کے رادھا سوامی دھام سے متعلق ہیں اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ قصہ ان کے زمانے کا اور وہیں کا ہوگا۔

اس قصے میں بھی جگہ جگہ ایسی تفصیلات آئی ہیں جو غیر ضروری معلوم ہوتی ہیں مثلاً ذاتوں کے وجود کی بحثیں یا عورت اور مرد کے حسن کی بحث وغیرہ۔ کیتھی رسم خط کے بارے میں مصنف نے جو لکھا ہے وہ محض ادھوری صداقت ہے۔

مصنف نے اس قصہ میں بھی تحیر اور تعطل کی فضا پیدا کر کے اسے دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے۔ بیان واقعات میں جگہ جگہ مختلف شاعروں کے اشعار بھی نقل کیے ہیں مثلاً ؎ چھیڑ خوباں سے چلی جاے اسد

؎ دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے ۔۔۔ کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے

ناشر نے اس کو بے لوث اخلاقی افسانہ کہا ہے۔

۸۔ شاندار موتی :

اس ناول کا پورا نام "شاندار موتی اور ڈاین" ہے۔ اس کے بارے میں دعوا کیا گیا ہے کہ یہ "عشق و محبت کے پردہ میں عالمِ ارواح کی حیرت انگیز سچی داستان ہے۔ اس کے اشتہار میں جو لکھا ہے اس کا ماحصل اس طرح ہے :

یہ ناول علم و ادب، فلسفہ و روحانیت اور زندہ و مردہ روحوں کے دلچسپ حالات کا وہ درِ نایاب ہے جس کا، محو حیرت بنا دینے والے، سنسنی خیز ناولوں کی دنیا میں کوئی جواب نہیں۔ ایک عورت جرایم قبیحہ میں سے گذرتی ہوئی موت کے دامن خاموشی میں سو جاتی ہے اور پھر ایک نجس روح کی صورت میں ڈاین کی فطرت پا کر ہزار نوجوانوں کو برباد کرتی ہے اور اپنے حقیقی معشوق کا خون چوسنے میں اپنی طوالت عمری کا راز پنہاں پاتی ہے۔ ڈاین کا معشوق بنارس کا ایک مشہور شاعر ہے جس کی پاکباز بیوی نے اپنے اعلا خیالات کی روحانی طاقت سے ڈاین کو جلا کر خاک کر دیا اور اپنے شوہر کو اس کے پنجہ سے بال بال بچالیا۔

کتاب طرح دار موتی میں اس ناول کا اشتہار شامل ہے جو اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ یہ کتاب اس سے پہلے لکھی گئی تھی۔

۹۔ تڑپدار موتی :

جے اس سنت سنگھ اینڈ سنز لاہور نے اس کتاب کے بھی "جملہ حقوق دایمی ہر زبان" حاصل کر لیے تھے اور انھوں نے اسے ایک سو بانوے صفحوں پر ہندوستان پریس لاہور میں چھپوا کر شایع کیا تھا۔ مصنف نے پانچ صفحوں سے زاید کا اس کا دیباچہ لکھا ہے جس میں مذکور ہے کہ :

"قصہ، کہانی، ناول، داستان لاکھ فرضی یا من گھڑت ہوں، ان کی اصلیت ہوتی ہے، کبھی واقعات کی صورت میں، کبھی خیالات کی شکل میں۔ لوگ کہتے ہیں ناولوں کی باتیں عجیب و غریب ہوتی ہیں۔ میں کہتا ہوں انسانی کرتب

عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ دونوں کی جڑ انسان کے دل میں رہتی ہے۔ کوئی علم ہے، کوئی عمل ہے۔ پرتاب میواڑ کا زبردست نجات دہندہ ہوا ہے لیکن پرتاب نہیں ہوتا اگر بھاماشاہ اس کا داہنا بازو نہ بنتا۔ اس کے حالات سے کمتر لوگ واقف ہیں۔ یہ بھاماشاہ کیا آدمی تھا۔ یہ اس ایک واقعہ سے معلوم ہوگا جو ہلدی گھاٹ کے معرکہ کے بعد کا ہے۔ امید ہے کہ جو پڑھیں گے اس سے حب الوطنی کا سبق سیکھیں گے۔"

مصنف نے اس ناول کو تین حصوں میں مکمل کیا ہے۔ قصہ کا خلاصہ اس طرح ہے۔ رتن چند بنیے کی بیٹی لکشمی مندر میں کتھا سننے کے بعد چلنے کو ہوئی تو اس کے ایک کمرے میں اس نے تین آدمیوں کی باتیں سنیں۔ وہ گھر پہنچی تو اسے باغ میں ایک سایہ نظر آیا۔ وہ بھاماشاہ تھا۔ لکشمی نے اسے اپنے کمرے میں پناہ دی۔ صبح ہونے سے پہلے اس نے بھاماشاہ کو تینوں آدمیوں کے مشورے کا حال بتا کر رخصت کیا۔ دونوں نے یادگار کے طور پر ایک دوسرے کی انگوٹھی بدل لی۔ مذکورہ تین آدمیوں میں ایک لکشمی کا سگا بھائی ساگر مل تھا اور دوسرا اس کا منگیتر نیمی ناتھ اور تیسرا ان کا ساتھی پارسناتھ تھا۔ تینوں نے مشورہ کر کے دس دن کے لیے اس کو برہما، وشنو، مہیش کے ہاتھوں اغوا کرا دیا۔ دسواں دن ہوا تو ساگر مل اور اس کے ساتھی بہت پریشان ہوئے۔ نیمی ناتھ نے ایک گوالے کو پکڑ والیا اور اس سے برہما، وشنو، مہیش، کا حال معلوم کرنے کے لیے اس کی پٹائی شروع کر دی۔ اتنے میں برہما آگیا۔ اس نے گوالے کو آزاد کر دیا لیکن غصہ میں نیمی ناتھ نے برہما کو ڈانٹنا شروع کیا۔ گوالے نے شور مچایا۔ بھیڑ جمع ہو گئی۔ شاہی پیادے ان سب کو پکڑ کر حاکم شہر کے پاس لے گئے۔ وہاں بیان ہوئے۔ کوئی گواہی نہ ملنے کی وجہ سے برہما کو باعزت بری کر دیا گیا۔ ساگر مل کے کہنے سے برہما اس کے باپ سے ملا۔ باپ نے ایک خط، لکشمی کی تصویر اور اپنی انگوٹھی اسے دیکر اس سے درخواست کی کہ کسی طرح میری بیٹی کو تلاش کر کے لا دو۔ برہما نے اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر وہ خط لکشمی کو دیا۔ اب اسے برہما کا پوری طرح اعتبار ہو گیا اور اس نے

برہما کو پوری کیفیت بتادی۔ برہما نے لکشمی کا زیور، تلواریں اور روپے اور اس کے باپ کی انگوٹھی دلا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسے پرماوتی رانی کے یہاں بھیج دیا۔ خود اسے نیند آگئی اور پارسناتھ کے آدمی سوتے میں اسے گرفتار کر کے نیمی ناتھ کے پاس لے گئے۔ اس نے برہما کے ساتھ ہر چند سختی کی لیکن اس نے کوئی بات بتا کر نہ دی۔

وشنو نے لکشمی کو پرتاب کے پاس پہنچادیا۔ اس نے اسے پوری کیفیت سنائی۔ وشنو اور مہیش اپنی ذمہ داری پوری کر کے روانہ ہوئے۔ انھیں برہما کی سانڈنی ملی۔ اس لیے وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے۔ راستہ میں انھوں نے کچھ جاسوسوں کو گرفتار کیا۔ ان میں پارسناتھ بھی تھا۔ وشنو، مہیش، نیمی ناتھ کے یہاں سے برہما کو آزاد کرا کر اس کی جگہ خود نیمی ناتھ کو قید کر کے یہ کہہ کر لے چلے کہ لکشمی کا درشن تجھے چلیکا میں ہوگا۔

پرتاب اراولی سے کوچ کر کے چلیکا کی راہ سے سندھ جانے کو تیار تھا کہ بھاما شاہ آگیا۔ اس کے اور لکشمی کے کہنے سے اس نے سفر کا ارادہ منسوخ کر دیا۔ پرتاب نے بھاما شاہ کا ہاتھ لکشمی کے ہاتھ میں دیکر انھیں دعا دی۔ اتنے میں برہما، وشنو، مہیش اپنے ساتھ رتن ناتھ، ساگر مل اور نیمی ناتھ کو لیکر آئے۔ پرتاب نے ساگر مل کی جاں بخشی کی اور نیمی ناتھ کو برہما وغیرہ کی قید میں دیدیا۔

بطور مجموعی یہ ایک اچھا ناول ہے۔ اس کے کردار بیشتر فطری اور جاندار ہیں۔ مناظر کی پیشکش بھی اچھی ہے۔ عقاید کی تلقین اور مذہبی نقشوں سے بھی یہ گرانبار نہیں ہے۔ طرحدار موتی کے اختتام پر یہ جملہ لکھا ہوا ہے:

"اسی مصنف کے قلم سے لکھا ہوا نیا ناول ترچدار موتی چھپ کر تیار ہے"۔

لیکن اس کے دیباچہ میں اس کا نام موجود ہے اس لیے گمان غالب ہے کہ یہ اس سے پہلے کا تصنیف کردہ ہے البتہ اس کی طباعت کسی قدر بعد میں مکمل ہوئی ہوگی۔

۱۰۔ طرحدار موتی:

اس کتاب کے اندرونی سرورق پر اس کا نام اس طرح تحریر کیا گیا ہے:

"طرحدار موتی۔۔ حد درجہ کا اخلاق آموز، نصیحت خیز، کارآمد اور مفید داستان جس میں نیوگ وغیرہ تک کے مسایل اصلیت کی نظر سے بیان ہوے ہیں۔"

مصنف نے اس پر دو صفحہ کا دیباچہ لکھا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے:

"ناول نویسی اس زمانے کا نادر فن ہے۔ یوروپ میں اس کی اختر ع ہوئی۔ وہاں سے اسے دوسری قوموں نے سیکھا۔ یوروپ میں سائنس اور فلسفہ تک کے مسایل ناولوں کے پیرایہ میں بہ آسانی حل کر کے سمجھاے جاتے ہیں۔ یہاں ناول نویسی تنگی کی حالت میں ہے۔ اب تک موتی کے سلسلہ کے آٹھ ناول نکل چکے ہیں۔ یہ نواں ہے۔ اب تک حسب ذیل کتابیں نکل چکی ہیں

۱۔ آبدار موتی	۲۔ تابدار موتی	۳۔ چمکدار موتی
۴۔ دمکدار موتی	۵۔ دلدار موتی	۶۔ شاہوار موتی
۷۔ شاندار موتی	۸۔ تڑپدار موتی	۹۔ طرحدار موتی

بہت سے خیالات جو ہندو سوسائٹی کو پریشان کر رہے تھے ان پر خاطر خواہ روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ ان صفحات کو پڑھ لینے سے پھر وہ خیالات دلوں کو پریشان نہ کر سکیں۔ یہ نہ مخرب اخلاق ہیں، نہ سفلی جذبات بھڑکانے والے ہیں۔"

یہ ناول دو حصوں اور کل بائیس ابواب میں منقسم ہے۔ اس کا قصہ اس طرح ہے کہ دیوکی کو جس کی عمر چون برس ہے شکایت یہ ہے کہ شادی کو پندرہ برس گذر جانے کے باوجود اس کی بہو کملا بے اولاد تھی۔ ایک روز رات کے وقت جب کملا اپنے شوہر رام لال کے ساتھ کسی تقریب سے واپس آئی، دیوکی نے ان کو طلب کیا اور کہا میں پوتا پوتی دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم سمجھو کہ سدگتی کے لیے پتر کا ہونا ضروری ہے۔

برسات کا موسم شروع ہونے سے پہلے رام لال گنگا کے کنارے پھولپور گاؤں میں گیا۔ وہاں بھروں کے سردار سے ملا۔ اس نے ایک بنیے کے گھر میں اپنا موروثی خزانہ بتا کر اسے کھودنے کی اجازت چاہی۔ رام لال نے اجازت نہ دی تو وہ یہ کہہ کر کہ

تیسرے دن گاؤں کو گنگا بہالے جائے گی، کہیں چلا گیا۔ اتفاق کی بات کہ تیسرے دن موسلادھار بارش ہوئی، گنگا میں باڑھ آئی اور وہ پورے گاؤں کو بہالے گئی۔ بنیئے کا گھر بھی گر گیا۔ کچھ مٹی کے برتن بہتے ہوئے رام لال نے بھی دیکھے جن میں سکے چمک رہے تھے۔

رام لال اپنے گھر واپس آیا۔ بوڑھی ماں نے سیلاب کا حال سنا تو رام لال کو مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کی تاکید کی اور پھر اپنی پرانی بات دہرائی کہ جو شخص اولاد پیدا نہیں کرتا وہ پتروں کا مقروض ہے۔

ایک دن دیوکی نے پھر بیٹے اور بہو کو بلایا اور سنسکرت زبان کی ایجاد کے بارے میں انھیں بتایا اور پھر یہ بتایا کہ سنسکرت زبان میں پُت ایک خاص طبقہ نرک کا ہے جس میں بے اولاد لوگوں کو ڈھکیل دیا جائے گا۔ دیوکی اپنے بیٹے اور بہو سے برابر یہی کہتی رہی کہ 'اولاد پیدا کر، اور اس کے لئے مختلف قسم کی دلیلیں پیش کرتی رہی۔ بہو اس کی باتوں سے بہت متاثر ہو جاتی ہے اور شوہر سے کہتی ہے کہ:

"میں اس نئی تہذیب کو پھوٹی آنکھوں دیکھنا تک پسند نہیں کرتی۔"

اور وہ رادھا سوامی دھام جا کر تارادیوی سے علاج کرانے کے لئے اپنے شوہر کو تیار کر لیتی ہے۔ تارادیوی بھی اولاد پیدا کرنے کی اہمیت وغیرہ سے متعلق تفصیلات بیان کرتی ہے۔ دوا کی ایک خوراک رام لال کی بیوی کو کھلاتی ہے اور پھر وہ صاحب اولاد بن جاتی ہے۔

قصہ کے آخر میں نیوگ کے موضوع پر تارادیوی کا لکچر ہے جس پر اعتراض ہوتے ہیں اور وہ ان اعتراضوں کا جواب دیتی ہے۔ پھر چند روز بعد دیوکی مر جاتی ہے۔

اگرچہ اس کتاب کو بھی ناولوں میں شمار کیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس میں قصہ پن برائے نام ہے۔ اولاد کی اہمیت اور آواگون سے متعلق ہندوؤں کے عقائد کو مکالمہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ دفینوں وغیرہ کے تذکرے سے بھی یہی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اولاد کے واسطے سے قومیں ہزاروں سال تک باقی رہ سکتی ہیں۔ اس کتاب پر ناول کی اصطلاح کا اطلاق صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔

۱۱۔ خمدار موتی :

شیو برت لال نے اپنی کتاب ہوشیار موتی کے دیباچے میں ضمناً یہ ذکر کیا ہے کہ :

"میں [۳۲] ڈلہوزی پہاڑ سے آیا۔ خمدار موتی لکھا۔ وہ ناولوں کے اس سلسلے میں نہایت ہی دل خوش کن، دلچسپ اور مقبول ثابت ہوا۔ منشی نوندھ رائے صاحب جہانگیر پوری (ضلع بلند شہر والے) ساتھ تھے۔ روز آنہ مسودہ کو پڑھتے، ہنستے، خوش ہوتے اور آئندہ کے انتظار میں رہتے۔ میں نے حسب عادت اسے چند دنوں میں لکھ کر لاہور بھجوا دیا۔ پبلشرز نے بہت پسند کیا۔"

اس کے ایک اشتہار میں:

"[۳۳] علم گیان اور علم دھیان کی دیوی یعنی مرنالنی کے دلکش اور دلفریب حالات"

کا اس ناول کو مرقع بتایا گیا ہے۔ عارضۂ پریم کی بیمار مرنالنی کا پریتم جس کا نام سوجان ہے اس کو اپنی نادانی سے بربادی کی راہ پر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ مرنالنی اس کو طرح طرح کی مصیبتیں اٹھا کر تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے اور اس کی بے وفائی کا بدلہ اپنی وفاؤں سے دیتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا انداز بیان بہت دلچسپ ہے۔ قصہ بھی دلچسپ معلوم ہوتا ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ ناول ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا اس لئے اس کے بارے میں کوئی قطعی رائے دینا ممکن نہیں ہے۔

۱۲۔ دُمدار موتی :

یہ ناول خمدار موتی کے غالباً فوراً بعد لکھا گیا تھا چنانچہ اس کے اندرونی سرورق پر یہ دو شعر لکھے ہوئے تھے۔

جس نے خمدار موتی کو دیکھا
دیکھے دمدار موتی کو بھی ذرا
دُم میں خَم ہے تو خم میں بھی ہے دم
اس کا منظر غلط کرے گا غم

مصنف نے اس کے قصے کو ڈیٹکٹیو اسٹوری کہا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ موتی کے سلسلے کے سبھی ناولوں میں جاسوسی کا عنصر کسی نہ کسی درجے میں عموماً موجود ہے۔

اس ناول کے بھی ناشر جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تھے اور انھوں نے خود مصنف یعنی شیو برت لال کی حسب فرمائش اسے اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس ناول کے لئے مصنف نے ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو مختصر سادیباچہ لکھا تھا۔ اس میں قابلِ ذکر باتیں یہ ہیں :

"موتی کے سلسلے کے ناول شاہی سلسلے کے ناولوں سے کم ہر دلعزیز ثابت نہیں ہوے۔ فرق یہ ہے کہ وہ بار بار پریس سے نکلے اور لوگ ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔ ان کا ابھی پہلا ایڈیشن ہے۔ یہ لگاتار چھپتے جا رہے ہیں۔ انھیں آپ جتنی مرتبہ پڑھیں گے لطف تازہ حاصل ہوگا۔ اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ انھیں ہر طبقہ اور ہر مذہب وملت کا آدمی پڑھے اور یکساں فائدہ حاصل کرے۔ آٹھ دس نمبر لکھنے کے بعد راقم کی نیت تھی کہ اسے موقوف کر کے نیا سلسلہ شروع کر دیا جائے لیکن پبلشرز کا پاس خاطر ہے اور یہ نذر ہے۔"

اس ناول میں تمیں ابواب ہیں۔ قصہ کا خلاصہ اس طرح ہے :

"مصنف انگریزی سرکار کے امان بخش سایہ کی تعریف کر کے دو مرہٹہ ریاستوں کا ذکر کرتا ہے۔ پہلی دھرم نگر جس کا راجہ ملھار راؤ تھا اور دوسری شری نگر کا راجا ڈھونڈ راؤ تھا۔ ایک دن ڈھونڈ راؤ کے دربار میں ایک پنڈت نے بنارس سے آکر ایک شلوک سنایا جس میں راجا کی خوش انتظامی کی تعریف تھی۔ راجا نے اسے پانچ ہزار روپیہ دیکر رخصت کیا۔ ادھر ملھار راؤ کی رانی اس سے کہتی ہے کہ بیٹی جس کا نام پنا ہے سیانی ہو گئی ہے۔ اس کی شادی جلدی کر دینی چاہئے۔ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ پنا صرف ڈھونڈ راؤ کو پسند کرتی ہے۔ اسی گفتگو میں برہمن اور کشتری کی بحث چھڑ جاتی ہے اور رانی کہتی ہے کہ برہمن تو بھیکھ منگے ہوتے ہیں۔ سب سے اونچے کشتری ہوتے

ہیں۔ رام، کرشن اور بدھ بھی کشتری ہی تھے۔ انھیں کے مندر ہیں اور انھیں کی پوجا ہوتی ہے۔ اور وہ خود بھی برہمن نہیں بلکہ کشتری ہی ہیں۔
پنّا بائی اپنی سہیلی موتی بائی سے باتیں کررہی تھی کہ اچانک رانی نے ان کو خبر دی کہ کسی ڈاکو نے راجا کے پاس دھمکی بھرا خط بھیجا ہے کہ بحر نور ہیرا میرے حوالے کردو۔ پنّا بائی اسے کسی لڑکے کی حرکت قرار دیتی ہے۔
راجا کے پاس گھوڑوں کے دو سوداگر تین گھوڑے لیکر آئے۔ راجا نے ایک گھوڑا پسند کیا اور کہا کہ دو اچھے گھوڑے میرے اصطبل میں بھی ہیں اور وہ سوداگروں کو دکھائے دونوں سوداگران پر سوار ہو کر فرار ہوگئے۔ ان کے تینوں گھوڑے بھی بھاگ گئے۔ پھر کسی کا پتا نہ چلا البتہ راجا کے نام کا ایک خط ملا۔
حاکم پولیس نرسنگھ بھان نے ڈاکو کی گرفتاری کے انتظامات کرلئے۔
رانی اور راجا کے مابین کچھ دیر ڈاکو کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ پھر برہمن اور کشتری کی بحث چھڑ گئی اور رانی نے کہا کہ برہمن راج کے قابل نہیں ہوتے۔
راجا کے تکیے کے نیچے ڈاکو کا تیسرا خط نکلا۔ راجا نے وہ خط رانی کو دکھایا۔ رانی نے سمجھا بجھا کر اس سے ڈھونڈ راؤ کی طلبی کا خط لکھوادیا۔ ڈھونڈ راؤ نے فوراً مثبت جواب بھیجا اور دوسرے دن خود پہنچ گیا۔ ملہار راؤ نے ہر طرح مہمان نوازی کی اور اسے دو دن تک کے لئے روک لیا۔
نرسنگھ بھان اپنی تفتیش میں مصروف تھا۔ وہ بہت باصلاحیت تھا۔ مہاتما گاندھی کے نان کوآپریشن کے زمانے میں اس نے اپنے علاقے میں بدنظمی نہیں ہونے دی تھی۔ رات کے وقت دیوان کے گھر کی طرف بندوق کے فائر کی آواز ہوئی۔ فائر کرنے والا تو نظر نہ آیا البتہ دیوان کے گھر میں ڈاکو کا چوتھا خط ملا جس میں دیوان سے کہا گیا تھا کہ راجا کو سمجھا کر بحر نور ہیرا فوراً پہنچادیا جائے، ورنہ میں اسے زبردستی لے جاؤنگا۔ ملہار راؤ پوری کیفیت ڈھونڈ راؤ کو بتاتا ہے۔

ڈھونڈراؤ کے کہنے سے نرسنگھ بھان ہیرے کو اپنے پاس رکھ کر خود اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ وقت مقررہ پر نرسنگھ بھان یہ ظاہر کرتا ہے کہ ڈھونڈراؤ ہی وہ ڈاکو ہے۔ ڈھونڈراؤ نرسنگھ بھان سے کہتا ہے کہ اس کی جیب سے اصل ہیرا لیکر ڈاکو چلا گیا اور جو ہیرا اس کی جیب میں ہے وہ نقلی ہے پھر ڈھونڈراؤ زمین پر پیر مارتا ہے۔ تہ خانہ کا دروازہ نیچے کی طرف کھل جاتا ہے اور وہ اس میں سے اتر کر غائب ہو جاتا ہے۔ ملھار راؤ کو خبر ہوئی وہ نرسنگھ بھان وغیرہ کو لیکر اسی وقت شرینگر پہنچا۔ وہاں انھیں دو ڈھونڈراؤ ملے۔ ان میں سے ایک نے مصافحہ کیا اور بتایا کہ یہ دوسرا میرا ہم شکل میرا مصاحب ہے۔ اس مصاحب نے بتایا کہ نہ تو ملھار راؤ کے گھوڑے غائب ہیں اور نہ بحر نور ہی چوری ہوا ہے۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ملھار راؤ کے دیوان کا خط لیکر ایک شخص پہنچا جس میں ان چیزوں کے محفوظ ہونے کا ذکر تھا۔ مصاحب نے اپنا نام گنیش پرشاد بتایا اور ملھار راو کو گذشتہ رات کے واقعات کی تفصیل بتائی۔ اتنے میں ایک بخومی آیا جس نے ڈھونڈراؤ کا زایچہ دیکھ کر کہا کہ آپ کی شادی اسی مہینہ میں ہیرا بائی کے ساتھ ہوگی۔ ڈھونڈراؤ کی شادی پنا بائی کے ساتھ ہوگئی۔ کسی نے ایک پارسل لاکر دیا اور کہا کہ اسے شادی سے پہلے کھولا جائے۔ کھولا گیا تو اس میں ہیرا اور ایک خط تھا کہ اصل بحر نور ہیرا بھیجا جارہا ہے۔ آپ کو مبارک۔ شادی کے بعد گنیش پرشاد نے ڈھونڈراؤ کو پوری کیفیت بتائی کہ میری بیوی دھرم نگر کے راج محل میں جاکر پنا بائی اور اس کی ماں کو اکساتی رہی۔ اسی نے بنارس کے دو پنڈتوں کو شہید اور رشید بنایا۔ ڈھونڈراؤ اور پنا بائی نے گنیش پرشاد اور اس کی بیوی موتی بائی کو سازو سامان کے ساتھ رخصت کیا۔ نرسنگھ بھان مستعفی ہوگئے اور انھوں نے سفارش کر کے گنیش پرشاد کو بنارس کا کوتوال بنوادیا۔"

بطور مجموعی اسے اچھا جاسوسی ناول کہا جاسکتا ہے۔ مناظر کی عکاسی اور کردار نگاری کے

علاوہ مکالمے بھی اچھے ہیں۔ پلاٹ بھی گٹھا ہوا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ قصہ میں مصنوعی پن نمایاں ہے۔ کشتری اور برہمن کے معاملات اور مسائل سے متعلق راجا اور رانی کی بحثیں مصنف کے نزدیک کتنی ہی ضروری ہوں لیکن قصہ کے لئے غیر ضروری اور قاری کو اکتادینے والی ہیں۔

۱۳۔ ہوشیار موتی :

"ہوشیار موتی ، چوری اور سینہ زوری
موسٹ ونڈر فل ٹرو سٹوری

موتی کی ہوشیاری عجیب و غریب ہے
جو شخص اسے پڑھیگا بہت خوش نصیب ہے
روڑا کہیں کا ، اینٹ کہیں کی اکٹھا کر
بھانومتی کا دیکھو، بنایا طلسمی گھر

اس کے ناشر جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز ہیں اور یہ بھی رفیق عام پریس لاہور ہی میں چھپی تھی۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو مصنف نے اس کا دیباچہ لکھا تھا۔ اس میں قابل توجہ باتیں یہ ہیں :

"میں نے موتی کے سلسلے میں کتنے ناول لکھے مجھے یاد نہیں۔ قلم اٹھائی، دنوں میں لکھ کر پبلشرز کے حوالے کر دیا۔ قدرت نے خواہ مخواہ کثیر نویس بنا دیا ہے۔ مجھے اپنی کتابوں کے نام تک نہ کبھی یاد رہے، نہ میں نے ان کی فہرست ترتیب دی...... اب ہوشیار موتی کی باری ہے۔ یہ بالکل فرضی واقعات نہیں ہیں ...... میں ۸۴۔ ۱۸۸۳ء میں الہ آباد میں زیر تعلیم تھا، ماگھ کے مہینہ میں جب مکر کا میلہ ہوتا تھا ایسے واقعات ہر روز سننے میں آتے تھے کہ خوف سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔"

یہ ناول پانچ حصوں میں ہے اور پانچوں میں ملا کر کل چھبیس ابواب ہیں۔ یہ جواہر، ہیرا،

موتی اور مونگانامی چار بنارسی ٹھگوں کا قصہ ہے جو بندن پاٹھک نامی ایک استاد کے شاگرد اور آپس میں گہرے دوست تھے۔ بنارس چوروں کی تعلیم گاہ ہے۔ انگریزی حکومت کی دانشمندی نے کسی حد تک ان کا قافیہ تنگ کرر کھا ہے۔ کسی ٹھگ کو بنارس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ملتی تو وہ کلکتہ وغیرہ غدار شہر میں پہنچ کر اپنی ٹھگ ودیا کا جال پھیلاتے ہیں۔

بندن پاٹھک سنسکرت، فارسی، اردو اور ہندی کا عالم تھا۔ یوں تو اس کے شاگرد بہت تھے لیکن جواہر، ہیرا، موتی اور مونگا فخر استاد تھے اور ہندی اردو جانتے تھے۔ چاروں جو مال لاتے اس میں سے دسواں حصہ استاد کا ہوتا تھا۔ باقی چاروں میں برابر برابر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چاروں جعل بنانے اور دستخط کی نقل اتارنے میں بھی لاثانی تھے۔ استاد انھیں ساعت دیکھ کر چوری کے لئے بھیجتا تھا۔ بندن پاٹھک غریبوں کی مدد بھی کرتا تھا اور پولیس کے چھوٹے اہل کار اس کے تنخواہ دار تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ یوگ کے سادھن اور ٹھگ ودیا میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ بندن پاٹھک کی بیوی کو یہ ٹھگ ودیا پسند نہیں تھی۔ اس نے شوہر کو سمجھانے کی کوشش کی اور یہ بھی کہا کہ بنارس کے بنیے مہاجن تمھارے رقعوں پر روپیوں کی تھیلیاں دے دیتے ہیں لیکن جب حالت بگڑ گی وہ سب تمھارے خلاف گواہی دیں گے۔ بندن پاٹھک نے اس سے اقرار کیا کہ میں جلدی ہی خود کو بدل لونگا۔

کوتوال شہر نے ایک معتمد براہمن مہیپ نراین کو تعینات کیا کہ بندن کے پاس بھکاری بنکر جاے اور اس کے خلاف ثبوت جمع کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ بندن نے اپنے آدمیوں سے اس کے حال کی تصدیق کی اور اس کی تمام ضرورتیں پوری کروادیں۔ مہیپ نراین نے بندن کے خلاف زبان کھولنے سے صاف انکار کر دیا۔

ایک دن بندن جوا کھیلنے گیا۔ پولیس نے گھیر لیا اور اسے گرفتار کر لیا۔ کوتوال اس کو جوتوں کا ہار پہنا کر سارے شہر میں گشت دلانا چاہتا تھا لیکن کلکٹر بندن کی صاف گوئی سے متاثر ہوا اور اس نے عدالت میں حاضر ہونے کا وعدہ لیکر اسے چھوڑ دیا۔

منی رام اور دھنی رام متھرا والے کاشی کی یاترا کے لئے جانا چاہتے تھے۔ سیٹھ چھمن داس نے انھیں خرچے کے لئے روپیہ دیا۔ پھر ان کے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنے کے لئے ایک سنسکرت پاٹھ شالا کھول دی۔ ان کی قومی اور علمی خدمات کے صلے میں حکومت کی طرف سے انھیں راجا بہادر کا خطاب ملا اور اس طرح ان کی بیوی لکشمی اب رانی لکشمی بائی ہو گئی۔

تیرتھ سے آئے ہوئے ابھی سال پورا ہوا تھا کہ وہاں ایک اور چھمن داس ظاہر ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کو بہروپیا کہتے تھے۔ رانی لکشمی بائی بھی تذبذب میں تھی اور کسی طرح یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ ان میں سے اصلی کون ہے۔ ان میں سے ایک چھمن داس ہار مان کر دھرم سالہ میں جاکر مقیم ہو گیا۔ وہ نہایت غمگین تھا اور خودکشی کی سوچ رہا تھا کہ اسے خط ملا جو مصنوعی چھمن داس کی طرف سے تھا۔ اس نے خط میں پوری حقیقت لکھ دی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ اب میں تمھیں نہیں ملوں گا۔ تم آزادی سے اپنے گھر میں جاکر رہو۔

نواب زادہ کیواں قدر بہادر کلکتہ میں آئے۔ چورنگی محلّہ میں مقیم ہوئے۔ شہر کو ان کی بدولت عجیب رونق حاصل ہوئی۔ بزاز اور جوہری اپنا مال لیکر آئے۔ کیواں قدر کو فرصت نہیں تھی اس لئے وہ سب امانت کے طور پر رکھ لیا گیا۔ دوسرے دن کوٹھی مقفل ملی۔ وہاں کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔

کلکٹر سے چار لوگ ملنے آئے۔ انھوں نے کہا کہ بندن بہت نیک آدمی ہے۔ صرف جوئے کی عادت ہے لیکن اب وہ بھی چھوڑ دیگا۔ ضمانت کے طور پر چاروں نے ایک ایک لاکھ کی رقم پیش کی۔ کلکٹر نے کہا کہ اتنی رقم کی ضرورت نہیں ہو گی۔ پیشی کے دن عدالت میں حاضر رہو۔ چاروں نے بندن کو پوری کیفیت جاکر سنا دی۔

پیشی کے دن بندن نے چاروں چیلوں کے ساتھ حاضر ہو کر جرم کا اقرار کر کے وعدہ کیا کہ آئندہ جوا نہیں کھیلونگا۔ چاروں نے ضمانت لی جو منظور ہوئی اور بندن ان کے ساتھ گھر آ گیا۔ دوسرے دن بندن نے ایک جلسہ میں نیکی کی تلقین کی۔ وہیں

ایک سادھو فقیر ظاہر ہوا جس نے اسے اپنا چیلا بنا لیا۔ اس کے بعد بندن کا پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گیا۔ وہ سادھو البتہ موجود تھا اور بندن کی بیوی جب تک زندہ رہی اس کے پاس روحانی تعلیم کے لئے آتی جاتی رہی۔ قصہ بطور مجموعی اچھا ہے لیکن خاتمہ میں بندن پاٹھک کا اچانک ٹھگ سے سادھو بن جانا بہت زیادہ کھٹکتا ہے۔ قلبِ ماہیت کا یہ انداز وہی ہے جو پریم چند کے قصوں میں دیکھا جا سکتا ہے لیکن اس صورت کو عام طور سے پسند نہیں کیا گیا ہے۔ پریم چند کے دیا نراین نگم اور گوری شنکر لال اختر وغیرہ کے ساتھ جو روابط تھے، ان کی روشنی میں خیال کیا جا سکتا ہے کہ پریم چند نے اپنے افسانوں اور ناولوں کے لیے پلاٹ اور تکنیک کے معاملے میں شیو برت لال کی تحریروں سے اخذ و اکتساب کیا تھا۔ اس پہلو پر غور و فکر اور تحقیق کی ضرورت ہے۔

۱۴۔ رنگدار موتی :

مصنف نے پہلے باب میں بتایا ہے کہ موسہر کون لوگ ہوتے ہیں اور ان کی گذر بسر کی صورت کیا ہے۔ سوامی دیانند نے شدھی کی تحریک چلائی تو اس سے موسہر بھی متاثر ہوئے۔ وہ ایشور کی پوجا کرنا چاہتے تھے لیکن تمام برہمن اس کے خلاف تھے۔ موسہروں نے دو دن تک غور و فکر کے بعد طے کیا کہ پہلے گورو کی تلاش کی جائے۔ آخر انھیں ایک جوگی ملا۔ اس نے ان کی بات سن کر کہا کہ میں عورت ہوں اس لئے مجھے گرو بننے کا حق نہیں۔ موسہروں نے اصرار کر کے اسے اپنا گرو بنا ہی لیا۔ جوگنی نے انھیں بتایا کہ اصلاً وہ خود بھی اونچی ذات کی تھی مگر اب اسے اونچی ذات والوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ موسہروں نے جوگن کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا شروع کر دیا۔ برہمنوں نے اعتراض کیا۔ جوگن نے جنگلی جانوروں کو بلا لیا جن سے ڈر کر برہمن بھاگ گئے۔ اس کے بعد وہ جوگن بھی وہاں نہیں دیکھی گئی۔

گاؤں والوں میں ایک نوجوان نرسنگھ بھان اس جوگن کا حال سن کر بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو اس نے جوگن کو تلاش کرنے کا عہد کیا۔ ایک دن جنگل میں اس نے

بھیڑیے کی پیٹھ پر کسی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ جب وہ بھیڑیے کی پیٹھ پر سے اترا بندروں نے اسے آم لا کر دئے۔ نرسنگھ بھان نے اسے پہچان کر آواز دی، گایتری لڑکی آم لیکر ایک طرف بھاگی۔ بندروں نے شور مچادیا اور لڑکی کہیں چھپ گئی۔ نرسنگھ بھان رات کو سویا تو خواب میں گایتری سے باتیں کرنے لگا۔ گایتری نے کہا کہ آج سے چودہ دن بعد تو مجھے دیکھیگا۔ چودہویں دن اس نے اسی جنگل میں گایتری کو دیکھا۔ اس کے اصرار پر گایتری اسے اپنے غار میں لے گئی۔ کچھ دیر تک بات چیت رہی۔ پھر گایتری نے پرسوں ملنے کا وعدہ کر کے اسے رخصت کیا۔

گایتری اور نرسنگھ بھان نے اس مضمون کے اشتہار تیار کئے کہ موسہروں کا گرو پرگٹ ہوا ہے۔ جس کسی کو بحث مباحثہ کرنا ہو، میدان میں آئے۔ موسہروں نے یہ اشتہار سب برہمنوں کے گھروں پر لگا دیا۔ مقررہ تاریخوں میں اس جوگی کے لکچر ہوئے۔ جو سوال کئے گئے اس نے ان سب کا جواب دیا اور پھر اعلان کیا کہ کل ایک براہمن اور ایک کایستھ کو موسہر بنایا جائیگا۔

دوسرے دن بھیڑ اکٹھی ہوئی۔ جوگی کے ساتھ بھیڑیے بندر اور جنگلی سور تھے۔ اس لیے کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے سب کے سامنے نرسنگھ بھان برہمن اور رام بخش کایستھ کو موسہر بنالیا۔ رام بخش نے اعلان کیا کہ جوگی مرد نہیں عورت ہے اور اب وہ اصلاح کی غرض سے آج سے پانچویں دن ایک موسہر سے شادی کرینگی۔ پانچویں دن گایتری کی شادی نرسنگھ بھان کے ساتھ ہوگئی۔

اس ناول کا قصہ غیر فطری ہے۔ خواب میں باتیں کرنا، جانوروں کی مدد سے برہمنوں کی مخالفتوں پر جوگن کا بار بار غالب آجانا اور آخر میں اس کے عورت ہونے کے انکشاف کے بعد کسی کا بھی مخالفت نہ کرنا حیرت انگیز ہے۔ بہر نوع مصنف نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے جس طرح یہ قصہ تیار کیا ہے اس سے اس کی سوجھ بوجھ کا پتا چلتا ہے۔ اس نے قصہ کی کڑیوں کو سلیقہ سے ملادیا ہے اور ناول نویسی کے ابتدائی دور میں اس کی یہ کاوش اپنی ساری کوتاہیوں کے باوجود قابل قدر ہے۔

۱۵۔ گرہدار موتی :

اس ناول میں مصنف نے پس منظر کے طور پر رانا سانگا کی راجپوتی غیرت کی ستائش کی ہے اور ساتھ ہی بابر کی فتح مندی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد یہ ذکر کیا ہے کہ پت رام اور بلرام نے رانا سانگا کی شکست کا بدلہ لینے اور بابر کو قتل کر دینے کا عزم کیا۔ بلرام کی بیوی کملاوتی بھی ان کے ساتھ شریک ہوئی اور اس نے سلامت کی حیثیت سے اپنا بھیس بنالیا۔ یہ لوگ اپنی سازش میں کامیابی حاصل کرتے چلے گئے اور مناسب وقت کے منتظر تھے۔ عین اس وقت جب پت رام اور بلرام بابر پر قاتلانہ حملہ کرنے والے تھے ایک مست اور خونی ہاتھی کے دوڑنے سے خوفزدہ ہو کر ایک مہتر کا بچہ ہاتھی کے پیروں کی زد میں آچلا تھا اور اس کا بچالینا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ ایسے میں بابر خود اس بچہ کی مدد کے لئے لپکا اور اس نے اپنی جان پر کھیل کر بچہ کو موت کے منھ میں جانے سے بال بال بچالیا۔ پت رام اور بلرام بابر کی اس شجاعت کو دیکھ کر نہایت حیران اور شرمندہ ہوئے اور خود بابر کے سامنے پہنچ کر سرنگوں ہو گئے۔ بابر نے جس طرح مہتر کے اس بچہ کو گلے سے لگایا تھا اسی طرح ان دونوں سے بھی بغل گیر ہوا اور ان کو ایک اعلا عہدہ پر سرفراز کیا۔ کملاوتی موتی بائی کے نام سے بلرام کی بیوی بنی اور پت رام کی شادی ایک یتیم راجپوت لڑکی سے کر دی گئی۔ ملکانہ راجپوتوں کی ابتدا یہیں سے ہوئی ہے۔

افسوس ہے کہ یہ ناول ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ مصنف کے قول کے مطابق یہ ایک تاریخی ناول ہے لیکن اس کا قصہ تاریخی واقعہ کے بجائے خود مصنف کے ذہن کی تخلیق معلوم ہوتا ہے۔ اس قصہ کے واسطے سے اس نے اپنے مخصوص نظریات کو دلنشیں انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور بظاہر وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہے۔

۱۶۔ جھلک دار موتی :

اس کے لئے کہا گیا ہے کہ یہ "روحانی لذت اور اخلاقی کیفیت کی ایک بے نقاب دلچسپ سرگذشت ہے" یہ ناول علم قیافہ پر مبنی ہے اور اس میں گیان کے مسائل کا حل اس

طرح پیش کیا گیا ہے کہ بات دل میں اتر جاتی ہے۔ قصہ میں عیسائی مذہب سے اختلاف اور برھمو سماج کی تائید کی گئی ہے۔ مصنف نے علم فلسفہ کے رموز بیان کرتے ہوئے علم قیافہ کی مدد سے ایک چھوٹے سے بچے مان سنگھ کے شاہزادہ اور اس کے ساتھ کھیلنے والی ایک لڑکی موتی بائی کے رانی بننے کے خیال کو پیش کیا ہے۔ یہ خیال اس وقت عملی جامہ پہنتا ہے جب مان سنگھ بنارس پہنچتا ہے۔ وہاں وہ ایک فرار شدہ نیپالی شاہزادہ بن جاتا ہے اور اس کی خوبیوں کی دھوم مچ جاتی ہے اس نے اور اس کے سکریٹری نے بڑے راجوں مہاراجوں اور سیٹھ ساہوکاروں کو اپنے حیرت انگیز چکموں سے بے وقوف بنایا۔ کروڑوں روپیہ کا مال متاع حاصل کیا۔ اس کی سگائی کے لئے راج محلوں سے پیغام آنے لگے اور ایک راجکماری اسے اپنا پتی بنانے پر آمادہ ہو گئی مگر یہ گرہ نہ بندھ سکی۔ ادھر موتی بائی مردانہ لباس میں مان سنگھ کی تلاش میں نکلتی ہے اور آخر ٹیگور آشرم میں فن موسیقی میں اپنے کمال کا اظہار کر کے بہت جلد عیسائی اور برھمو سماج میں ہر دلعزیز ہو جاتی ہے۔ قدرت نے دو دلوں کی کشش عشق کو بار آور کیا اور دونوں میں میل ملاپ کی صورت پیدا ہو گئی۔

اس ناول میں شاہی محلوں کے اسرار اور عیسائی مذہب کی کوتاہیوں کا مصنف نے اچھا نقشہ پیش کیا ہے۔ مصنف کے دعوؤں کے باوجود قصہ خیالی اور مصنوعی معلوم ہوتا ہے اور اس میں ایک فرقہ کی حمایت اور دوسرے کی مخالفت میں جن خیالوں کا اظہار کیا گیا ہے وہ کھٹکتے ہیں۔

۱۷۔ خونخوار موتی :

جاں نثار موتی کے آخر میں کتابوں کا جو اشتہار ہے اس میں یہ ناول بھی شامل ہے۔ اس کے بارے میں بس اتنا ذکر ملتا ہے کہ یہ ہر طرح قابل تعریف ہے۔ اصل ناول ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا اس لئے اس کے بارے میں کوئی رائے دینا نہ ممکن ہے اور نہ مناسب ہی ہے۔

۱۸۔ جاں نثار موتی :

اس کے اندرونی سرورق کا اندراج اس طرح ہے :

"جاں نثار موتی۔ بلا مبالغہ حد درجہ کا دلچسپ ناول۔ جو پڑھنے والوں کو رلا کر رہیگا۔...... ہندو سوسائٹی کی بدرسموں کا دلکش اور دلسوز خاکہ اور ان کی اصلاح کی ہدایت کا تدبیری نقشہ۔

رانڈ، سانڈ، ٹھگ اور سنیاسی   ان سے بچے تو سیوے کاسی"

یہ ناول بھی رفیق عام پریس لاہور میں چھپوا کر جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز نے شائع کیا تھا۔ اس کے سبب تالیف میں مصنف نے اپنے آباء واجداد اور ان کے مسکن کا ذکر کیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ :

"اس اطراف کے برہمن دختر فروش ہیں۔ کمسن لڑکیاں بوڑھے آدمیوں کو بیاہی جاتی ہیں۔ وہ تو جلد مر جاتے ہیں یہ بیوہ مجبوری، بیکسی اور بے بسی کی وجہ سے ترکِ وطن کر کے کلکتہ کی طرف چلی جاتی ہیں اور وہاں، وہ جیسی زندگی اختیار کرتی ہیں وہ ہندوؤں کے لئے نہایت عبرتناک ہے۔ اس ناول میں میں نے اس بدرسم کے نتیجے دکھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ واقعات فرضی نہیں ہیں۔ لفظ سچے ہیں...... موتی کے سلسلے کے ناولوں میں غالباً یہ آخری ہوگا۔ اب اس سلسلے کو موقوف کر دینے کی نیت ہے۔"

اس کا قصہ ہوشیار موتی کے قصہ کا تسلسل ہے۔ قصہ شروع اس طرح ہوتا ہے کہ بندن بھاٹھک کے سادھو ہو کر غائب ہو جانے کے بعد اس کے چاروں چیلے موتی، جواہر، ہیرا، مونگا پریشان ہیں۔ وہ آپس میں بات کر رہے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ بندن نہ ہوتے تو کم از کم میں ہندو نہ رہتا۔ دوسرا کہتا ہے کہ ہندو تم کس کو کہتے ہو؟ جواب ملتا ہے کہ جو برہمن نہ ہو، وہ ہندو ہے۔ اس پر چاروں تقریباً متفق معلوم ہوتے ہیں۔ اچانک ان کے پاس برہم دت نامی ایک برہمن آتا ہے اور کہتا ہے کہ میری ایک بیٹی کی شادی ہونی ہے جس

میں ایک ہزار روپیہ کا خرچ ہے۔ میں نے سنا تھا کہ بندن سادھو ہو کر چلے گئے۔ اس لئے میں ان کے شاگروں کے پاس آیا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اچھوت ہیں۔ کیا آپ ہم سے خیرات لیں گے؟ برہم دت کہتا ہے کہ جب آپ کسی برہمن کے چیلے ہو گئے تو شدھی ہو گئی اس لئے آپ برہمن کو خیرات دے سکتے ہیں۔ چاروں اسے ڈھائی سو روپے دیتے ہیں اور رام آدھین اور لکشمی کو ساتھ کر دیتے ہیں تاکہ وہ برہمن کو اس کے گھر خیریت سے پہنچا دیں اور یہ دیکھیں کہ جس مقصد کے لئے روپیہ دیا گیا ہے اسی کام میں لایا گیا ہے۔

برہم دت نے قریب کے گاؤں میں پانچ سو روپیہ تملک پر شیو چرن کے پانچ سالہ لڑکے دیبی دین کے ساتھ اپنی تین برس کی سب سے چھوٹی بیٹی کیتکی کا رشتہ طے کر دیا۔ اس سے بڑی تین بیٹیوں کی شادی وہ پہلے کر چکا تھا اور وہ تینوں بچیاں بیوہ ہو کر باپ کے ساتھ رہ رہی تھیں۔ کیتکی کی شادی میں ایک ہزار سے زیادہ خرچ ہوا جو برہم دت نے زمین کھیت گروی رکھ کر پورا کیا۔ بارات رخصت ہو کر دولھا کے گھر پہنچی۔ وہاں کئی لوگ ہیضہ میں مبتلا ہوئے۔ دیبی دین نے بھی دو چار قے اور دست کر کے دم توڑ دیا۔ اس کے غم میں شیو چرن بیہوش ہو کر اندھا ہو گیا۔

شیو چرن کے کہنے سے کہار کیتکی کی پالکی کو واپس لے گئے۔ کیتکی پالکی سے اتر کر ماں سے لپٹ کر رونے لگی۔ ماں کی نبض رک گئی۔ وہ مر چکی تھی۔ بچی کو اس سے زبردستی الگ کیا گیا۔ برہم دت کی بیوی کی کریا کرم کے بعد لکشمی بھی چلی گئی۔

بڑی لڑکی شیوا نے خواب میں ماں کو دیکھا۔ اس نے بیٹی کو نصیحت کی کہ تم میں سے کوئی بیوہ نہیں ہے لیکن اب اس گھر میں نہ رہو۔ کبھی کسی سے دان نہ لینا اور اپنی تینوں بہنوں کو اپنے ساتھ رکھنا۔ ایک دن اچانک چاروں لڑکیاں غائب ہو گئیں۔ باپ نے ان کو بہت ڈھونڈا، نہ ملیں۔ وہ بنارس جا کر لکشمی سے ملا۔ آخر مایوس ہو کر اپنے گھر واپس آ گیا۔ یہاں شیوا کا خط ملا جس سے معلوم ہوا کہ ان کے ماما ان کو مل گئے تھے اور وہ انھیں زبردستی اپنے گھر لے گئے لیکن وہ بہت جلد جدھر سینگ سمائیں گے چلی جائیں گی۔

چاروں لڑکیاں بنارس کے ایک گھاٹ کے ایک اونچے برج پر بیٹھی تھیں۔ بندن کے

چاروں شاگرد کشتی سے ان کے پاس پہنچے اور مدد کا وعدہ کر کے ان کو اپنے گھر لے آئے۔ بڑی لڑکی نے روپیہ دیکر کھانے کا ضروری سامان ان سے منگایا۔ کھاپی کر سب سو رہے۔ اس طور پر کئی دن بسر ہوئے۔ آخر برہمنوں سے بوستھا لکھوا کر چاروں نے چاروں کے ساتھ شادی کرلی۔ سب سے چھوٹا موتی تھا۔ اس کی بیوی کمسن ہونے کی وجہ سے بڑی بہن شیوا کے ساتھ رہنے لگی۔ لکشمی بلائی گئی۔ اس نے آتے ہی چاروں دوستوں کو دعائیں دیں۔ اسے صورت حال کا علم ہوا تو اطمینان کا اظہار کیا لیکن لڑکیوں سے ملے بغیر واپس چلی گئی۔ سب کے مشورہ سے شیوا نے برہم دت کے نام خط لکھا جو بنارس کے بجائے مغل سرائے کے آگے کے کسی اسٹیشن پر ڈاکخانہ میں ڈالا گیا تھا۔ برہم دت کو خط ملا۔ جس سے معلوم ہوا کہ شوا لکھنا پڑھنا جانتی تھی۔ اس نے اپنا سر پیٹ لیا کہ جس نے لڑکیوں کو پڑھایا اس کا گھر برباد ہوا۔ اچھا ہوا کہ وہ آنکھوں سے دور ہو گئیں۔ چند روز بعد برہم دت نے بھی ایک غریب برہمن کی بیٹی رکمنی کے ساتھ شادی کرلی۔ بیوی نے آتے ہی اسے غلام بنالیا۔ تنگ آکر اس نے رکمنی کے باپ سے فریاد کی۔ اس نے آکر بیٹی کو سمجھانا چاہا۔ اتفاق سے برہم دت کا وہ دوست بھی آگیا جس نے شادی کرائی تھی۔ رکمنی نے تینوں کی جھاڑو سے خبرلی۔ آخر برہم دت بھی اپنی بیوی رکمنی کو لیکر بنارس آگیا۔

یہ بھی شیوبرت لال کے اچھے اصلاحی ناولوں میں سے ایک ہے۔ اس میں قاری کو بدحظ کردینے والی بہت زیادہ مذہبی بحثیں بھی نہیں ہے۔ مصنف نے بعض مکالموں کے علاوہ مناظر کے بیان میں بھی مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ زبان بھی بطور مجموعی رواں اور سلیس ہے۔ بعض مقاموں پر ضرور ڈگر سے ہٹ گئی ہے۔

ج ۔ متفرق ناول :

شیوبرت لال نے ناولوں کے مذکورہ دو سلسلوں شاہی اور موتی کے علاوہ اور بھی بہت سے ناول لکھے تھے۔ ان میں سے صرف بعض کا مختصراً یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ شیطانی حرکت :

اس کتاب کے ناشر بھی جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تھے اور انھوں نے اس کو بھی رفیق عام پریس لاہور میں چھپواکر شائع کیا تھا۔ اس کے اندرونی سرورق کا اندراج اس طرح ہے :

"سنسنی خیز ڈٹکٹیو سٹوری یعنی شیطانی حرکت۔

لاہور شہر کے ایک قدیم حیرت انگیز پیچیدہ اور پراسرار، واقعہ کا بیان"

مصنف نے ۲۳ر ستمبر ۱۹۲۸ء کو کریم نگر حیدر آباد میں اس کے لئے مختصر سا دیباچہ لکھا تھا۔ اس میں ہے:

"دنیا کے واقعات فرضی اور من گھڑت ناولوں سے کہیں زیادہ دلچسپ ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں بہت سی ایسی باتیں ملیں گی جو زندہ دل اور کامیاب آدمیوں کے حالات سے منسوب ہیں...... لال خاں، ہر سکھ رائے، چھجو بھگت کا سب کو پتا ہے۔ مہتاب رائے کے حالات میں نے ہندوستان میں سنے تھے۔ امید ہے کہ یہ سراغ کی داستان اپنی نوعیت میں دلچسپ ثابت ہوگی۔"

قصہ اس طرح ہے کہ لال خاں نامی ایک نو مسلم پٹھان بچہ کی ایک ہندو عورت ہیر دنے اس کے کاروبار میں مدد کی تھی اور وہ اپنی ماں کی طرح اس کی عزت کرتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک تھے۔ لال خاں دولتمند اور فیاض تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے وہ اپنی املاک کو کشمیر کے مہاراجا کے نام کر دینا چاہتا تھا۔ ہیر و بھی مالدار عورت تھی اور اس کے پاس صرف ایک بیٹی بیرو تھی جو کسی گرو کے زیر اثر آگئی تھی۔ ہیر دنے ایک سادھو گمبر سے بیرو کے معاملے میں مدد چاہی اور لال خاں سے کہا کہ وہ بیرو کے لئے کوئی بر تلاش کرے۔ رلدو رام ایک مالدار آدمی تھا۔ جس کی نظر ہیرو کی جائیداد پر تھی۔ وہ اپنے بیٹے گھسیٹامل کی شادی بیرو کے ساتھ کرنا چاہتا تھا لیکن یہ رشتہ ہیر و اور لال خاں دونوں کو پسند نہیں تھا۔ رلدو رام لال خاں کے دوست محمد امین کے ساتھ اس کے پاس پہنچا اور اس سے اپنے بیٹے کے رشتہ کے لئے سفارش چاہی لیکن لال خاں نے ہاں نہیں کی۔ رلدو رام نے ایک نیک آدمی چھجو بھگت

کے یہاں جاکر ان کے پاؤں پکڑ لئے لیکن انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ اسی رات کو بھگت جی نے چولا چھوڑا۔ مشہور ہوا کہ رلدو رام سے کہا سنی ہو گئی تھی جس کے صدمے سے بھگت جی مر گئے۔ لال خاں نے ہیرو کا رشتہ ساگر چند نامی ایک طالب علم سے طے کر کے شادی بھی کر دی۔ ایک ہفتہ بعد ہیرو کی طبیعت خراب ہوئی۔ وہ بیہوش ہو گئی۔ سب نے سمجھ لیا مر گئی۔ لاش کو مرگھٹ لے گئے۔ لکڑی آنے میں دیر ہوئی۔ جب لاش کو چتا پر رکھنا چاہا، دیکھا کہ لاش غائب ہے۔ بہت تلاش کیا نہ ملی تو ارتھی کو جلا کر رسم پوری کر دی۔ لال خاں کو شبہ ہوا۔ اس نے تھانہ میں رپورٹ کر دی۔ پولیس کی تحقیقات سے بھی کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔ ادھر ساگر چند پر دیوانگی کا دورہ پڑا۔ وہ کہتا تھا کہ وشنو بھگوان میرے پاس آتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں تم کو ساری دنیا کی بادشاہت ملنے والی ہے۔ لال خاں نے خود کو اس کا وزیر بنا لیا اور اس طرح اس کا علاج شروع کیا۔ اچانک معلوم ہوا کہ ساگر چند غائب ہو گیا اور ہیرو کو خلل دماغ ہو گیا ہے۔ ہیرو کا علاج اور ساگر کی تلاش شروع ہوئی۔ مختلف لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ رلدو رام کی حرکات و سکنات پر نظر رکھی جائے۔ چوتھے دن ہیرو بھی غائب ہو گئی۔ اخبار میں اشتہار دیا گیا۔ پولیس تحقیقات میں مصروف ہوئی لیکن نتیجہ وہی صفر رہا۔

ادھر ہیرو کو ہوش آیا تو دگمبر ناتھ کو دیکھا۔ اس نے بتایا کہ تجھے کسی نے زہر دیدیا تھا۔ میں نے تجھے بچالیا۔ دگمبر ناتھ کے پاس اس کا ایک رفیق وشومبھر ناتھ لاہور سے آیا۔ اس نے بتایا کہ رلدو رام نے ہیرو کو پانی میں زہر ڈال کر پلایا تھا اور اس کے ایک آدمی نے ساگر کو گلدستہ نذر کیا تھا جس پر زہریلا سفوف چھڑکا ہوا تھا۔ اسے سونگھتے ہی وہ پاگل ہو گیا۔ یہی ہیرو کے ساتھ بھی کیا گیا۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد دگمبر ناتھ وشومبھر ناتھ اور کئی سادھو ہیرو کو لیکر لاہور آگئے۔ یہاں انھوں نے ساگر اور ہیرو کا علاج کیا۔ اس کے بعد دگمبر نے جاکر لال خاں کو خطرہ سے آگاہ اور ان تینوں کی خیریت سے مطلع کیا۔ آخر رلدو رام گرفتار ہوا۔ ضمانت نامنظور ہوئی۔ اس کے آدمیوں نے اپنے جرم کو قبول کیا اور اسے دس برس کے لئے قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ ہیرو نے شکرانہ کے طور ناتھوں کے

مٹھوں کو دو لاکھ روپے نذر کئے۔

یہ ناول بھی موتی کے سلسلے کے شیو برت لال کے لکھے ہوئے ناولوں کے انداز پر ہے۔ اس میں تعطل اور تحیر کی جو فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گیی ہے اس نے ناول کو دلچسپ بنا دیا ہے۔ بطور مجموعی اسے اپنے زمانے کے کامیاب جاسوسی ناولوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

اس ناول میں ناتھ پنتھیوں کی بے غرض نیکیوں کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے وہ قابل قدر ہے البتہ زہریلی دواؤں کا تذکرہ محض خیالی ہے لیکن یہ خیالی تذکرہ بھی ناگوار نہیں معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات بھی توجہ کے لائق ہے کہ مصنف نے لال خاں کے کردار کو بھی منفی اور ناپسندیدہ نہیں بنایا ہے۔

۲۔ اوم :

یہ گوری شنکر لال اختر کے رسالہ مان سرور کے خاص نمبر کی صورت میں نومبر، دسمبر ۱۹۲۷ء میں چھپا تھا۔ سرورق پر اسے "عجیب، غریب، نیا، نرالا، دلچسپ ناول" کہا گیا ہے۔ مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ:

> "اوم ناول کا نام جو سنے گا وہ کیا کہے گا۔ یہ سننے سنانے کی چیز نہیں ہے، پڑھنے پڑھانے، دل بہلانے خوش ہونے اور فائدہ اٹھانے کی چیز ہے۔ کہانی عبرت انگیز ہے، تحریر رقت آمیز ہے۔"

قصہ اس طرح ہے کہ ایک لڑکے نے گنگا کے کنارے ایک لڑکی کو بیٹھا دیکھ کر اس سے پوچھا تو کون ہے؟ جواب نہ ملا۔ لڑکی اٹھی اور نظروں سے غائب ہو گئی۔ لڑکا اس کے لئے روز چکر لگاتا رہا۔ آخر ایک دن وہ نظر آئی۔ لڑکے نے اس کا راستہ روکا۔ اس نے سوال کیا: "کیا تم مجھے روکنا چاہتے ہو؟"

لڑکے نے کہا "اب تو مجھ سے سوال کرنے لگی اس لئے میرے سوالوں کا جواب مجھے ضرور دیگی" دونوں میں بات چیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لڑکی اسے دریا کے کنارے ایک غار میں لے گئی جہاں انسانی ڈھانچے، ہاتھ پاؤں، کھوپڑی، وغیرہ کا ڈھیر تھا۔ وہ اپنے

کندھے پر جو بوری لائی تھی اس میں ایک بچے کی لاش تھی۔ لڑکی نے اسے بتایا کہ میں کئی زبانیں جانتی ہوں۔ اس نے زور سے بولنے کے لئے منع کیا کیونکہ آواز غار کی آخری حد تک پہنچے گی۔ وہ غار میں ہو کر ایک مندر میں پہنچے جہاں جھاڑ اور ہانڈیاں روشن تھیں اور شیو کی لمبی عمودی مورت رکھی ہوئی تھی۔ لڑکے کو خاموش رہنے کی تاکید کر کے، مندر کے ایک گوشے میں بیٹھا کر وہ مورت کے پاس گئی۔ زمین پر زور سے پیر مارا۔ مندر کے گھنٹے بجنے لگے۔ کسی نے اس کا نام "منڈ بھوشنی" لیکر پوچھا: "تو آگئی؟" اس نے جواب دیا: " ہاں آگئی اور کامیاب ہو کر آگئی۔ "پھر کچھ وحشی ظاہر ہوئے اور اس کی بوری لے کر چلے گئے۔ وہ آئی اور دونوں سیدھے راستے سے سیڑھیاں چڑھ کر ایک اور مندر میں پہنچے۔ یہاں ہر چیز مثلثی تھی۔ یہاں اسے معلوم ہوا کہ لڑکی راجپوتنی ہے۔ لڑکے نے کہا کہ: "میں راجپورت ہوں اور تجھے اپنی بیوی بنانا چاہتا ہوں۔ "لڑکی نے جواب دیا: "جنھوں نے میری پرورش کی ہے، میرے بارے میں فیصلے وہی کر سکتے ہیں۔" دونوں رخصت ہو کر اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچے۔

جس جگہ کا یہ قصہ ہے وہاں گنگا کی دھارا اس طرح بل کھاتی ہے کہ وہ ہندی کے اوم کی شکل بن جاتی ہے۔ ہندو اس مقام کو متبرک سمجھتے ہیں۔ اسی کے تعلق سے ناول کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ لڑکے کے ماں باپ یہاں اشنان کے لئے آئے تھے۔

جیٹھ کے مہینہ میں بارش ہوئی۔ دریا میں طغیانی آئی۔ دریا کے کنارے کی صورت بدل گئی۔ نہ ٹیلے کا پتا رہا نہ غار کا سراغ ملتا تھا۔ لڑکے کے ماں باپ طغیانی کی وجہ سے زیادہ نہ ٹھہر سکے۔ لڑکے کو بھی ان کے ساتھ اپنے شہر جانا پڑ گیا۔

لڑکے کا نام سدرشن سنگھ ہے۔ الہ آباد میں اس کے تین پرانے دوست تھے۔ بھوانی سنگھ، سوجان سنگھ اور روپ سنگھ، لکشمن سنگھ نیا دوست ہوا لیکن سدرشن اس کو سب سے زیادہ معتمد سمجھتا تھا۔ سب سدرشن کے بنگلہ پر جمع ہوئے۔ سدرشن نے اپنے پندرہ روزہ سفر کا حال بے کم و کاست سنا دیا اور کہا کہ وہ جگہ اور مندر بہت قدیم، شاید بودھوں کے زمانے کے ہیں۔ لڑکی ان سادھوؤں کی نہیں ہو سکتی۔ وہ کسی راجپوت کی

بتی ہے لکشمن سنگھ اسی جگہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے بتایا کہ ایک اونچی جگہ پر او نکار مہادیو کا مندر ہے جس میں شیو سمپر دائے کے سادھو رہتے ہیں۔ بمبئی کے مرہٹے اور برہمن مہنت جی کے معتقد ہیں۔ گاؤں کا کوئی آدمی ان کا عقید تمند نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ جسے چیلا بنانا ہوتا ہے مہنت جی اسے اندرتہ خانے میں لے جاکر تعلیم دیتے ہیں۔ گاؤں کے ایک راجپوت کے یہاں اولاد نہیں تھی۔ مہنت کی دوا اور دعا سے لڑکی پیدا ہوئی راجپوت نے عہد کیا تھا کہ پہلی اولاد مندر کی نذر کرونگا اس لئے وہ اس لڑکی کو مندر کی بھینٹ کر گیا۔ مہنت نے پالا پوسا اور پڑھایا ہے۔

لکشمن اس لڑکی کو چاہتا تھا اس لئے سودرشن کی باتوں سے اسے رنج ہوا۔ لکشمن سودرشن سے چھٹی لیکر گھر گیا۔ وہاں سے مہنت کے پاس پہنچا۔ مہنت نے اس کی براہ راست منڈ بھوشنی سے بات کرادی۔ اس نے ہاں نہیں میں کچھ کہا۔ لکشمن کی سمجھ میں کچھ آیا کچھ نہیں آیا۔ الہ آباد پہنچ کر اس نے سدرشن کو بتایا کہ منڈ بھوشنی کو شادی سے انکار ہے۔ لکشمن دوبارہ مہنت کے پاس گیا۔ منڈ بھوشنی سے بات کی۔ نتیجہ وہی صفر رہا۔ وہ ناراض ہو کر چلا آیا اور سدرشن کے پاس پہنچ کر اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔

اب سدرشن لکشمن کو لیکر وہاں پہنچا۔ لکشمن مندر کے دروازہ پر اسے چھوڑ کر غائب ہو گیا۔ سدرشن نے مہنت سے بات کی۔ وہ بہت خوش ہوا اور منڈ بھوشنی سے کہا کہ ان کو مندر کی سیر کرادو۔ دونوں میں بات چیت رہی۔ سدرشن دو تین دن تک مندر میں مہمان رہا۔ اسے یہاں کے تمام حالات کا علم ہو گیا۔ پھر سادھو نے منڈ بھوشنی کے باپ کو گاؤں سے بلایا۔ اس کی صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس نے مہنت سے کہا کہ آپ کو پورا اختیار ہے۔ مہنت نے فوراً منڈ بھوشنی کا ہاتھ سدرشن کے ہاتھ میں دیکر کہا، ”آج سے تم خاوند اور بیوی ہو“ اور پھر انھیں دعائیں دیں۔ منڈ بھوشنی کے باپ نے چلتے وقت سدرشن سے کہا کہ تم نے لکشمن سے دوستی کر کے آستین میں سانپ پال لیا ہے۔ مہنت نے بھی اپنے طور پر اس کی تائید کی اور اسے اسی دن رخصت کر دیا۔ سدرشن نے بہو کو لیجا کر اس کا سر ماں کی گود میں ڈال کر کہا۔ یہ تمھاری بہو ہے اس کی حفاظت

تمھارے ذمہ ہے۔ سسر نے بہو کو دیکھا وہ بھی خوش ہو گیا۔
دوسرے دن لکشمن ملا۔ اس کے پوچھنے پر سودرشن نے اسے بتادیا کہ شادی ہو گئی۔ اتنے میں سوجان سنگھ اور روپ سنگھ آئے اور انھوں نے بتایا کہ ان تینوں کے جعلی دستخط بنا کر کسی نے بینک سے روپئے نکالے ہیں۔ اتفاق سے اسی وقت تار ملا کہ مردم خوری کا مقدمہ دائر ہو گیا ہے۔ پرسوں پیشی ہے۔ وہ ایک وکیل کو لیکر پہنچا۔ مہنت جیل میں تھے۔ ان کے خلاف سات گواہ تھے۔ وکیل نے جرح کی۔ ساتوں جرح میں نہیں ٹھہر سکے۔ ثابت ہو گیا کہ مقدمہ بے بنیاد ہے۔ مہنت باعزت بری ہوئے۔ عدالت نے پوچھا کہ "آپ ان جھوٹے گواہوں کے خلاف چاہتے ہیں کہ مقدمہ چلایا جائے۔" مہنت نے کہا، "میں دنیا میں لوگوں کو پھنسانے نہیں، چھڑانے کے لئے آیا ہوں۔" سدرشن مہنت کو اپنے ساتھ لے آیا۔ ان کے سامنے سدرشن کی منڈ بھوشنی کے ساتھ رسمی شادی ہو گئی۔
سدرشن لیجسلیٹیو اسمبلی کی ممبر شپ کا امیدوار ہوا اور وہ منتخب ہو گیا۔ اس کے باپ نے اس موقع پر رووساء اور افسران کی دعوت کی۔ اس وقت لکشمن نے آکر خبر دی کہ سدرشن خطرے میں ہے۔ سوجان اور روپ اسے سدرشن کے باپ کے پاس لے گئے۔ اسی وقت ایک پولیس انسپکٹر نے آکر سدرشن کو ایک کاغذ دیا۔ اس نے پڑھ کر باپ کو بتایا کہ مجھ پر جعلسازی کا الزام ہے اور یہ گرفتاری کا وارنٹ ہے۔ باپ نے ضمانت پر بیٹے کو رہا کرالیا۔ لکشمن سے اس کے نوکر بھی خوش نہیں تھے۔ انھوں نے اس کی دو نوٹ بک لا کر دیں۔ مقدمہ پیش ہوا۔ سدرشن بری ہوا اور لکشمن کو قید سخت کی سزا ہوئی۔
بطور مجموعی یہ اچھا ناول ہے۔ اس کے کردار عموماً اچھے ہیں، البتہ ہیرو کی طبیعت کی نیکی غیر معمولی اور غالباً ناممکن کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔
شیوبرت لال کے ناولوں کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ بڑے سے بڑا مجرم اور خراب آدمی بھی اپنی برائیوں پر قائم نہیں رہتا ہے اور بالآخر نیکی کو اختیار کر لیتا ہے۔ یہ صورت حال اس ناول میں بھی کم و بیش موجود ہے۔ اس ناول میں نیکی کے کردار کو نیکیوں پر جس طرح قایم دکھایا ہے وہ بھی غیر معمولی ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس کی نیکیوں پر

استقامت بھی کھٹکتی ہے اور اس کی یہی خوبی اس کے جاندار کردار بن جانے میں مانع ہے۔

۳۔ سوہنگ:

اوم ناول کے دیباچے میں مصنف نے لکھا ہے کہ:

"اگر یہ پسند آیا تو اسی طرز کا دوسرا ناول اور نذر ہوگا اس کا نام سوہنگ ہوگا۔"

سوہنگ ناول بھی رسالہ مان سروور میں بالاقساط شائع ہوا تھا اور وہ بھی شیو برت لال کے اچھے اور کامیاب ناولوں میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ ناول ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا، اس لئے اس کے بارے میں کچھ کہنا ممکن و مناسب نہیں ہے۔

۴۔ امر سنگھ راٹھور :

نرائن دت سہگل اینڈ سنز تاجران کتب لاہور نے اس کتاب کو تیسری بار شائع کیا تھا۔ ان کی طرف سے ایک مختصر سا دیباچہ شامل کتاب ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ :

"آج ہم اس مہاراجہ امر سنگھ راٹھور کے حالات پیش کرتے ہیں جس کے دل میں سب سے پہلے بالشوازم کا خیال پیدا ہوا...... بالشوازم کیا ہے اور اس سے ہندوستان خصوصاً ہندوؤں کو کیا نقصان پہنچنے کا احتمال ہے آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے بخوبی معلوم ہو جائے گا۔"

پوری داستان امر سنگھ کے دوست ناہر سنگھ کی طرف سے واحد متکلم کے صیغے میں سنائی گئی ہے چنانچہ تمہید میں بھی کہا گیا ہے :

"ناہر سنگھ نکما آدمی نہیں ہے...... اب ہاتھ میں قلم لیتا ہوں اور تیری زندگی کے حالات قلمبند کرتا ہوں تاکہ (پڑھنے والوں کو) پتا چلے کہ بانکا امر سنگھ کس رنگ ڈھنگ کا راجپوت تھا۔"

قصہ اس طرح ہے :

"میرا نام ناہر سنگھ ہے۔ میں قوم کا راٹھور راجپوت ہوں۔ میرا باپ معمولی حیثیت کا آدمی تھا لیکن مجھے مفلسی کی زندگی پسند نہیں۔ میں نے کئی سال لوٹ پاٹ کرنے میں

گذارے۔ چھوٹے چھوٹے رئیس میرے ماتحت آگئے۔ ایک دن میں اکیلا گھوڑے پر سوار جا رہا تھا کہ کئی سوار میرے پیچھے دوڑے۔ ایک سوار میرے قریب آگیا۔ اس سے مقابلہ ہوا۔ میں زخمی ہو کر بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو خود کو ایک خیمہ میں پایا۔ جو سپاہی پہرے پر تھا اس کے اخلاق سے میرا دل متاثر ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ جودھپور کا ولی عہد امر سنگھ ہے۔ میں نے اس سے دوستی کا وعدہ کر لیا۔ میرے سب آدمی ایک ایک کر کے امر سنگھ کے ساتھ ہو گئے۔ امر سنگھ نے مجھے اپنا بھائی بنا لیا۔ میں نے امر سنگھ کو اپنی روداد سنائی وہ متاثر ہوا اور میرے ساتھ میرے گرو بابا رامداس کے پاس چلنے کو تیار ہو گیا۔ ہم دونوں اپنے ساتھیوں کے ساتھ باباکی خدمت میں پہنچے۔ وہاں ان کے ایک اور شاگرد جیون داس ملے۔ ہم ان دونوں کی تعلیمات سے فیضیاب ہوئے۔ امر سنگھ نے بابا کی شاگردی قبول کر کے ان کے خیالوں کی اشاعت کی قسم کھائی۔ یہاں ہم کو ایک مہینہ سے زیادہ ہو گیا۔ ایک دن ہم لوگ رامپور نامی گاؤں میں جہاں کا رئیس گنگا سنگھ تھا پہنچے۔ ہم دونوں اس کی بیٹھک میں تھے، جہاں کئی لوگ افیون کھا کر آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ وہ ظالم سنگھ کے آدمی تھے اور امر سنگھ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ یہاں گنگا سنگھ کی بیٹی رکما بائی کے حسن کے فریفتہ ہو گئے تھے۔ ظالم سنگھ بھی آگیا اور اس کے کہنے سننے سے امر سنگھ اس کے ساتھ جودھپور چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔ امر سنگھ کے آدمی اس کے ساتھ ہو گئے اور میں بھیس بدل کر اس کی خبر گیری کرتا رہا۔ جودھپور کے دربار میں یکے بعد دیگرے امر سنگھ سے مختلف لوگ سوال کرتے رہے۔ اور یہ جواب دیتا رہا۔ آخر راجا نے کہا تو بابا کی شاگردی اور ناہر سنگھ کی دوستی سے باز آ۔ امر سنگھ نے ان دونوں باتوں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ راجا نے اس کی جلاوطنی کا حکم دیا اور اس کے بجائے اس کے چھوٹے بھائی جسونت سنگھ کو ولی عہد بنا دیا۔ امر سنگھ دربار سے نکلا تو اس کا چھوٹا بھائی روتا ہوا ساتھ چلنے کے لئے ضد کرنے لگا۔ امر سنگھ اس کے آنسو پونچھ کر اور سمجھا کر چل دیا۔ بچہ بیہوش ہو گیا اور پھر اسے ہوش نہ آیا۔ امر سنگھ کی بیوی کلاوتی کے علاوہ بہت سے راجپوت اس کے ساتھ ہو گئے۔ یہ لوگ آگرہ پہنچے۔ شہنشاہ شاہجہاں نے ان کو طلب کیا۔ امر سنگھ نے ساری روداد

عرض کی۔ اسے خلعت اور سہ ہزاری منصب عطا کر کے ناگور میں راگھو یندر سنگھ کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ امر سنگھ نے وہاں پہنچ کر اسے بڑی آسانی سے گرفتار کر لیا۔ کچھ بات چیت کے بعد اسے رہا کیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اب وہ امر سنگھ سے نہیں بلکہ اس کے لئے لڑیگا۔ اس کے سب ساتھی بھی اسی بات پر متفق ہو گئے۔ آگرہ پہنچ کر امر سنگھ نے شاہجہاں سے انعام میں راگھو یندر سنگھ کو مانگ لیا۔ مجھے اور راگھو یندر سنگھ کو بھی خلعت ملا اور ہم امر سنگھ کے ساتھ شاہی حکم کی تعمیل میں ناگور آ گئے۔

ظالم سنگھ شاہی منصبداری کا لالچ دیکر گنگا سنگھ کو آگرے لے آیا۔ وہ کسی طرح اس کی بیٹی رکما بائی کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ رکما بائی نے امر سنگھ کو مطلع کیا۔ امر سنگھ قلعہ راگھو یندر کے حوالے کر کے پانچ سات راجپوتوں کو ساتھ لیکر آگرے کے لئے روانہ ہوا۔ میں بھی ساتھ تھا۔ امر سنگھ کی آمد سے گنگا سنگھ فکر مند ہوا۔ طے یہ پایا کہ رکما بائی خود اپنے بارے میں فیصلہ کرے۔ اس نے ظالم سنگھ سے انکار کر دیا۔ ظالم سنگھ نے امر سنگھ کی آمد کی خبر بادشاہ کو دی۔ بادشاہ نے طلب کر کے کہا کہ تم اچھے وقت پر آئے۔ امر سنگھ کو خلعت دیکر کہا کہ مجھے گھوڑے خریدنے ہیں سوداگر آئے ہوئے ہیں۔ تم ان کی جانچ کر لو۔ میں بھی اس کام میں شریک ہو گیا۔ اس سے فرصت ہوئی تو معلوم ہوا کہ گنگا سنگھ اور ظالم سنگھ رکما بائی کو لیکر کہیں فرار ہو گئے۔ ہم ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ رکما بائی کسی طرح اس کی قید سے چھوٹ کر چلی۔ راستہ میں اسے ہم لوگ مل گئے۔ اس نے امر سنگھ کے پیر چھونے چاہے لیکن امر سنگھ نے ہاتھ پکڑ کر اسے گھوڑے پر سوار کر لیا۔ شاہجہاں نے امر سنگھ کو طلب کیا۔ اس کی غلطیوں کے لئے جرمانہ کا حکم دیا۔ امر سنگھ نے کہا میرے پاس تلوار کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ امر سنگھ غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا اس نے سر دربار تلوار چلانی شروع کر دی۔ بخشی الملک اس کی تلوار سے مارے گئے۔ امر سنگھ کے سالے ارجن سنگھ نے پیچھے سے اس کے کٹار ماری جس سے زخمی ہو کر وہ گر گیا۔ بادشاہ نے لاش کو ڈھکنے کے لیے قیمتی دوشالا بھیجا اور حکم دیا کہ اسے تعظیم کے ساتھ ارتھی پر اٹھا کر لے جاؤ۔ اس کی چتا کے ساتھ بوندی والی رانی اور رکما بائی ستی ہو گئیں۔ کل میں بھی دنیا سے کوچ کر جاؤنگا۔"

(۳)

داستان

شیو برت لال نے شاہی کے سلسلے کی سبھی کتابوں کو ناول کہا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ سب ناول نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض ناٹک ہیں اور کچھ داستانیں ہیں۔ داستانوں میں نہ صرف قصہ میں سے قصہ نکلتا ہے بلکہ ان کے کردار خود متحرک اور جاندار نہیں ہوتے ہیں۔ مصنف کا ذہن اور قلم قصے کو آگے بڑھاتا ہے اور عموماً کردار اور ان کے عمل خیالی اور غیر حقیقی ہوتے ہیں۔ شیو برت لال اپنی تصانیف کے ذریعہ سے ایک ایسی دنیا کے تصور کو پیش کرتے ہیں جو ہنوز وجود میں نہیں آسکی ہے۔ ان کی دلی خواہش ہے کہ جس دنیا کا خاکہ وہ پیش کر رہے ہیں وہ جلد از جلد وجود میں آجائے۔

ا۔ شاہی ساہسی :

شیو برت لال نے شاہی کے سلسلے میں جو کہانیاں قلم بند کی ہیں یہ انھیں میں سے ایک ہے۔ اس کتاب کو انھوں نے بڑے دعوے کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کے اندرونی سرورق پر دو شعر لکھے ہوئے ہیں، اس طرح :

"شاہی ساہسی

اولوالعزمانِ دانشمند جب کرنے پر آتے ہیں
سمندر پھاڑتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں
مصنفہ بابو شیو برت لال صاحب ورمن ایم اے
مصور کھینچنا تصویر کا آساں نہیں ہرگز
بنا تصویر ایسی یار کی یا ترک کر دعوا"

یہ قصہ پہلی بار رسالہ وگیانی میں "شیوجی کی ادبھت کہانی" کے عنوان سے چھپا تھا۔ بعد میں دوسری کتابوں کی طرح اس کو بھی لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور نے شائع کیا۔ ہمارے پیش نظر اس کا جو ایڈیشن ہے اس کے ناشر جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز لاہور تھے اور انھوں نے اسے مشہور عالم پریس لاہور میں چھپوایا تھا۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر لکھا ہے کہ :

"جملہ حقوق خریدے گئے ہیں۔"

ممکن ہے کہ لاجپت رائے سے یا شاید خود شیو برت لال سے یہ "حقوق" خریدے گئے ہوں۔ کتاب کے شروع میں "دو دو باتیں" کے عنوان سے مصنف نے ایک صفحہ میں اس تصنیف کے مقصد کا بیان کیا ہے جس کا اختصار یہ ہے :

"نوجوان اس کو ناحق غیر دلچسپ بتا کر بے رخی نہیں کرتے حالانکہ ہمارا بیان خشک فلاسفی سے کوسوں دور ہے...... ہماری غرض صرف اتنی ہے کہ پڑھنے والے ہندو فلسفہ کی مراد سے ناواقف نہ رہیں۔"

قصہ کے دیباچہ کا عنوان "شیو اور پاربتی سمواد" ہے۔ اس میں کچھ گیان دھیان کی باتیں کہی گئی ہیں۔ آخر نندی کی فرمائش پر پاربتی شیو سے کہتی ہے :

"کرپا ساگر اب آپ قصہ ہی کہیے۔"

اور شیو اس طرح "قصہ کا آغاز" کرتا ہے :

"اداسین نام کا ایک راجا تھا۔ اس کے راجکمار کا نام ادبھت سنگھ تھا۔ بخومیوں کے کہنے سے نظر بد سے بچانے کے لئے اسے پیدا ہوتے ہی ایک چہار دیواری میں محصور کر دیا گیا لیکن ادبھت سنگھ گھونسوں کی ضرب سے دیواروں کو گرا کر آزاد ہو گیا۔ راستے میں اسے ضعیف الجسم، ضعیف العطش، ضعیف البصر، ضعیف الاشتہا اور انگھو تھیا نامی پانچ ساتھی ملے۔ وہ ایک بھٹیارے کی سرائے میں ٹھہرے۔ اتفاق سے اسی دوران بھٹیارے کے بیٹے کی شادی ہوئی۔ شادی کے بعد شاہی اہلکاروں نے بھٹیارے کے کان میں کچھ کہا جسے سن کر بھٹیارا چیخ مار کر بیہوش ہو گیا اور باقی سب لوگ رونے لگے۔

معلوم ہوا کہ اس شہر میں ایک راکشس آتا ہے۔ پچیس من روٹی اور ایک آدمی کو کھاتا ہے۔ اب بھیارے کے بیٹے کی باری ہے۔ اود بھت سنگھ نے اس راکشس کو مار ڈالا جس کے صلے میں اس کے کہنے سے راجا نے ضعیف الجسم کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کردی اور پانچوں ساتھی سلطنت پر پانچ راجوں کی طرح راج کرنے لگے۔

اود بھت سنگھ انگوٹھیا کو ساتھ لیکر آگے بڑھا۔ اب وہ جس شہر میں پہنچا اس کے مالک کی ایک دولتمند بیٹی تھی جس نے اپنی شادی کے لئے کچھ شرطیں مقرر کی تھیں۔ وہ ان شرطوں کو پورا نہ کرنے والے کا سر کاٹ کر کنگروں پر لگا دیتی تھی۔ اود بھت سنگھ نے اس کی سب شرطیں پوری کر دیں۔ اس کے بعد اود بھت سنگھ نے معمہ کے طور پر گیارہ کہانیاں سنائیں۔ دس کا جواب تو عورت نے دیدیا۔ گیارہویں کے جواب میں اس نے کہا:

"راجکمار میں ہاری تم جیتے۔"

اور اس کی شادی انگھوٹھیے کے ساتھ ہو گئی۔

آخری ابواب میں شیوجی مذکورہ قصوں کے علامتی بیانوں کی وضاحت کرتے ہیں اور کتاب "استتی کی غزل" پر ختم ہو جاتی ہے۔

اس قصے کو بھی ناول کہا گیا ہے لیکن جیسا کہ ظاہر ہے کہ اس میں قصے میں سے قصے نکلتے گئے ہیں اور بیشتر قصے خیالی ہیں، اس لئے اس کو ناول کہنا صحیح نہیں ہے۔ اپنے طرز بیان وغیرہ کے اعتبار سے بھی اسے داستانوں ہی کے دائرے میں رکھنا مناسب تر ہے۔ زبان پر کہیں کہیں ہندی بلکہ سنسکرت کا اثر نمایاں ہے۔ اسی طرح بعض مقاموں پر فارسی اور عربی کی ترکیبوں سے عبارت گرانبار ہے۔ کرداروں کے ناموں میں بھی یہ صورت دیکھی جاسکتی ہے۔

۲۔ شاہی جادوگرنی :

یہ کہانی شیو برت لال نے لاہور میں ۱۹۱۸ء میں قلم بند کی تھی۔ اس کا دیباچہ انھوں نے اسی سال دسمبر کے مہینے میں لکھا تھا اور یہ وگیانی کی بارہویں یا تیرہویں جلد میں پہلی بار

شائع ہوئی تھی۔ اس کے اندرونی سرورق پر بھی کچھ اشعار لکھے ہیں۔ اس طرح:

"شاہی جادوگرنی...... جس کی کہانی میں سحر اور جادو کے اصلیت بھی دکھائی گئی ہے ایک تواریخی داستان ناول کے پیرایہ میں۔

بات کچھ ہے اوراس کو کچھ سمجھتا ہے بشر
اس لئے باتوں میں اس کی کچھ نہیں ہوتا اثر
اس کہانی کو پڑھوگے تم اگر باذوق وشوق
میں یہ کہتاہوں کہ انسانوں پہ ہوگا تم کو فوق
جہل شے سے علم شے بہتر حقیقت میں ہے گر
علم کے سرِ خفی کی چاہیے کچھ تو خبر

مصنفہ بابو شیوبرت لال ورمن ایم اے

عورت کی فضیلت

توزیبِ آسماں ہے تو زینتِ زمیں ہے
گر شیو کی تو اُما ہے وشنو کی لکشمیں ہے
باحسن وخوش ادائی باناز و دلربائی
رہتی ہے دور سب سے اور سب کے توقریں ہے
آئینہ بن کے سب کی صورت دکھارہی ہے
خاتم صفت ہے دنیا اور اس میں تو نگیں ہے
آسائش دوگیتی ، ہر دوجہاں کی راحت
آ یک نظر دکھا جا، تو سچی نازنیں ہے

مطبوعہ کاشی رام پریس منشی گوری شنکر لال اختر ایڈیٹر کاشی رام پرنٹر"

اس کتاب کے اشتہار میں کہا گیا ہے کہ :

"اس قسم کی کتاب اردو لٹریچر میں اب تک شائع نہیں ہوئی۔ شاہی جادوگرنی نے وہ کمال دکھایا ہے کہ باید وشاید۔ اس میں آسام کی ایک رانی کا حال ہے جو جادو سے

کام لیتی تھی۔ اس کا جادو اس کتاب کے پڑھنے سے سمجھ میں آجاتا ہے۔"

مصنف نے دیباچہ کے شروع میں نو شعر لکھے ہیں مطلع یہ ہے۔

بتاؤں گا تم کو رازِ ہستی، نئی کتابیں پڑھا پڑھا کر
جتاؤں گا نکتۂ حقیقت کہانیوں کو سنا سنا کر

اس کے بعد ہندوؤں کے قدیمی مذہبی لٹریچر کا تعارف کرایا ہے اور پھر لکھا ہے کہ:

"میں ناول نویس نہیں ہوں...... میں نے صرف قصہ گوئی کا فرض اپنے ذمہ لیا ہے...... اس لئے قصہ میں منتر اور تنتر شاستروں کے مضمون پر کچھ روشنی ڈالنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ سحر اور جادو اصل میں کیا ہے؟ قدیم ہندو اسے کیا سمجھتے تھے؟ اس میں یہی مضمون زیر بحث آیا ہے تاکہ ہمارے عزیز تنتر شاستروں کی بیجا حرف گیری سے اپنی زبان کو روک رکھیں اور رشیوں کے علوم کی بے قدری نہ کریں۔"

اس دیباچے کے بعد دو مختصر غزلیں عورت کی مذمت کے عنوان سے لکھی ہیں اور پھر اصل قصہ شروع ہوتا ہے۔ یہ قصہ پانچ حصوں میں منقسم ہے اور ہر حصے میں ابواب کی تعداد حسب ذیل ہے۔

پہلے حصے میں سات باب ہیں دوسرے حصے میں چھ باب ہیں
تیسرے حصے میں نو باب ہیں چوتھے حصے میں چار باب ہیں، اور
پانچویں حصے میں تین باب۔

"اس قصے کی ہیروئن ایک راجکماری ہے جو اپنے حالات خود بیان کرتی ہے، اس طرح:
میرا باپ شیل مان کا مرودیس کا راجا تھا۔ میری ماں چنڈ کا رانی تھی۔ جب میں گیارھویں برس میں پہنچی، میری ملاقات پندرہ برس کی ایک لڑکی سے ہوئی جس کا نام لونا چماری تھا۔ میں اسے اپنے ساتھ محل میں لے آئی۔ چھ مہینوں کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ میں گرو گورکھناتھ کی چیلی ہوں اور جو علم تم کو دینا چاہتی ہوں لوگ اسے جادو کہتے ہیں اور سنسکرت کے تمام منتر اس سے بھرے ہوئے ہیں۔ لونا نے مجھ سے

برت رکھوائے۔ کھانے پینے میں اعتدال اور کمی کی ہدایت کی۔ ایکانت میں بٹھا کر سادھن سکھایا۔ اس میں چھ مہینے گذرے اور میں ایک طرح سے مکمل جادوگرنی ہوگئی۔ کیا مجال کوئی مجھے دیکھے اور مطیع نہ ہو جائے۔..... پھر لونا نے کہا کہ مجھے پنجاب کی رانی بننے کا شوق ہے۔ کچھ مدت بعد پنجاب کا راجا شالباہن فوج لیکر کامروپ آیا۔ اس کی نظر لونا سے لڑی اور وہ بیخود ہو گیا۔ اس کی درخواست پر میرے باپ نے لونا کی شادی اس کے ساتھ کردی اور اس طرح وہ سچ مچ پنجاب کی رانی بن گئی۔

میں اپنے باپ کے دربار کے ایک معمولی حیثیت کے کشتری لڑکے لاگھو سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد میں رانی ہوگئی۔ اس کے دوسرے ہی دن لاگھو غائب ہو گیا۔ میں نے اس کو تلاش کر کے لانے کا حکم جاری کیا مگر لاگھو کا پتا نہ چلا۔ آخر میں نے اپنے جادو کے زور سے یہ حقیقت معلوم کی کہ وزیر اور سپہ سالار نے لاگھو کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے لاگھو کی لاش حاصل کر کے چتا کو اپنے ہاتھ سے آگ دی۔ میں نے اپنی ایک سہیلی کملا کو سپہ سالار اور دوسری نندی کو وزیر اعظم بنا کر حکم دیدیا کہ وہ مردانہ لباس میں ان عہدوں کے فرائض کو ادا کیا کریں۔ میں نے لاگھو کی روح کو طلب کر کے اس سے معلوم کیا تو پتا چلا کہ پچھلا وزیر اور سپہ سالار منی پور کے راجا سے مل کر میرے خلاف سازش میں مصروف ہیں۔ میں نے منی پور کی ان عورتوں کو جو میرے ملک میں رہتی تھیں اپنا چیلا بنا کر فوج میں بھرتی کرلیا اور جاسوسی وغیرہ کاموں پر لگادیا اور پچھلے وزیر اور سپہ سالار کی جاگیریں ضبط کر کے ان کے رشتہ داروں کو نظر بند کردیا۔ منی پور کے راجا نے ان کی مدد سے حملہ کیا۔ میری فوجوں نے راجا اور ان دونوں غداروں کو گرفتار کرلیا۔

اتفاق سے متسیندر ناتھ اپنے ایک چیلے کے ساتھ ہمارے علاقے میں آئے۔ میں نے ان کے ساتھ اور بملا نے ان کے چیلے کے ساتھ شادی کرلی۔ میرے یہاں جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام گش اور بملا کے بیٹے کا نام لو رکھا گیا۔ ایک دن راتل ہالوں کے ساتھ گورکھناتھ آئے اور وہ متسیندر ناتھ اور اس کے چیلے کو اپنے ساتھ لے گئے۔ پھر

گورکھناتھ نے میرے بیٹے کش کو راجا بنایا اور پرانے سپہ سالار اور وزیر کو بحال کر کے چلے گئے۔"

یہ ایک جادوگرنی کی کہانی ہے اور اس میں جادوگری کے علاوہ روحوں کے قصے اور ان کے معاملات کا بھی بیان ہے اور انھیں خیالی اور ماورائی واقعات سے اس داستان کا تانا بانا تیار کیا گیا ہے۔ بیچ بیچ میں بعض ضمنی قصے بھی آگئے ہیں جن سے قصہ در قصہ والی صورت بھی پیدا ہو گئی ہے چنانچہ اس کو ناول کے مقابلے میں داستان ہی کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ مکالمے اچھے ہیں اور بیان کا انداز دلچسپ ہے۔ زبان میں بھی اعتدال کی صورت ہے اور ضرب الامثال کے استعمال سے بیان میں بلاغت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس میں عورتوں اور مردوں کی فطرت اور ان کے کردار و عمل کا تجزیہ بھی سلیقے سے کیا گیا ہے۔

۳۔ وضعدار موتی :

اس کے اندرونی سرورق کے اندراجات اس طرح ہیں:

"وضعدار موتی۔ حد درجہ کا اخلاق آموز، اس کے مضمون کا عطر۔

عورت اگر کسی کی ہے باشرم و باوفا
عصمت مآب ، صورت و سیرت میں دلربا
اس سے یہ کہہ دو ، دنیا میں باعزّ و جاہ ہے
گروہ گدا ہو تب بھی یہاں بادشاہ ہے

(نوٹ) اس کا ضمیمہ خاص طور پر بار بار مطالعہ کرنے کے قابل ہے۔ جو سرسری طور پر پڑھیں گے قدرت کے راز سے واقف ہونگے۔ جو اس کے عامل ہوں گے، دنوں اور مہینوں کے اندر اپنی زندگیوں کو خوشگوار اور بالطف بنائیں گے"

اس کے بھی ناشر جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تھے اور انھوں نے اسے رفیق عام پریس لاہور میں چھپوایا تھا۔

مصنف نے اس کا دیباچہ ۱۹ر مئی ۱۹۲۸ء کو ریاست بھاولپور (پاکستان) میں قیام کے زمانے میں لکھا تھا۔ اس میں قابل توجہ مطالب یہ ہیں:

"یہ قصہ نہ بالکل جھوٹا ہے، نہ بالکل سچا ہے، واقعات صحیح ہیں۔ طرز بیان خیالی ہے۔ کہیں کہیں پرانی کہاوتوں اور ضرب الامثال سے بھی کام لیا گیا ہے۔ ان واقعات کا ظہور راج بنارس کے ضلع بھدوہی میں ہوا ہے۔ نام بھی فرضی نہیں ہیں۔ اس کے لکھنے کی غرض یہ دکھادینا ہے کہ بااصول آدمی کی زندگی اسی دنیا میں بہشتی ہو جاتی ہے۔ بصورت دیگر زندگی دوزخی بن جاتی ہے۔"

یہ رائے پور کے ایک بسین راجپوت گھرانے کا قصہ ہے جس میں کیہری سنگھ، اس کی بیوی، رتناولی اور دو بیٹیاں مونگا اور موتی کُل چار نفر تھے۔ کیہری سنگھ کو لڑکیوں کی شادی کی فکر تھی۔ اتفاق سے پڑوس کے گاؤں کے دو بیٔس راجپوت لڑکوں بھوری سنگھ اور جھوری سنگھ کا ادھر سے گذر ہوا۔ لڑکیوں کو دیکھا، دل دے بیٹھے۔ ان کے گھر پہنچ گئے۔ کیہری سنگھ نے مہمان رکھا۔ دونوں لڑکوں نے تعریف کر کر کے کھانا کھایا۔ باتوں باتوں میں یہ بھی ظاہر کر دیا کہ دونوں خاندانوں میں پہلے سے رشتہ داریوں کا سلسلہ چلا آتا ہے۔ بات نکلی تو موتی نے کہا کہ میں اس سے شادی کرونگی جو اس سال بھر میں پاو بھر سن کی لکڑی کی راکھ دے۔ مونگا نے پانچ سیر تل کی لکڑی کی راکھ کی شرط رکھی۔ شادی کی بات نکلی۔ لڑکوں نے لڑکیوں کی شرط سنی۔ خوش ہوئے اور اسے پورا کرنے کا وعدہ کیا۔ نائی پروہت بلائے گئے اور دھوم دھام سے شادی ہو گئی۔ دونوں میاں بیوی میں بحثیں ہوتی رہتی تھیں۔ دونوں مرد اپنی عورت کو خوبصورت اور عقلمند کہتے تھے اور دونوں عورتیں اس کے برخلاف دلیلیں پیش کرتی رہتی تھیں۔ اپنے اپنے دعوے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے چاروں چھوٹے چھوٹے قصے سناتے تھے۔ اپنی بیویوں کی شرط پوری کرنے کے لئے ایک نے سن اور دوسرے نے تل کی کاشت کی۔

اس میں ان کو زبردست نفع ہوا۔ دونوں عورتوں نے پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ لالہ رنگ لال نامی ایک سن رسیدہ استاد ان کو پڑھانے لگے۔ دونوں مردوں نے بھی انھیں سے تعلیم حاصل کی۔

کیہری سنگھ اور ان دونوں کے یہاں لڑکے پیدا ہوئے۔ موتی اور مونگا کے بیٹوں کا نام رام سنگھ اور لکشمن سنگھ اور کیہری سنگھ کے بیٹے کا نام ہربنس سنگھ رکھا گیا۔ کیہری سنگھ کے پنڈت نے موتی اور مونگا کے لڑکوں کے لئے کہا کہ یا تو یہ امیر اور اچھے ہوں گے یا پھر اچھے سادھو نکلیں گے۔ اور اس نے دعا دی کہ یہ رام لکشمن کی جوڑی ہمیشہ سلامت رہے اور اجودھیا کے رام لکشمن کی طرح یہ بھی نیک نام ہوں۔

رام لکشمن کی شادی طے ہوئی۔ انھوں نے انکار کیا۔ ماں باپ نے شادی کی ٹھان لی۔ وہ دونوں اچانک غائب ہو گئے۔ لوگوں نے کہا جس گھر میں ہمیشہ رامائن ہوتی ہے اس پر کسی نہ کسی قسم کی تباہی ضرور آتی ہے۔ چونکہ رنگ لال سے ہی گاؤں میں لکھنے پڑھنے کا رواج ہوا، اسے سمجھا بجھا کر اس کے گھر روانہ کر دیا گیا۔ کیہری کے پنڈت سے پوچھا گیا۔ اس نے بتایا کہ اگر دونوں لڑکے باقاعدہ سادھو ہو گئے تو واپس نہیں آئیں گے۔ دوسری صورت میں اگر ان کا گرو کہہ دیگا تو واپس آجائیں گے۔

دونوں لڑکے جس پنڈت کے یہاں تعلیم پا رہے تھے اس کے دو بیٹیاں تھیں۔ اس نے ان لڑکوں سے ان کی شادی کرنی چاہی۔ انھوں نے جب بتایا کہ ہم برہمن نہیں ہیں تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اس نے انھیں بددعا دی کہ تم گھر جا کر شادی کر لو اور گرودکشنا کا تقاضا کیا۔ یہ گھر پہنچے۔ ماں باپ اور سارا گاؤں خوش ہو گیا۔ جن لڑکیوں سے ان کا رشتہ ہوا تھا انھیں کے ساتھ ان کی شادی ہو گئی۔

اگرچہ مصنف کا دعوا یہ ہے کہ اس نے صحیح اور سچے واقعات قلم بند کئے ہیں اس میں بیشتر باتیں ایسی ہیں جن کا تعلق عقیدے سے ہے۔ بعض واقعات بھی ایسے ہیں جو خیالی غیر حقیقی اور غیر فطری معلوم ہوتے ہیں۔ بات میں سے بات اور قصہ میں سے قصہ نکلتا جاتا ہے چنانچہ اس کے پلاٹ کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ منظم

اور منضبط ہے۔ بیان کا انداز بھی داستانوں کا جیسا ہے۔ بے شک بعض کرداروں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ بطور مجموعی منفرد مزاج اور اپنے عمل میں کسی نہ کسی حد تک مختار ہیں لیکن محض اتنی بات اس کے ناول قرار دیے جانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس میں ناول کے مقابلے میں داستان کے مناسبات زیادہ موجود ہیں۔ قصہ کے آخر میں سبقوں کی صورت میں جو ضمیمے شامل کئے گئے ہیں وہ بھی اسی حق میں ہیں کہ اس کو داستانوں کے زمرے میں شامل کیا جائے۔

(۴)

ناٹک

مہرشی شیوبرت لال سنسکرت کے بھی عالم تھے اور انھوں نے اس زبان میں لکھے جانے والے قدیم ناٹکوں کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ وہ ان سے متاثر بھی تھے۔ انھوں نے اردو میں جب قصے کہانی لکھنے شروع کیے تو اکثر میں بے ساختہ طور پر مکالماتی انداز پیدا ہو گیا۔ بعض میں انھوں نے بہ ضرورت مکالمے لکھے اور وہ مکالمے عموماً حسب حال اور کامیاب تھے۔ پھر انھوں نے ارادی اور شعوری طور پر کئی ناٹک لکھ ڈالے۔ یہاں نمونہ کے طور پر ان کے محض چند ناٹکوں کا مجملاً تعارف کرایا جاتا ہے۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہاں یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ شیوبرت لال کے ناٹک بیشتر نثر میں ہیں لیکن ان میں سے تقریباً سبھی میں کم و بیش منظوم مکالمے بھی شامل ہیں۔ یہ منظوم مکالمے ان کی طبیعت کی موزونی کے مظہر ہیں۔

۱۔ بھگت، بھگونت، بھگتی :

یہ پانچ سین کا ایک ڈرامہ ہے جس میں بھگت سداماں اور سری کرشن کی دوستی کو موثر انداز سے دکھایا گیا ہے۔ یہ رسالہ وگیانی میں مئی ۱۹۱۵ء میں چھپا تھا۔ پھر اسے لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور نے انقلاب اسٹیم پریس میں چھپوا کر دوبار شائع کیا تھا دوسری بار یہ بتیس صفحوں پر چھپا تھا۔ اس کے اندرونی سرورق پر یہ عبارت لکھی ہے :

"بھگت بھگونت بھگتی۔۔ پریم اور بھگتی کی دلکش تصویر،

دوستی کے نباہ کا موثر فوٹو، رنج و غم کے بعد خوشی اور مسرت کا دور،

ممکن نہیں کہ اس پُر درد کہانی کو پڑھ کر آپ رو نہ دیں"

اس ڈرامے کے بیشتر مکالمے منظوم ہیں۔ اصل ناٹک شروع ہونے سے پہلے دو صفحوں کی تمہید ہے جس میں اندر، رمبھا اور کوبیر کا مکالمہ ہے۔ اس مکالمہ میں کہا گیا ہے کہ اِندر کی فرمائش اور کُبیر کے مشورے سے رمبھا یہ عشق کی داستان پیش کرتی ہے۔ رمبھا پانچ شعر کی غزل پیش کرتی ہے جس کا مطلع یہ ہے کہ ؎

عشق کی منزل کا کوئی رہنما ملتا نہیں

کس کی الفت کا بھریں دم آشنا ملتا نہیں

اس کے بعد اصل ناٹک شروع ہوتا ہے۔ پہلے سین میں سداما اور اس کی بیوی جمنا کا منظوم مکالمہ ہے۔ مکالمہ کا انداز یہ ہے :

سوداما : خدا پر بھروسہ ہو گر ہر زماں
تو ہوگا کبھی آپ وہ مہرباں

جمنا : خدانے دئے ہاتھ اور پاؤں گر
تو کیوں کام سے جی چرائے بشر

سوداما : مری ہے ہمیشہ خدا پر نظر
خدا کام کرتا ہے سب جان کر

جمنا : ہو غفلت کے پنجوں میں تم مبتلا
عبث لیتے رہے ہو نام خدا
خدا رزق دیتا ہے بیشک مگر

وسیلہ بھی کچھ چاہیے بے خبر

سوداما: پھر میں کیا کروں:

جمنا: مرد ہو گھر سے باہر نکلو کسی قسم کا کام کاج کرو

بیشتر مناظر کا بیان منظوم مکالمے، مثنوی یا غزل کی ہیئت میں ہے لیکن کہیں کہیں دوسری شعری اصناف بھی ملتی ہیں چنانچہ ذیل کی سطور میں ایک ترجیع بند نقل کیا جاتا ہے جو ایک داسی دوسری داسیوں کے ساتھ مل کر تمسخر کے انداز میں گا کر سداما کو جو ہیر وہے سناتی ہے۔

مندر دیکھ ڈرے سداما جی مندر دیکھ ڈرے
آپت بپت میں نس دن بیتے کشت اگنی میں جرے
جگ بیری، سنسار شترو بن چھاتی کودوں درے
سداما جی مندر دیکھ ڈرے

کہاں گئی میری بپت کی ماری بالک کیسے مرے
کہاں ہاے میرا چھوٹا جھونپڑا کچھ نہیں درشٹی پڑے
سداما جی مندر دیکھ ڈرے

دیکھ دیکھ یادارن دکھ کو من کیوں دھیر دھرے
کیسی کروں آنکھ بھنی سوجھے پاجگ دیش ہرے
سداما جی مندر دیکھ ڈرے

اسی گانے پر ڈراپ سین ہو جاتا ہے
آخری صفحہ پر چتاونی (نظم) ہے جو مصنف نے اپنے پڑھنے والوں کے لئے لکھی ہے۔
اختصار کے باوجود شیو برت لال کا یہ نظم آمیز نثری ناٹک دلچسپ بھی ہے اور اپنے

مطالب کے اعتبار سے قابل توجہ بھی۔ اس میں خدا پر بھروسہ رکھنے کے ساتھ ساتھ شخصی عمل کی اہمیت بھی بیان کی گئی ہے۔

۲۔ شاہی بھگت :

مصنف نے اس کو تاریخی ناٹک قرار دیا ہے۔ یہ پہلی بار رسالہ وگیانی کے جولائی ۱۹۱۵ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ پھر لاجپت رائے ساہنی نے چھپوا کر اسے لاہور سے ۱۹۲۳ء میں شائع کر دیا تھا۔ یہ ڈرامہ ایک بنگالی قصہ پر مبنی ہے۔ اس کا قصہ اس طرح ہے :

"گوپی چند سندر نگر بنگال کا راجا تھا۔ اس کی ماں میناوتی جالندھر نامی ایک جوگی کی چیلی ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ سے محل میں جوگیوں کی عزت بڑھ گئی جگن ناتھ پنڈت کو اس صورت حال سے حسد پیدا ہوا۔ اس نے جوگیوں کے رسوخ کو ختم کرنے کے لئے رانی میناوتی کو ناحق بدنام کرنا اور راجا کے کان بھرنا شروع کر دیا۔ موقع پا کر اس نے جالندھر کو اس کی محویت اور سمادھی کے وقت ایک کنویں میں دفن کرا دیا۔ رانی کو اس سے دکھ ہوا اور جوگیوں نے بھی شہر میں تہلکہ مچا دیا۔ راجا کو بھی پنڈت کی شرارت کا پتا چل گیا۔ اس نے گورکشناتھ کی صلاح سے کنویں کو کھدوا کر جوگی جالندھر کو نکلوایا۔ جوگی نے گوپی چند کو اپنا چیلا بنا لیا اور اس کے قصور کو معاف کر دیا اس کے بعد راجا کا از سر نو تلک ہوا۔"

اس کتاب کا ذکر شیوبرت لال نے اپنی کتاب شاہی جادوگرنی میں بھی کیا ہے۔

۳۔ شاہی بھگتنی :

اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ ناول بھی لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور نے شائع کیا تھا

یہ ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا اس لئے کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی۔ ظاہراً یہ بھی شاہی بھگت کی طرح ناٹک ہی ہوگا۔ اس کا زمانہ تصنیف بھی تقریباً وہی ہوگا۔ اس کے ایک اشتہار میں ہے کہ:

"دلچسپ قدیم کہانی کا بیان، رنج وتردد، فکر و پریشانی، سرگردانی و حیرانی کا دردناک نظارہ، بھکشو فقیروں کے امن قایم کرنے کا سچا تاریخی واقعہ طرز تحریر نہایت ہی دلپسند۔"

۴۔ راج بھگتنی:

یہ ناٹک بھی پہلی بار رسالہ وگیانی کی دوسری جلد میں چھپا تھا۔ بعد میں لاجپت رائے ساہنی نے اسے پنجابی سیٹم پریس لاہور میں ۱۹۲۴ء میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ یہ صرف پچپن صفحوں پر محیط ہے۔ اس کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ:

"۳۵ ایک ہندو شاہی خاندان کی مشہور خاتون میرا بائی کا مصیبتیں جھیلنا، دشمنوں کو پسپا کرنا اور پھر اُن پر غلبہ حاصل کر لینے کے بعد انھیں معاف کر دینا، اس کتاب میں مذکور ہے۔ یہ ایشور پرشواس اور پریم کی زندہ تصویر ہے۔"

انداز بیان اس کا بھی وہی ہے۔ بیچ بیچ میں منظوم مکالمے ہیں جن میں سے بیشتر غزل کی ہیئت میں ہیں۔

۵۔ راج بھگت:

یہ بھی ناٹک کے پیرایہ میں ہے۔ اس میں گوپی چند اور سدااماں کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بھی پہلی بار رسالہ وگیانی کی تیسری جلد میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ بعد میں اسے بھی لاجپت رائے نے لاہور سے چھپوا کر شائع کر دیا۔ اس کے ایک اشتہار میں لکھا

ہے کہ:

"۳۶۔ راج بھگت۔ بڑھاپے میں شادی کے مضر نتائج سوتیلی ماں کے عبرت انگیز، اور شرمناک سلوک، سچائی کی زبردست فتح، پورن جتی کی سبق آموز کہانی، ناٹک کے پیرایہ میں۔"

افسوس ہے کہ یہ بھی ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا:

حواشی

(۱)

۱ تا ۳۔ قصہ کہانی مشمولہ مارتنڈ، فروری ۱۹۱۱ء ص ۲۱ تا ۲۵

۴ تا ۵۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۳

۶۔ ہماری ماتائیں (دیال ایڈیشن) ص ۱۲ تا ۱۳

۷۔ ایضاً ایضاً ص ۱۳

۸۔ ایضاً (مطبوعہ لاہور)۔ دیباچہ مصنف

۹۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۱۰۔ سندھ دیش کے پرانے قصے ص ۶ تا ۷

(۲)

۱۱۔ شاہی جادوگرنی ص ۸ ۱۲۔ آبدار موتی ص ۱۴

۱۳۔ شاہی بھکاری ص ۴ تا ۵ ۱۴۔ آبدار موتی ص ۱۴

۱۵۔ سندرا اندرا ص ۵ تا ۶ ۱۶۔ آبدار موتی ص ۱۵

۱۷۔ شاہی بھکاری ص ۶ تا ۷ ۱۸۔ گلستان ہزار رنگ ص ۵۶

۱۹۔ شاہی بھکاری ص ۳ ۲۰۔ شیو شمبھو ستمبر ۱۹۱۷ ص ۸۹

۲۱۔ شاہی ڈاکو، فہرست کتب ص ۹ ۲۲۔ شیو شمبھو مئی ۱۹۱۸ ص ۲

۲۳۔ مان سرو ور لاہور نومبر ۱۹۳۳ ص ۵۰

۲۴۔ ایضاً ایضاً ص ۴۸

۲۵۔ شاہی بھگتنی ص ۱۱۴ ۲۶۔ شاہی ڈاکو، فہرست کتب ص ۹

۲۷۔ ازادی کی کنجی ص ۲۵ ۲۸۔ ابدار موتی ص ۱۹۹

۲۹۔ دیال جوگ ص ۳۸ ۳۰۔ ہوشیار موتی، دیباچہ ص ۲

۳۱۔ دلدار موتی ص ۲۲۲ ۳۲۔ ہوشیار موتی ص ۲ تا ۳

۳۳۔ دلدار موتی ص ۲۲۰

۳۴ تا ۳۶۔ شاہی ڈاکو۔ فہرست کتب ص ۱۰

چوتھا باب

ترجمے

ترجمے کے کام کے لیے ضروری ہے کہ مترجم کو دونوں زبانوں یعنی وہ جس سے ترجمہ کیا جارہا ہے اور وہ جس میں ترجمہ کیا جاتا ہے، پر نہ صرف حاکمانہ قدرت حاصل ہو بلکہ دونوں کی روایات اور تلمیحات سے بھی وہ کماحقہٗ واقفیت رکھتا ہو۔ ان میں سے جس پہلو کی طرف بھی کمزوری ہو گی، اسی اعتبار سے ترجمہ ناقص ہو جائیگا۔

اکثر لوگ متون کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں لیکن لفظی ترجمے کے لئے دونوں زبانوں میں مرادف اور ہم معنی الفاظ کی جستجو کے لیے جس لیاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ عام نہیں ہے، اس لیے ایسے ترجمے کبھی کبھی ترجمے کے بجائے پیروڈی بن جاتے ہیں۔ اسی صورت حال نے ایک زبان کے متون کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لیے ایک دوسری راہ نکال لی ہے، جسے عام طور سے اصطلاح میں آزاد ترجمہ کہتے ہیں۔ آزاد ترجمے میں مترجم کو اصل متن کے الفاظ سے بہت زیادہ سروکار نہیں ہوتا ہے۔ اس کی ساری توجہ مفہوم پر ہوتی ہے اور وہ کوشش اس بات کی کرتا ہے کہ دوسری زبان میں اصل متن کے مفہوم کے زیادہ سے زیادہ قریب تک پہنچ جائے۔ اس قسم کے ترجمے کے لیے اصل زبان پر حاکمانہ قدرت بھی درکار نہیں ہوتی ہے البتہ جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے اس کے لغات، روزمرہ اور محاورے پر گرفت کا ہونا کافی ہوتا ہے۔ آزاد ترجمے میں اصل متن کے ایک ایک لفظ کے محلِ استعمال اور معنی کے مختلف پہلوؤں پر چونکہ توجہ زیادہ نہیں ہوتی، ان کو تحقیق کے نقطۂ نظر سے لایق اعتماد نہیں کہا جاسکتا ہے۔ ان کی افادیت کا دایرہ بھی عام آدمی تک محدود ہوتا ہے۔

شیوبرت لال نے مختلف زبانوں کی ایسی کتابوں کے مفاہیم کو جو ان کے مفیدِ مطلب تھیں اپنے مخصوص انداز سے اردو میں منتقل کیا تھا۔ اصل متون کے لفظوں پر غور کرنا اور ان سے متعلق بحثوں میں الجھنا نہ ان کو مقصود تھا اور نہ اس کام کے لیے ان کے پاس فرصت ہی تھی۔ وہ جو کچھ چاہتے تھے، یہ تھا کہ اصل کتابوں کے مطالب کو قارئین کے سامنے اس طرح پیش کردیں کہ ان سے شیوبرت لال کے

متعین مذہبی نقطہ نظر کی تائید، تشریح اور توضیح ہوتی ہو۔ انھوں نے لفظی ترجمے زیادہ نہیں کیے تھے۔ ان کے بیشتر ترجمے آزاد ہی کی ذیل میں آتے ہیں۔

(الف) انگریزی سے ترجمے :

شیوبرت لال کا کہنا ہے کہ :

"[1] میں ترجمہ کے کام سے کوسوں دور بھاگتا ہوں۔ اپنی چیز اپنی ہی ہے۔ مانگ تانگ کی مانگ تانگ ہی کی ہوتی ہے"۔

واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے عموماً تصنیف و تالیف ہی کے کام کیے ہیں۔ صرف بہ ضرورت چند کتابوں کے ترجمے کیے ہیں۔ جو ترجمے انھوں نے کیے ہیں، ان میں سے صرف بعض لفظی ترجمے کی ذیل میں آتے ہیں۔ عموماً انھوں نے آزاد ترجمے کیے ہیں یعنی جس کتاب کو انھوں نے اپنی زبان یعنی اردو میں منتقل کیا ہے، اس کے صرف نفس مضمون کو اخذ کیا ہے اور پیشکش کا انداز ایسا رکھا ہے کہ گویا اس مضمون کو بھی انھوں نے اپنا بنا لیا ہے۔

وہ زمانہ تھا جب تعلیم کا معیار خاصا بلند تھا۔ جو شخص انٹرنس پاس کر لیتا تھا دوسرے نصابی مضامین سے قطع نظر انگریزی زبان میں اچھی مہارت حاصل کر لیتا تھا۔ شیوبرت لال نے تو الہ آباد سے ایم اے کی ڈگری لی تھی۔ پھر شکاگو یونیورسٹی کے لیے انگریزی زبان میں مقالے لکھکر وہاں سے ایم اے اور ال ال ڈی کی اعلا سندیں حاصل کی تھیں۔ خود امریکہ تک کی سیر بھی کر آئے تھے۔ انگریزی زبان پر انھیں ایسی دسترس حاصل تھی گویا یہ ان کی اپنی زبان ہو گئی تھی۔ انگریزی کی کتابوں کو اردو میں منتقل کر دینا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ باوجود اس کے انھوں نے انگریزی سے کچھ ہی کتابوں کے ترجمے کیے تھے۔

(۱) بھگتی یوگ :

شروع زمانے سے ہی شیوبرت لال کو سوامی وویکانند کے ساتھ خصوصی عقیدت تھی۔ اس غیر معمولی عقیدت نے ابتدائی دور میں جب کہ ان کا قیام بریلی میں

تھا ان سے سوامی جی کی ایک سے زیادہ کتابوں کے اردو میں ترجمے کرا لیے تھے۔ ان میں چند کتابیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ پہلی "بھگتی یوگ" ہے۔ اس میں سوامی وویکانند جی کے انگریزی زبان میں لکچروں کا عام فہم اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالب اس طرح ہیں:

۱۔ بھگتی کیا ہے؟ ۲۔ بھگتی کیوں کرنی چاہئے؟

۳۔ بھگتی کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ ۴۔ بھگتی کی قسمیں وغیرہ

(۲) سوامی وویکانند کی تقریریں:

رسالہ دیال حیدرآباد دکن کی جلد ۷ شمارہ نمبر ۵، ۶ میں سوامی جی کی تقریریں شایع ہوئی تھیں۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:

"دیباچہ سوامی وویکانند کی تعلیم امریکہ کے رسالہ نیو تھاٹ کا لفظی ترجمہ چکاگو کی عالی شان نمایش کے موقع پر سوامی وویکانند امریکہ میں آئے۔ یہ ویدانت فلاسفی کے معلم تھے جو دنیا کا سب سے قدیم مذہب ہے۔ یہ ۱۸۵۳ء کی مشہور مذہبی کانگریس میں جو دنیا میں اپنی وضع کی نرالی نمایش تھی، سب سے زیادہ دلآویز شخصیت تھی۔ ساٹن کا لباس زیب بدن تھا۔ سر پر گیروا رنگ کا صافہ بندھا تھا۔ صورت و شکل بہت خوبصورت تھی اور جو شخص ان کو دیکھتا تھا خواہ مخواہ ان کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ جسمانی طور پر بہت آدمیوں سے زیادہ خوبصورت تھے۔ دماغی نقطۂ نظر سے تو اور بھی زیادہ حسین کہے جا سکتے تھے۔ آواز بہت سریلی اور ان کی شخصیت میں مقناطیسی کشش حد درجہ کی دیکھی گئی تھی۔ جنھوں نے ان کے لکچر سنے ان پر ان کی تقریر و فصاحت کا بہت بڑا اثر پڑا۔ چونکہ وہ ہندوستان سے آئے تھے جو بطور خود تصوف اور عجایبات کا ملک ہے ان کے لکچر مشرقی تلازموں اور مشابہتوں سے بھرے ہوے تھے"۔ (ص ۹ تا ۱۰)

اس مجموعہ کے بارے میں اس دیباچے کے آخر میں غالباً مدیر دیال نے یہ اضافہ کیا ہے:

"سوامی جی کی خاص خاص تقریروں کا کتاب ہذا میں اجتماع کیا گیا ہے۔
ناظرین دیال! یہ تقریریں از حد بیش قیمت ہیں۔ ویدانت کے دقیق فلسفہ اور نظام قدرت کی لطیف حقیقتوں کے بہ غور مطالعہ کرنے سے حقیقی معنوں میں خبر ہوتی ہے۔ الخ" (ص ۱۴)

اس مجموعے میں کل نو تقریروں کے ترجمہ کو جمع کیا گیا ہے۔ ان کے عنوان یہ ہیں:

۱۔ اِشٹ دیو ۲۔ ایشور کی بھگتی کیوں کی جائے؟
۳۔ ایشور، جیو اور پرکرتی ۴۔ انسان حقیقی و نمودی (لندن کا لکچر)
۵۔ انسان حقیقی و نمودی (امریکہ کا لکچر) ۶۔ مایا اور بود نمودی
۷۔ مایا اور آزادی ۸۔ برہمہ اور جگت
۹۔ عیب جوئی اور محبت

مرتب نے کتاب کے شروع اور آخر میں کچھ منظومات بھی شامل کر دی ہیں۔
مترجم نے دیباچہ کے عنوان میں ترجمہ کو لفظی قرار دیا ہے۔ اس ترجمہ میں جگہ جگہ اردو فارسی کے اشعار شامل ہیں اور بعض باتیں مترجم کے ذاتی معاملات سے متعلق بھی شامل ہیں اس لیے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ مترجم نے تقریروں کے لفظی ترجمے میں اپنی طرف سے بھی کچھ کچھ اضافے کر دیئے ہیں۔ بہر نوع کتاب کی اہمیت اور افادیت میں کلام نہیں ہے۔

(۳) کرم یوگ:

اس کتاب کو پہلی بار بھارت لٹریچر کمپنی لمیٹڈ لاہور نے، آریہ سٹیم پریس لاہور میں چھپوا کر ۱۹۰۸ء میں شایع کیا تھا۔ شروع میں مترجم نے صرف ڈھائی سطر کا دیباچہ لکھا ہے، اس طرح:

"کرم یوگ جس کی لوگوں کو مدت سے خواہش تھی نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے۔

یہ سوامی ویویکانند جی کی تصنیف ہے۔ جو لوگ اس کو بے تعصبی کے ساتھ بہ غور پڑھیئے، اصلیت کے سمجھنے سے قاصر نہ رہیئے"

کتاب ایک سو چھیالیس صفحوں پر مکمل ہوی ہے۔ اس کے مطالب آٹھ ابواب میں منقسم ہیں، اس طرح،

پہلا باب۔ کرم کا انسان کے چال چلن پر اثر،

دوسرا باب۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بڑا ہے،

تیسرا باب۔ بے غرضانہ فیاضی کرم کی تکمیل کا بہترین راز ہے،

چوتھا باب۔ دھرم کیا ہے،

پانچواں باب۔ ہم اپنی مدد کرتے ہیں، دنیا کی مدد نہیں کرتے،

چھٹا باب۔ بے تعلقی ہی سچی ایثار نفسی ہے

ساتواں باب۔ موکش، مکتی یا نجات

آٹھواں باب۔ کرم یوگ کی معراج

پہلے باب کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

"کرم سنسکرت کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ 'کری' ہے جس سے مراد کرنے سے ہے، اس لئے جو فعل کیا جاتا ہے کرم کہلاتا ہے۔ اصطلاح میں فعل کے نتیجہ کو بھی کرم کہتے ہیں۔ کرم کی اہمیت یہاں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے وسیع دایرہ میں وہ سب علت و معلول، کارن اور کارج، فعل اور اثرات آجاتے ہیں جن سے ہماری گذشتہ و موجودہ زندگیاں متاثر رہی ہیں اور جو ہماری آیندہ زندگیوں میں بھی اثر انداز رہینگی لیکن جہاں تک کرم یوگ کا تعلق ہے ہماری مراد صرف موجودہ جنم کے افعال و اعمال تک محدود رہیگی" (ص ۱)

اس ترجمے کی زبان سادہ اور عام فہم بلکہ عوام فہم ہے۔ اس کا طرز بیان بھی آسان ہے۔

(۴) بدھ دھرم کا علم اخلاق :

کہا جاچکا ہے کہ شیوبرت لال کی بڑی خواہش یہ تھی کہ اگر تمام بنی نوع انسان کو ممکن نہ ہو تو کم سے کم ان تمام مذہبی فرقوں کو جن کا مأخذ اور مخرج ملک ہندوستان ہے ہندو مذہب کے دایرے میں لاکر مجتمع اور متحد کردیں۔ اپنے اس خیال کے مطابق وہ ہمیشہ بدھ دھرم اور جین مت کو بھی ہندو دھرم کی شاخ کے طور پر پیش کرتے رہے تھے۔ سیلون (موجودہ سری لنکا) اور جاپان وغیرہ ممالک کے سفر کے دوران انھوں نے بدھ دھرم کا اسی نقطۂ نظر سے نہ صرف مطالعہ کیا تھا بلکہ اپنے لکچروں میں بھی وہ معاملات و مسائل کا بیان اسی طور پر کرتے رہے تھے۔ مہابودھی سوسائٹی کلکتہ کے ایڈیٹر نے ایک مضمون شایع کیا تھا۔ بعد میں شیوبرت لال نے اپنی تمہیدی رائے کے ساتھ اس کو ایک مختصر کتابچہ کی صورت میں چھپوادیا تھا۔ اس کے سرورق کی عبارت یہ ہے :

"بدھ دھرم کا علم اخلاق مصنفہ انگارکاچ دھرم پال صاحب ایڈیٹر مہابودھی سوسائٹی، کلکتہ، جس کا علی الخصوص ہندو آریہ حضرات کی معلومات کی نظر سے اردو میں ترجمہ کیا گیا، از بابو شیوبرت لال ورمن ایم اے ایڈیٹر رسالہ سادھو، ہتو درشی، سرسوتی بھنڈار، مارتنڈ لاہور
بھارت لٹریچر کمپنی لاہور نے شایع کیا۔ مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور باہتمام مولوی عبدالحق مالک و منیجر"

رسالے کی ابتداء "مترجم کی اپنی خاص رائے" سے ہوتی ہے جس کا اختصار اس طرح ہے۔ :

"بدھ دھرم گو ہند سے جلاوطن ہوگیا مگر مذہبی دنیا کی تواریخ میں اس نے بہت کام کیا۔ ایشیا میں تو کسی وقت تمام قلمرو میں اس کا سکہ جاری تھا۔ علاوہ مشابہت، تعلیم اور طرز تلقین کے مسیحی رومن کیتھلک کی کل شریعت بدھ دھرم کے کرم کانڈ کی نقل ہے۔ مترجم امید کرتا ہے کہ علی العموم ہندو اور

آریہ حضرات کے دلوں میں اس شریف اور پاک دھرم اور اس کے بانی کی تعظیم پیدا ہو گی۔"

اصل رسالہ دھرم پد کے ایک اقتباس سے شروع ہوتا ہے مترجم نے اس نظم کا ترجمہ ان چار شعروں کی صورت میں کیا ہے ۔

رحم سے مغلوب ہو کین و حسد | زہد سے ناپاکی و بطلان ہو رد
لالچی جود و عطا سے ہو غلام | سامنے سچ کے ہے کذب و جہل رام
پاک رکھ دل وسوسوں سے لاکلام | غور سے سُن، ہے یہ بدھوں کا کلام
دور رہ ناکردنی سے اے پسر | رحم اور انصاف رکھ پیش نظر

مترجم نے اصل الفاظ کے بجائے مفہوم کو اردو کی روایتوں کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ اگرچہ آزاد ترجمہ ہے لیکن اچھا ترجمہ ہے۔ اس رسالہ میں ضمناً براہمنی اور بدھ مذہب کے فرق کا ذکر بھی آگیا ہے مثلاً لکھا ہے:

"براہمن اور ویدوں کی نفرت انگیز قربانی سے شریعت کی ابتداء ہوئی۔ پجاریوں نے پیچیدہ اور الجھانے والے طریقے قربانی کے موضوع کیے اور دیوتاؤں کے خوش کرنے کی غرض سے ہزاروں مویشی، بکرے، گھوڑے وغیرہ جانوروں کے نفرت انگیز دو کھد بلدان ہونے لگے۔ آدمیوں کا بھی بلدان ہوتا تھا......
قبل و نیز ویدوں کے زمانہ میں خونریزی، انسان و جانوروں کی قربانی، دودھ اور گھی کی آہوتی و نیاز، آگ اور دوسرے عنصر کی پرستش ہندوؤں کے دل میں ایک قسم کا اعلا درجہ کا جوش پیدا کرتی تھی لیکن بعد ازاں شانتی حلیمی اور ہر قسم کی نیک خوبیاں ان کی جگہ پر کامیاب ہوئیں" (ص ۱۸ تا ۲۰)

یہ اچھی بات ہے کہ اس ترجمے میں مترجم نے بیشتر مواقع پر اپنے عقائد اور خیالات کو داخل نہیں کیا ہے اور مصنف کے اصل مضمون کو اپنے مخصوص انداز سے اردو میں منتقل کر دیا ہے

(۵) یویک کلپد رُم یا شجرِ مراد:

شیوبرت لال کو ترجمے کے کام سے تو دلچسپی نہیں تھی لیکن انگریزی اور سنسکرت وغیرہ مختلف زبانوں کی تحریروں کے انداز پر اردو میں مضامین لکھنے کی طرف ان کی طبیعت اکثر مائل رہی ہے۔ ان کی کتاب "یویک کلپد رم" بھی اسی سلسلے کی کوششوں میں سے ایک ہے۔ اس کے سرورق پر کتاب کا نام اس طرح لکھا ہے:

"یویک کلپد رم یا شجرِ مراد یعنی سراب زندگی کے چند عبرتناک نظارے"

اس کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے سبب تالیف کا بیان اس طرح کیا ہے:

"۱۹۱۰ء میں منشی سورج نرائن مہر نے ایک انگریزی کتاب "سرابِ حیات" دکھائی اور اسی طرح کی کتاب لکھنے کی فرمائش کی۔ یہ کتاب لکھی گئی۔ انسانی زندگی کا وہی حال ہے جو سراب کا ہے۔"

مولف نے اس کے دیباچے میں لکھا ہے:

"سراب کیا ہے، ہندی زبان میں اس کا ترجمہ 'مرو تھل کا جل' ہوگا۔ ہمارے ملک مارواڑ کے ریگستان میں اکثر سراب کا دھوکا ہوا کرتا ہے۔ انسان دیکھتا ہے کہ نگاہ کے سامنے صاف شفاف پانی کا چشمہ ہے، آسمان پر پرند بھی منڈلا رہے ہیں، کنارے ہرے بھرے درخت موجود ہیں۔ پیاس سے مارا ہوا انسان جیوں جیوں آگے بڑھتا ہے دریا بھی آگے بڑھتا جاتا ہے۔ وہ کوسوں دور چلا جاتا ہے اور وہی نقشہ اس کے سامنے موجود رہتا ہے۔ آخر وہ تھک تھکا کر گر پڑتا ہے۔ زبان پیاس کی وجہ سے باہر نکل آتی ہے۔ ہونٹ سوکھ جاتے ہیں۔ آنکھیں پتھرا جاتی ہیں۔ سراب کو کہیں کہیں 'مرگ ترشنا کا جل' بھی کہا گیا ہے۔ یہی حال انسانی زندگی کا بھی ہوتا ہے۔"

کتاب کے نام کی مناسبت سے اس میں سولہ سراب دکھائے گئے ہیں، اس طرح:

پہلا نظارہ۔ من کے جذبات کا سراب دوسرا نظارہ۔ شراب نوشی کا سراب

تیسرا نظارہ۔ فیشن کا سراب چوتھا نظارہ۔ حکومت کا سراب

پانچواں نظارہ۔ جوانی کا سراب چھٹا نظارہ۔ نمایش کا سراب

ساتواں نظارہ۔ روحانیت کا سراب آٹھواں نظارہ۔ ہنسی مذاق کا سراب

نواں نظارہ۔ عزیز اور اقارب کی مامتا کا سراب دسواں نظارہ۔ شاعری کا سراب

گیارھواں نظارہ۔ مدبّری کا سراب بارھواں نظارہ۔ عیش وعشرت کا سراب

تیرھواں نظارہ۔ دولت کا سراب چودھواں نظارہ۔ سلطنت کا سراب

پندرھواں نظارہ۔ حسن کا سراب سولھواں نظارہ ......کا سراب

ان مضامین میں مصنف نے فارسی کے اساتذہ مثلاً فیضی وغیرہ اور اردو کے شعرا انشاء، غالبؔ، انیسؔ اور حالیؔ وغیرہ کے کلام سے بھی استفادہ کیا ہے۔ بعض مطالب مولانا محمد حسین آزادؔ کی آب حیات سے بھی اخذ کیے ہیں۔ کتاب کا خاتمہ خاصا طویل ہے۔ اس میں کہا ہے کہ:

"جدھر دیکھو لوگوں نے زندگی کی غلط راہ کو اختیار کر رکھا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دولت ان کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ وہ دولت کے لیے ہیں۔۔ تم اپنی نگاہ کو وسیع کر لو تا کہ دنیا کا دھوکا جاتا رہے۔ پھر تمھاری زندگی شاندار ہو جائیگی بلکہ تم اوروں کی زندگی کو بھی شاندار کر سکوگے"۔

مولف نے اس کتاب کا اپنے داماد اور دست راست گوری شنکر لال اخترؔ کے نام انتساب کیا ہے۔

کتاب علم خیالؔ، شنکر مت اور سکھ وچار وغیرہ بھی انگریزی مآخذ پر مبنی ہیں، یہ بالترتیب اے وکٹر سگنو کی کتاب، ڈاکٹر پال ڈیوسن اور کونٹ ٹالسٹائی کے قصے سے ماخوذ ہیں۔ اردو کے علمی اور ادبی سرمایے کی توسیع کے نقطۂ نظر سے یہ کام بھی توجہ کے لائق ہیں۔

اس تذکرے کو ختم کرنے سے پہلے یہ ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیوبرت لال انگریزی زبان کی نظموں کے اردو میں منظوم ترجمے کرنے پر بھی قادر تھے چنانچہ انھوں نے ایک نظم کا ترجمہ اس تمہید کے ساتھ کیا ہے:

"کرسچین گلوب نامی انگریزی اخبار میں تیرہ برس کی لڑکی کی ایک نظم شایع ہوی ہے، جس میں عورتوں کے حقوق کا ذکر ہے۔ ہم نے ترجمہ کرتے وقت عورتوں کے حقوق کی جگہ "عورتوں کو کیا چاہئے" زیادہ موزوں خیال کیا:

عورتوں کو چاہیے، محنت کریں صبح و مسا
روئیں گائیں، ساتھ لوروں کے نہ ہوں ہرگز خفا

عورتوں کو چاہیے انساں کی ہوں پشت و پناہ
سب کا رنج و غم مٹائیں اور دکھائیں بچی راہ

عورتوں کو چاہیے خوف والم سے اماں
جب کوئی ناراض ہو، قابو میں ہو ان کی زباں

عورتوں کو چاہئے بیمار کو بخشیں دوا
ان کی برکت سے مریضوں کو ملے صحت شفا

عورتوں کو چاہیے ہوں سب کی دل سے دستگیر
عورتیں ہیں خانہ داری کی حکومت کی وزیر

عورتوں کو چاہیے گھر میں نہ آنے پاوے فکر
ہو زباں پر دایما شکر و تحمل کا ہی ذکر

عورتوں کو چاہیے جو دو عطا سے کام لیں
بھوکوں کو روٹی،، غریبوں کو سکھ اور آرام دیں

عورتوں کو چاہیے شیریں سخن اور شاد ہوں
دیکھکر ان کو اسیر رنج و غم آزاد ہوں

عورتوں کو چاہیے لوروں کی خاطر وہ جییں
دوسروں کے کام آئیں دم محبت کا بھریں

عورتوں کو چاہیے حق پر ہوں دل جاں سے فدا

خوش زبان و خوش بیاں ہوں، خوش سیر ہوں، خوش ندا

(ب) سنسکرت سے ترجمے :

شیوبرت لال نے ہندو مذہب کی بنیادی کتابوں کے علاوہ سنسکرت زبان میں فلسفہ اور مذہبی روایتوں سے متعلق معروف کتابوں کے بھی اردو زبان میں ترجمے کیے تھے۔ ٹھیٹھ مذہبی کتابوں میں اپنشدیں وغیرہ ہیں۔ اپنشد میگزین کے سلسلے میں ان میں سے بعض کے ترجموں کا حال پہلے باب میں مختصراً لکھا جا چکا ہے۔ مذہبی قصوں اور حکایتوں وغیرہ سے متعلق شیوبرت لال کے رسالہ پوران کا بھی مجمل تعارف کرایا جا چکا ہے۔ یہاں بعض منفرد اور مبسوط کتابوں کے ترجموں کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ راج یوگ :

یہ دو کتابوں کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کے سرورق کے اندراج اس طور پر ہیں :

(۱) "راج یوگ یعنی اشٹانگ یوگ کے متعلق آٹھ مفصل ویاکھیان، اور یہ رستہ برمھا نے تلاش کیا تھا۔

(۲) پتنجلی یوگ سوتر کا اردو ترجمہ مع ٹیکا کے۔ اس راہ سے وہ جاتا ہے جو برمھ کا جاننے والا، پنیہ کرنے والا اور تجسوی ہے۔ (ورہد آرینک اپنشد ۴۔۴۔۹)

از بابو شیوبرت لال ورمن ایم۔اے۔ بھارت لٹریچر پبلشنگ کمپنی لاہور نے چھپوا کر پرکاشت کیا۔ پہلی بار رفاہ عام پریس لاہور قیمت ۸ر"

مترجم نے "دو دو باتیں" کے عنوان سے اعتراف کیا ہے کہ :

"ترجمہ میں ہم نے پنڈت راجا رام جی کے یوگ بھاشیہ سے زیادہ مدد لی ہے۔ بعض بعض مقامات میں ہماری رائے ان سے مختلف ہے۔ ہم نے جان بوجھ کر سوتر سنسکرت میں نہیں دیے۔ جن کو اچھی ہندی آتی ہے وہ پنڈت راجا رام

جی کا بھاشیہ منگا کر لابھ اٹھائیں"

مترجم نے اس کے لئے تین صفحہ کا مفصل دیباچہ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ اس طرح ہے:

"شروع شروع میں یوگ کی تعلیم کس طرح دی جاتی تھی کسی کتاب سے پتا نہیں ملتا۔ اس کی موجودہ صورت پتنجلی نے دی ہے جو چندر گپت مگدھ کے فرمانروا کا ہم عصر بتایا جاتا ہے۔ اس کا زمانہ تین ہزار برس کے اندر آجاتا ہے۔ یوگ کا دوسرا نام سانکھیہ بھی ہے۔ سانکھیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کپل کی شاخ اور دوسری پتنجلی کی۔ ایک نظری ہے۔ دوسرا عملی ہے۔ ان میں بہت کم فرق ہے۔ ان صفحات کی ترتیب و تحریر مرحوم سوامی دویکانند کے راج یوگ کے موافق ہے۔ چند غیر ضروری باتوں کو چھوڑ کر یہ رسالہ ایک طرح پر ان کی کتاب کا اقتباس و ترجمہ کہا جا سکتا ہے۔ اس کے دو حصے کیے گئے ہیں۔ ایک حصہ کے چند ابواب میں یوگ کی اہمیت اور اس کی اصطلاحات سے بحث ہے۔ دوسرا حصہ پتنجلی کے یوگ سوتر کا اردو ترجمہ و شرح ہے۔ اس کی ترتیب کے وقت ہماری نگاہ کے سامنے مندرجہ ذیل کتابیں تھیں:

یوگ درشن پر راجہ بھوج کی برتی، یوگ درشن بھاشیہ مصنفہ پنڈت راجہ رام
یوگ آریہ بھاشیہ مصنفہ پنڈت آریہ منی، یوگ درشن بھاشیہ مصنفہ پنڈت پربھودیال

ہم نے اپنے طور پر اس دقیق اور مشکل مضمون کو سلیس بنانے اور ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔"

راج یوگ کے ابواب کے مطالب اس طرح ہیں:

پہلا باب۔ یوگ کی اہمیت — دوسرا باب۔ ابتدائی مرحلے
تیسرا باب۔ پران — چوتھا باب۔ جسم کے اندر کا پران اور اس کو قابو میں لانے کا طریقہ
پانچواں باب۔ پرتیاہار اور دھارنا — چھٹواں باب۔ دھیان اور سمادھی
ساتواں باب۔ راج یوگ کا مختصر بیان (کورم پوران سے ترجمہ)

پتنجلی کے یوگ درشن کے ترجمے کی تفصیلات اس طور پر ہیں:

دیباچہ   پہلا باب: سمادھی پاد

دوسرا باب: سادھن پاد   تیسرا باب: بھوتی پاد

چوتھا باب: کیولیہ پاد   تتمہ

پہلے حصے میں مسایل اور اصطلاحات کا مربوط انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں جس کا عنوان ''پتنجلی کا یوگ درشن'' ہے مترجم نے ایک ایک جزو کو الگ الگ لیا ہے۔ اس میں جو مشکل لفظ آئے ہیں ان کے معنی حاشیہ پر لکھے ہیں اور پھر متن میں ایک ایک مسئلہ کی تفصیل کے ساتھ تشریح کی ہے مثال کے طور پر پہلے باب کی ابتداء اس طرح کی ہے:

''(۱) اب یوگ کے سکھانے والے شاستر کو آرنبھ کرتے ہیں،

(۲) چت کی ورتی کا نرودھ یوگ ہے۔''

حاشیہ پر آرنبھ کے معنی شروع اور نرودھ کے معنی روکنا تحریر ہے۔

پھر تشریح اس طرح کی ہے:

''یہاں زیادہ تشریح کی ضرورت ہے۔ ہم کو اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ چت کیا ہے؟ اور ورتی کیا ہیں۔ ہماری آنکھیں ہیں اور ان کے سامنے تصویر بھی رکھی ہوئی ہے لیکن اگر دماغ یا سر کو علاحدہ کیا جائے تو آنکھیں دیکھ نہ سکینگی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنکھ صرف اوزار ہیں اور ان میں بطور خود دیکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ دیکھنے کی طاقت دماغ میں ہے۔ دیکھنے کے لئے صرف آنکھوں ہی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بعض وقت جب انسان سوجاتا ہے، اس کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ روشنی اور تصویر سب سامنے رکھی ہوئی ہیں مگر کچھ نظر نہیں آتا، اس لئے کسی تیسری چیز کی بھی ضرورت ہے۔ من کو بھی اس اندری سے ملنا لازمی ہے۔ آنکھ باہری اوزار ہے۔ من اور دماغ کی شرکت اور شمولیت کی ضرورت ہے۔ چت کی ورتیوں کا نرودھ

یوگ کہلاتا ہے۔"

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں اصل سنسکرت متن کا ترجمہ لکھنے کے بعد مترجم نے اس کی مفصل تشریح بھی قلمبند کی ہے۔ اصل متن کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے اس لئے اس کی عبارت سنسکرت آمیز ہے اور اسے سلیس اور بامحاورہ اردو نثر نہیں کہا جا سکتا ہے۔

۲۔ پنچ دشی:

اس کتاب کے سرورق کی عبارت اس طرح ہے:

"شری پنچ دشی اردو مصنفہ سوامی وڈیارینہ جی مہاراج مترجمہ و مرتبہ شیوبرت لال"

اس کتاب کو پہلی مرتبہ دیوان جس دھاری لال اگر پبلشر لاہور نے انڈین اسٹیم پریس لاہور میں چھپوا کر شایع کیا تھا۔ اس کتاب کے "جملہ حقوق حق رادھا سوامی جنرل لٹریچر سوسائٹی" محفوظ تھے۔ کتاب کی مجموعی ضخامت دو سو اٹھاسی صفحوں کی ہے اور مترجم نے اس کا دیباچہ ۲۴ جولائی ۱۹۱۷ء کو دفتر وگیانی لاہور میں لکھا تھا۔ اس کے شروع میں یہ بتایا ہے کہ ویدانت کا مفہوم کیا ہے اور کون لوگ اس کے ادھکاری ہیں۔ اس کے بعد برھمہ کے بارے میں بتایا ہے کہ اس کے ایک اور محیط ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ:

"اب کئی دوستوں نے مجھ سے فرمایش کی کہ لگے ہاتھوں پنچ دشی نامی مشہور سنسکرت کتاب کے مطلب اور نتیجہ خیز تعلیم کو آسان پیرایہ میں اردو کا لباس پہنا دیا جائے۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ کتاب نہایت ہی اچھی ہے اور اپنی شکل و حیثیت کی جدا ہے۔ سوامی نشچل داس جی دادو پنتھی سادھو نے اپنا مشہور گرنتھ وچار ساگر، اسی کے آدھار پر لکھا ہے۔ ممکن ہے اردو میں اور صاحبوں کے ترجمے بھی موجود ہوں مگر نہ مجھ کو ان کے مطالعہ کا وقت ہے اور نہ میں کسی سے خیالات اور طرز اظہار مستعار لیتا ہوں۔ سنسکرت اور

ہندی کی پنچ دشی میرے پاس ہیں۔ انھیں کے آدھار پر قلم برداشتہ خامہ فرسائی کرتا ہوں اور اپنے انجو سے اس کی مراد کو ذہن نشین کرانے کی امید رکھتا ہوں۔ میں کوشش کرونگا کہ سنسکرت کی اور ضخیم کتابیں بھی محض اردو داں گروہ کی ہمدردی کے خیال سے اردو میں لکھ کر چھوڑ جاؤں۔ یہ سب کتابیں ویدانت امرت بانی کے سلسلے میں نکلیں گی۔"

اس کتاب کے مطالب کی تقسیم پندرہ پرکرن (ابواب) میں کی گئی ہے اور ہر پرکرن میں کچھ کچھ پرچھید (فصلیں) ہیں۔ فصلوں کی تعداد کل ملا کر چوراسی ہے۔ ہر فصل کے مطالب اعتراض یا سوال اور جواب کی صورت میں تحریر کیے گیے ہیں مثلاً پہلی فصل میں :

"اعتراض : ایشور کے نام کا منگلاچرن کرنا چاہیے، نہ کہ گورو کا"

اسی طرح نویں فصل میں :

"اعتراض : بھاسنا اور نہ بھاسنا دونوں حالتوں کا ایک ہی وقت میں ہونا غیر ممکن ہے۔"

پہلے باب کے خاتمہ پر یہ عبارت لکھی ہے، جس سے کتاب کی اصل اور شیوبرت لال کے ترجمے کی نوعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے :

"نوٹ : اس پرکرن میں پینسٹھ شلوک ہیں۔ چونکہ یہ محض ترجمہ ہی نہیں ہے بلکہ اور کچھ بھی ہے اس لیے ان سب پینسٹھ شلوکوں کو یہاں پچاس پیراگرافوں اور چودہ پرچھیدوں میں تقسیم کر کے بیان کر دیا گیا ہے تاکہ مطالب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ اصل کتاب کا ایک لفظ بھی نہیں چھوڑا گیا ہے۔" (ص ۴۸)

اس قسم کے نوٹ ہر باب کے خاتمے میں ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف فصلوں میں مطالب کی یہ تقسیم مترجم نے کی ہے اور اس نے حسب موقع وضرورت تشریح وتوضیح کے لیے اپنی طرف سے بہت اضافہ بھی کیا ہے۔ ہر اشلوک کا الگ ترجمہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان کے مطالب کو مترجم نے اپنے طور پر مربوط کر دیا ہے۔ اس طرح یہ ترجمہ اصل کتاب سے اپنی شکل وترتیب کے اعتبار سے ایک الگ کتاب کی صورت

اختیار کر گیا ہے۔

۳۔ بھگوت گیتا:

یہ ہندو مذہب کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ شیو برت لال نے اس کا ترجمہ بہت تفصیل سے کیا ہے۔ اس کتاب کے اندرونی سرورق پر یہ عبارت لکھی ہے:

"چار حصوں میں مکمل   شری مد بھگود گیتا

پہلا حصہ دیباچہ وغیرہ   نغمۂ یزدانی، لحنِ حقانی، راگ روحانی،

دھمن رحمانی، کلامِ الٰہی   ، اسرارِ نامتناہی

مہا بھگوان، مہاوشنو اوتار   ، سری کرشن جی مہاراج اور ارجن بھکت

کے درمیان حیرت انگیز مکالمہ

پبلشر رام کشور سنگھ راج وید،   ڈاکخانہ رادھاسوامی دھام، ضلع مرزاپور"

یہ دیباچہ جو بجائے خود ایک کتاب ہے "تنبیہ" سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں گیتا کے بارے میں مختلف قسم کی غلط فہمیوں کی وضاحت اور غلط خیالوں کی تردید کی گئی ہے اور مترجم نے یہ بھی کہا ہے کہ:

"پہلے کسی نے اس غیر معمولی جرات کے ساتھ ایسی بات نہیں کہی تھی۔ میں تو کہتا ہوں پہلے میری سن لو، سوچ لو، غور کر لو، پھر تردید اور بطلان کا تم کو اختیار ہے" (ص ۱۳)

اسی ضمن میں اس نے یہ دعوا بھی کیا ہے کہ:

"آریہ سماج ہمارے درمیان ایک نئی مذہبی شق ہے جو اسلام اور مسیحیت کی تعلیم کے زیرِ اثر پیدا ہوئی ہے۔ اس کا اپنا کوئی فلسفہ نہیں ہے۔ یہ مذہب کی نچلی کا طبقہ ہے جو اپنی جگہ پر عوام الناس کی محدود عقل والوں کے لیے نہایت موزوں اور مناسب ہے۔ بالغ یا بوڑھے بچوں کے منہ نہیں آتے۔ وہ تین ہستیوں کے قائل ہیں: ایشور، جیو، پرکرتی اور گو وہ ایشور کو محیط کل

کہتے ہیں لیکن تین عدد گنانے سے تین کے تینوں ہی محدود الاجزا اور محدود المراد ہو جاتے ہیں۔" (ص ۱۸)

اس کتاب میں شیوبرت لال جو کچھ کہنا چاہتے ہیں انھیں کے لفظوں میں مختصراً یہ ہے:

"میں اپنی گیتا کی شرح میں صرف اس کے روحانی رموز کے انکشاف کی جانب نظر رکھونگا۔ میں یہ نہ بتاؤنگا کہ دیو کی پتر کرشن کیسے تھے؟ کیا کیا، کیا دھرا؟ میں انھیں صرف برہمہ اوتار اور یوگیشور سمجھ کر ان کے اس حقانی راگ کا خیال دلاونگا اور بس۔ گیتا میں اٹھارہ ادھیائے، اٹھارہ قسم کے یوگ کا سامان ہیں اور مہابھارت کی لڑائی بھی اٹھارہ دن تک رہی ہے۔ یہ غالباً پنڈ اور برہمانڈ کے اٹھارہ چکروں کی نظر سے ہے اور اٹھارہ اکشونی فوج جسم کے جذبات نفسانی ہیں جن کا مارنا مروانا مقصود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب" (ص ۲۸ تا ۲۹)

کتاب کا مقدمہ مترجم نے بیگم پیٹ میں ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو لکھا تھا، اس لیے اس میں انھوں نے جن خیالوں کا اظہار کیا ہے وہ ان کی ساری عمر کے مطالعہ اور غور و فکر کا حاصل ہیں اور ان کو سرسری طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کے مقدمے میں پہلے بھگودگیتا کی عظمت "کا بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ اعتراف بھی ہے کہ:

"بھگودگیتا کے مصنف شری بھگوان کرشن دیو نہیں ہیں۔ اس کے کہنے کی ہم کو یا کسی اور محقق کو قطعی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا تنظیمی اہتمام اور ارجن اور کرشن کے باہمی کلام اس کی تردید کرتے ہیں۔ ہاں خیالات ضرور کرشن کی مقدس مآب ذات سے منسوب کیے جاسکتے ہیں۔" (ص ۳۲ تا ۳۳)

بھگودگیتا نظم ہے، نثر نہیں ہے۔ بھگوت ایشور ہے اور گیتا گیت ہے۔ ایشوری گیت، یہ بھگوت گیتا ہے۔ اس کا ترجمہ نغمۂ حق، نغمۂ ایزد، اور نغمۂ خدا کہا جاسکتا ہے یہ نظم کرشن کے نام سے منسوب ہے اس لیے اس کے واسطے بھگودگیتا سے بہتر شاید اور کوئی نام نہیں ہو سکتا تھا۔ ہندو مذہب کی یہ عجیب و غریب نوعیت ہے کہ اس کی تمام مقدس کتابیں نظم ہی میں ہیں۔" (ص ۳۵ تا ۳۶)

مقدمے کے بعد اس کے بعض ضمیمے بھی ہیں۔ ایک ضمیمہ کا عنوان ہے

"بھگود گیتا کی قدامت، ضخامت وغیرہ پر مختصر تحقیقات"

اس کے تحت جو لکھا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ :

"کہتے ہیں اصل مہابھارت میں صرف آٹھ ہزار شلوک تھے۔ مہابھارت آدی پرو میں ایک جگہ چوبیس ہزار دوسری جگہ چوراسی ہزار آٹھ سو سینتیس شلوکوں کی تعداد بتائی گئی ہے۔ اس وقت مہابھارت میں ایک لاکھ سات ہزار تین سو نوے شلوک موجود ہیں۔ مہابھارت ہمیشہ سے ہر دلعزیز کتاب رہی ہے۔ جس میں قابلیت تھی وہ باری باری اس پر اضافہ کرتا گیا۔ ایسی حالت میں کوئی شخص کیسے کہہ سکتا ہے کہ موجودہ بھگود گیتا اغلاط اور آمیزش سے پاک ہوگی۔" (ص ۱۰۴)

"صرف ایک چھوٹا جزیرہ بالی بچا ہوا تھا جو ہندو تھا۔ وہاں ہندوؤں کا راج تھا۔ اس جگہ قدیم گیتا کا پتا ملا جس میں صرف ستر شلوک ہیں۔ اس کی ایک کاپی میرے پاس بھی موجود ہے۔ یہ موجودہ گیتا کا عطر اور خلاصہ ہے۔ ایک سات شلوکی گیتا بھی ہے۔ وہ بھی میں نے رکھ چھوڑا ہے۔ اسے میں گیتا کا مضحکہ سمجھتا ہوں۔ سات شلوکوں میں کیا مضمون آئے ہونگے۔ پھر ایک شلوکی گیتا میں تو اختصار کی حد کر دی گئی ہے۔ سوامی شنکر آچاریہ جی کا زمانہ قدیم کہا جا سکتا ہے۔ ان کے زمانہ میں گیتا کے شلوکوں کی تعداد سات سو تھی۔ اس پر ان کا بھاشیہ (شرح) بھی ہے۔ ہمارے ملک میں سب اسی کو مستند مانتے ہیں۔ مہابھارت بھیشم پرو میں ایک بیان آتا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ گیتا میں کرشن نے چھ سو بیس شلوک کہے، ارجن نے ستاون، سنجے نے سڑسٹھ اور دھرتراشٹ نے ایک شلوک کہا۔ کل سات سو پینتالیس ہوئے۔ سوامی شنکر اچاریہ جی نے چوالیس شلوک نکالے۔ موجودہ گیتا سات سو شلوکوں کی ہے۔ میں اسی کا ترجمہ اردو زبان میں کر رہا ہوں۔" (ص ۱۰۶ تا ۱۰۷)

اس مقام پر یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں ایک "سپت شرلوکی گیتا" ہے۔ اسی کیساتھ ایک چت شرلوکی بھاگوت بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نہایت مختصر گیتاؤں کا وجود نادر نہیں ہے۔ شیوبرت لال کی گیتا کے دوسرے حصہ کے سرورق پر لکھا ہے کہ :

"دوسرا حصہ : ترجمہ محض ، جس میں لفظی مگر بامحاورہ ترجمہ عام فہم اور آسان ہندوستانی زبان میں ہے۔"

اس حصہ کا دیباچہ مترجم نے پانی پت (کرنال) میں ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء کو لکھا تھا۔ اس میں اس نے دعوا کیا ہے کہ :

"بہتوں نے گیتا کی ظاہری اور باطنی مراد کا اشارہ تو کیا ہے لیکن باطنی مراد کے ظاہر کرنے میں اب تک ایک کو بھی پوری کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اس نظر سے میری یہ گیتا مع اپنی شرح کے لاثانی ہوگی۔ میں نے ہر نام کی وجہ تسمیہ کا پتا سنسکرت زبان کے مادہ سے دیدیا ہے۔" (ص ۱۴۶)

اس گیتا کے شروع میں لکھا ہے :

شری مد بھگود گیتا۔ دوسرا حصہ۔ بامحاورہ لفظی ترجمہ مہابھارت کے محاربۂ عظیم کے خاتمہ پر دھرتراشٹر اور سنجے نے باہمد گر اس کے تعلق میں جو گفتگو کی ان کلمیان عام فہم اور آسان زبان میں۔"

"پہلا ادھیاے۔ وشادیوگ" اس طرح شروع ہوتا ہے :

"دھرتراشٹ نے پوچھا: اے سنجے مقدس مقام کوروکشیتر میں میرے اور پانڈوں کے لڑکوں نے جنگ کے خواہشمند ہو کر کیا کیا کام کئے ؟

سنجے نے جواب دیا۔ راجہ دریودھن نے دیکھا کہ پانڈوں کی فوج مسلح ہے۔ وہ درونا چاریہ کے پاس گیا اور ان سے کہا، اے آچاریہ۔ پانڈوں کی اس کھڑی ہوئی مسلح بھاری فوج کو دیکھئے۔ اے آپ کے شاگرد درپد پتر نے آراستہ کیا ہے۔ اس فوج میں بڑے بڑے کماندار بھیم اور ارجن جیسے جنگجو اور جودھا

سور ماہیں۔ سالیہ کی، وراٹ اور بڈار تھ والا درویدِ۔۔۔"

مترجم نے اصل سنسکرت متن نقل نہیں کیا ہے۔ پورے متن کا یہ ترجمہ کر دیا ہے۔ اس حصہ کے آخر میں "اضافہ از جانب مترجم" کے عنوان سے جو چند باتیں لکھی ہیں ان میں آخری یہ ہے:

"ترجمہ کے بغور مطالعہ کے بعد اب آپ تیسرا حصہ ٹیکایا شرح کو دیکھئے تاکہ گیتا کا مخفی راز اور بھی سمجھ میں آجائے۔ جہاں کرشن رہتے ہیں وہاں ہی فتح رہتی ہے۔" (ص ۲۸۸)

ترجمہ تو اس دوسرے حصے میں ہی مکمل ہو گیا ہے۔ اس کی زبان خاص حد تک رواں اور سلیس ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے۔ کہ کامیاب کوشش ہے۔

۴۔ راماین:

ملک کے مختلف علاقوں اور عقیدوں کے لوگوں کی اپنی اپنی الگ الگ رامائنیں ہیں۔ ان میں گیتا کی طرح ضخیم بھی ہیں اور مختصر بھی۔ بیشتر سات کھنڈوں کی ہیں لیکن پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتبخانہ میں "ایک لکھ شلوکی رامائن" بھی ہے۔ اس سے ان کے فرق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال اکثریت نے عملاً اسے اپنے مذہب کا جزو بنالیا ہے۔ شیوبرت لال نے بھی متعدد رامائین لکھی تھیں چنانچہ ان کی کتاب مہارامائن کے اشتہار میں ہے [۴۵] کہ:

"مہرشی جی مہاراج نے ایک درجن سے زاید رامائن لکھی ہیں مگر یہ مہارامائن کوئی اور ہی چیز ہے"

مہارامائن کے دیباچے میں خود شیوبرت لال نے بھی لکھا ہے کہ "میں نے اردو میں دس بارہ رامائنیں لکھی ہیں" لیکن صحیح تعداد اس سے بہت زیادہ ہے چنانچہ ان کی مختصر فہرست کتب میں اس سلسلے کی درج ذیل کتابوں [۴۶] کے نام شامل ہیں:

۱۔ تلسی کرت رامائن مکمل با تصویر (اگست ۱۹۱۹ء) ۲۔ تلسی رامائن خورد

۳۔ تلسی کرت راماین مکمل مع ترجمہ	۴۔ دشرتھ کی شادی کیکئی سے
۵۔ راماین وگیان	۶۔ رام کہانی
۷۔ راماین مکمل سات کانڈ	۸۔ راماین کلپدرم (جنوری ۱۹۱۱)
۹۔ روحانی راماین خورد (۱۹۲۵ء)	۱۰۔ روحانی راماین کلاں
۱۱۔ سوانح عمری ہنومان جی	۱۲۔ سیتارام
۱۳۔ مہاراماین۔ سولہ حصے مکمل	۱۴۔ مہارامائن ساودھن کھنڈ
۱۵۔ مہارامائن انبھو کھنڈ	۱۶۔ شری وگیان رامائن (۱۹۱۸)

یہ فہرست یقینی طور پر نامکمل ہے اور شیوبرت لال کی لکھی ہوئی کچھ رامائنیں ان کے علاوہ بھی ہیں چنانچہ روحانی رامائن کے دیباچے میں یہ نام بھی ملتے ہیں:

۱۷۔ ویدانت رامائن ۱۸۔ ادھیاتم رامائن ۱۹۔ گیان رامائن ۲۰۔ گھٹ رامائن

سنسکرت زبان کی سب سے زیادہ مشہور اور مقبول والمیکی کی رامائن ہے۔ شیوبرت لال نے اس کو بھی اردو میں منتقل کیا تھا۔ اس کو پہلی بار بھارت لٹریچر کمپنی لمٹیڈ لاہور نے دو جلدوں میں ایک ہزار چونتیس صفحوں پر چھپوا کر شایع کیا تھا۔ بعد میں آزاد بکڈپو امرتسر نے اس کا اختصار شایع کیا۔ اس کے سرورق پر "اصلی بالمیکی رامائن باتصویر" لکھا ہوا ہے اور اندرونی سرورق کا اندراج اس طرح ہے:

"جملہ حقوق حق ناشر محفوظ ہیں۔

سب سے بڑی مکمل بالمیکی رامائن از مہارشی شیوبرت لعل ورمن ایم اے"

اس ایڈیشن میں سے شیوبرت لال کا لکھا ہوا دیباچہ بھی نکال دیا گیا ہے۔ کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے:

"رامائن۔ بال کانڈ۔ پہلا ادھیائے: اوتار دھارن کرنا اور نام کرن سنسکار۔

دریائے سرجو کے کنارے ایک خوبصورت شہر ایودھیا کے نام سے آباد تھا۔ اس کے رہنے والے دولتمند، نیک وضع اور دھارمک وچاروں والے تھے۔ اس نگر کو خود منوجی نے بسایا تھا۔ بارہ یوجن لمبا، دس یوجن چوڑا اور اس کے

گلی کوچے سب نہایت خوبصورت، صاف اور ستھرے رہتے تھے۔ شہر کے درمیان جابجا نہریں جاری تھیں۔ چوک اور چوراہوں پر پانی کے فوارے چلتے تھے اور کہیں کہیں خوشنما باغ واقع تھے جن سے شہر کی اور بھی زینت تھی۔ شہر ایودھیا راجہ دشرتھ کی راج دھانی تھی جو اپنے زمانے کا عادل، دھرماتما، اور طاقتور راجا تھا۔" (ص ۳)

ظاہر ہے کہ یہ اصل کتاب کا آزاد ترجمہ ہے اور مترجم نے اس کو اردو کی عام داستانوں کے انداز پر قلمبند کیا ہے۔ جگہ جگہ اس نے اردو اور فارسی کے اشعار بھی لکھے ہیں۔ بظاہر اس میں ترجمے والی بات تو کم سے کم معلوم ہوتی ہے البتہ ایسا لگتا ہے کہ بالمیکی کی رامائن کے قصے کو مترجم نے ایک روایتی قصے کے طور پر لکھ دیا ہے اور اسے عام پسند بنانے کے لیے اپنی طرف سے بہت کچھ ردوبدل اور اضافے بھی کر دیے ہیں۔

(ج) بنگالی سے ترجمے :

بنکم چندر چٹرجی بنگالی کے معروف ناول نویس تھے۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں عموماً ہندو معاشرے کی مثبت انداز سے عکاسی کی ہے اور اسی لیے شیوبرت لال ان کے غیر معمولی حد تک مداح تھے۔ شیوبرت لال نے ان کے ایک سے زیادہ ناولوں کو بڑے شوق سے اردو میں منتقل کیا تھا۔

شیوبرت لال کے داماد گوری شنکر لال اختر نے ناولستان کے نام سے اردو میں ایک رسالہ نکالنا شروع کیا۔ بعد میں وہ ناول میگزین کے نام سے نکلتا رہا تھا۔ اس رسالہ کی ضرورت سے اختر نے اپنے سسر شیوبرت لال سے بنکم چندر جی کے بعض ناولوں کا اردو میں ترجمہ کرایا تھا چنانچہ سندر اندرا (ناول) اس رسالے کے پہلے شمارے کے طور پر شایع ہوا تھا۔

۱۔ سندر اندرا :

اس ناول کے اندرونی سرورق کی عبارت اس طرح ہے :

"ناولستان کے ترجمہ شدہ ناولوں کا پہلا نمبر سندر اندر، یعنی جادونگار رائے بہادر باو بنکم چندر چٹرجی صاحب بہادر سی آئی ای کی نادر تصنیف، اور باو شیو برت لال ورمن ایم اے سابق ایڈیٹر وگیانی لاہور کا سونے میں سہاگہ جیسا پُر لطف اردو ترجمہ ہے

گو بظاہر بندش تحریر ہے　　عکس دل کی بے گماں تصویر ہے

مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور"

اس ناول کا دیباچہ شیو برت لال نے ۱۹ جنوری ۱۹۱۹ء کو بہ مقام لاہور لکھا تھا۔ اس کا اختصار درج ذیل ہے :

"اختر صاحب نے مجھ سے کہا: بنکم باو کی اندرا کا ترجمہ کردو۔ میں ترجمہ کے کام سے کوسوں دور بھاگتا ہوں۔ اپنی چیز اپنی ہی ہے۔ مانگ تانگ کی آخر مانگ تانگ ہی کی ہوتی ہے۔ باو بنکم چندر چٹرجی اس ملک میں ناول نویسی کے فن کے نہ صرف موجد ہی ہوئے بلکہ وہ اس قسم کی قصہ گوئی کے ملک کے بادشاہ اور خدائے سخن بھی کہے جا سکتے ہیں۔ اس کا دل کیا تھا، اندر سبھا کا اکھاڑا تھا۔ ذرا خیال کیا اور دیو پری اس انداز سے ناچنے لگتے ہیں کہ شاید اگر کوئی اصلی اندر بھی ہوگا تو یہ ناچ بہ مشکل اس کے دیکھنے میں آیا ہوگا۔ بنکم جی عجیب قسم کا انشا پرداز تھے۔ اگر زمین کا کرہ آسمان کہا جاتا تو میں بلا مبالغہ ان کو اس خطہ کے عطارد ہونے کا خطاب دیتا۔ میں فقیر ہوں۔ بنکم باو کے طرز تحریر کا مداح اور ثنا گو ہوں۔ میں نے کئی زبانوں کے ناول دیکھے۔ اور نہیں تو اس کے ترجمے تو ضرور ہی پڑھے ہیں۔ انگریزی، عربی، فرانسیسی، روسی وغیرہ زبانوں کے ضخیم ناولوں کی ورق گردانیاں کی ہیں مگر بنکم باو بنکم ہی ہیں ان کا بانکپن کسی زبان کے ناول نویسوں میں نظر نہیں آتا اب تک کوئی ناول نویس اس ملک میں نہیں پیدا ہوا جو ان کے مقابلہ کی جرأت کرتا۔

اختر صاحب اندرا لائے، میں نے قلم برداشتہ لکھکر ان کے حوالہ کرنے کی

نیت کی۔ کوشش کی ہے کہ طرز تحریر موثر ہو مگر اردو زبان میں بنگالی بھاشا کی میٹھی لذت پیدا کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔ بنگالی بنگالی ہے اور اردو اردو ہے، تاہم جن کے نصیب میں بنگالی لٹریچر پڑھنا مقدر نہیں ہوا وہ اس ترجمہ کو مزہ لے لیکر پڑھیں"۔

بنکم بابو نے شروع میں اندرا کا قصہ مختصرا لکھا تھا، بعد میں اسے ایک بڑی کتاب کی صورت دے دی۔ اس کے سببِ تالیف میں انھوں نے جو لکھا تھا "دیباچہ از مصنف" کے عنوان سے شیوبرت لال نے اس کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ اس کا خلاصہ مترجم کے لفظوں میں یہ ہے:

"اندرا چھوٹی تھی۔ بڑی ہو گئی۔ ایشور کا کام ہی یہی ہے کہ چھوٹوں کو بڑا بناتا رہے۔ اس دنیا کے بادشاہ بھی یہی کرتے ہیں۔ اس میں یہ بات ضرور پیدا ہوگی کہ بڑی ہونے سے اس کی قیمت بڑھ گئی۔ پولیس کا کانسٹبل ایک ہی روپیہ رشوت میں لیتا ہے۔ اسے ذرا داروغہ ہونے دو، پھر وہ دو روپے سے کم رشوت نہیں لیگا کیونکہ بڑے ہونے کی وجہ سے اس کی بھی قیمت بڑھ گئی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ چھوٹی اندرا کچھ اور تھی۔ یہ بڑی اندرا کچھ اور ہے۔ وہ پرانی تھی، یہ نئی ہے اور مصنف کو کیا اتنا بھی اختیار نہیں کہ وہ اپنی چھوٹی کتاب کو بڑی بنا دے؟"

اس کے بعد کہانی شروع ہوتی ہے جو مختصرا یہ ہے:

"اندرا کے مالدار باپ نے اس کے غریب سسر کے پاس کہلوا دیا کہ پہلے اس کا بیٹا دولت کما لے، اس کے بعد اندرا کو لے جائے۔ سات آٹھ برس میں اندرا کے شوہر نے پردیس جا کر خوب دولت کمائی اور اندرا کو لینے کے لیے کیسی کہار اور پیادوں کے ساتھ بہت قیمتی آراستہ پالکی بھیجی۔ وہ لوگ اندرا کو لیکر چلے۔ راستے میں ڈاکوؤں نے سب کچھ لوٹ لیا اور جنگل میں اندرا کو اکیلی چھوڑ کر چلے گئے۔ اندھیری رات میں وہ موت کا انتظار کرتی رہی۔ آخر دن

نکلا۔ کچھ دور چل کر ایک برہمن ملا۔ یہ اس کے یہاں چلی گئی۔ اس سے کپڑے، چوڑی وغیرہ لیکر پہنے۔ پھر برہمن کے مشورے سے ایک بابو کے گھر کی عورتوں کے ساتھ کلکتہ کے لئے روانہ ہوی۔ راستے میں دو چھیاں گیت گاتی ہوئی ملیں۔ اندرا کو خیال ہوا کہ یہ گیت اگر بڑی عمر کی عورت گاتی تو کسی کو بھلا نہ لگتا۔ حالت کا فرق اچھی چیز کو بُرا بنا دیتا ہے۔ جوان آدمی کے ہاتھ سے تماچہ کھانا کون پسند کرتا ہے مگر تین برس کے بچے کے ننھے منے ہاتھوں کی مار سب کو پیاری لگتی ہے۔ کوی اپنی نیک عورت کو جنگل میں چھوڑ آئے تو پاپی کہلائیگا لیکن شری رام نے سیتا کو گھر سے نکال دیا تو انھیں کوئی برا نہیں کہتا۔ اندرا کلکتہ تو پہنچ گئی لیکن اب پریشانی یہ تھی کہ آدمیوں کے اس جنگل میں چاچا کا پتا کیسے ملے؟ باپو تو کالی کے درشن کر کے واپس ہو گیا۔ اندرا اس کی ایک رشتہ دار سوبھاشنی عرف سبو کے یہاں روٹی پکانے پر نوکر ہو گئی۔ سوبھاشنی کے شوہر نے اندرا کے باپ اور شوہر دونوں کو خط لکھے لیکن ڈاک خانہ کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ان کا جواب نہیں آیا۔ اتفاق سے ایک رئیس مہمان آیا۔ معلوم ہوا کہ یہی اندرا کا شوہر ہے۔ اندرا کے دل نے کہا کہ اگر گینڈے کا سر ٹکرانا، شیر کا پنجہ چلانا پاپ نہیں، تو ہم استریوں کو ایشور نے جو اوزار دئے ہیں ان کے استعمال میں بھی کوئی پاپ نہیں ہے۔ غرض کوئی دس دن میں اس نے اپنے شوہر کو رام کر لیا مگر مشکل یہ تھی کہ ڈاکوؤں کے ہاتھ میں پڑ جانے کی وجہ سے اندرا ذات باہر ہو چکی تھی۔ اندرا کے شوہر کے کہنے سے سوبھاشنی کے شوہر نے اس کے حالات کا سر بہ مہر تصدیق نامہ شوہر کے سامنے اندرا کے حوالہ کیا۔ اندرا کے کہنے سے اس کا شوہر دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے ابے اس کے میکے تک پہنچا گیا۔ دوسرے دن وہ آیا۔ ساری رسموں کے بعد وہ خود اندرا کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا"۔

بظاہر یہ ایک دکھیا کا قصہ ہے لیکن مصنف نے معاشرے کی خرابیوں کی نشاندہی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے اور اس اعتبار سے یہ ایک کامیاب اصلاحی ناول بھی ہے۔

۲۔ سندری رادھارانی :

یہ بھی چٹرجی کے ایک ناول کا ترجمہ ہے۔ اس کے سرورق کے اندراجات حسب ذیل ہیں :

"ناولستان کے ترجمہ کے سلسلہ کا نمبر ۲۔ سندری رادھارانی۔ ایک ہندو بنگالی نیک بخت استری کی سچی احسانمندی کا دلچسپ قصہ، رائے بہادر بابو بنکم چند چٹرجی صاحب کی اعلا تصنیف، بابو شیو برت لال ورمن ایم اے، ایڈیٹر وگیانی، لاہور کا سونے میں سوہاگہ جیسا ترجمہ، بہ نظر ثانی منشی گوری شنکر لال صاحب اختر ایڈیٹر شیو شنبھو، ناول میگزین، سراغ لاہور"

مترجم نے اس کا دیباچہ اختصار کے ساتھ ۲۹ جنوری ۱۹۱۹ء کو لکھا تھا۔ اس میں جو کہا ہے مختصراً یہ ہے :

"بنکم بابو کی جادو بیانی کو سب جانتے ہیں۔ اختر صاب کی خواہش ہے کہ ان کے ادارے کی خاطر سے بنگالی ناولوں کا اردو زبان میں ترجمہ کر دیا جائے۔ وہ آپ بھی لکھتے ہیں اور مجھے بھی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ ان کے کہنے پر اس سلسلہ کی بھی بنیاد ڈالنی پڑی۔ یہ اس قسم کا تیسرا نمبر ہے۔ پہلا سندر جوڑی، دوسرا سندر اندرا، تیسرا یہ سندری رادھارانی۔ یہ کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں۔ ان میں سندر اندرا بڑی ہے۔ باقی دو چھوٹی ہیں۔ ان چھوٹی کتابوں میں بھی بنکم بابو نے جو کمال دکھلایا ہے، وہ دوسروں کی کتابوں میں نظر نہیں آتا۔ ایشور نے اس شخص کو عجیب قسم کا دل اور دماغ عطا کر کے بھیجا تھا۔ شکر ہے اب اردو زبان میں اختر صاحب کو بنگالی ناولوں کے ترجمہ کرنے

کاخیال پیدا ہوا ہے۔ میں بھی اپنی فرصت اور قابلیت کے موافق ان کا جوں توں ہاتھ بٹانے لگا ہوں"۔

معلوم ہوتا ہے کہ شیوبرت لال نے تینوں کتابوں کا ترجمہ یکے بعد دیگرے کر کے گوری شنکر لال اختر کو دیدیا تھا۔ انھوں نے کسی مصلحت سے پہلی کتاب "سندر جوڑی" کو موخر کر دیا تھا۔ "سندری رادھا رانی" کی کہانی کا خلاصہ اس طرح ہے:

"رادھا رانی ایک غریب بیوہ کی کم عمر لڑکی تھی، اور اپنی ماں کے ساتھ جھونپڑی میں رہتی تھی۔ وہ ایک مالا بنا کر رتھ میلے میں پہنچی تاکہ اس سے اپنا اور اپنی ماں کا پیٹ بھرے، مالا کو کسی نے نہیں خریدا۔ اتفاق سے ایک آدمی اس سے ٹکرایا۔ بچی رونے لگی۔ اس آدمی نے بچی کو خاموش کر کے اس کا نام وغیرہ معلوم کیا اور چار پیسے میں مالا خرید لی۔ رات کے اندھیرے میں اسے پیسے کے بجائے روپیہ دے کر وہ آدمی غایب ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں بزاز کے آدمی نے اسے ساڑی لا کر دی کہ ایک صاحب اس کی قیمت دے گیے ہیں۔ دوسرے دن اسے اپنے جھونپڑے میں ایک نوٹ پڑا ہوا ملا جس پر رکمنی کمار رائے کا نام لکھا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ نیک دل بابو ان کی مدد کر رہا ہے۔ ماں کی طرف سے اس کی سسرال کا مقدمہ پریوی کونسل میں دایر تھا۔ ماں نے نیک طبیعت وکیل سے درخواست کی کہ وہ رادھا رانی کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ اس نے وعدہ کیا اور دونوں کو اپنے گھر لے آیا۔ کچھ دن میں ماں مر گئی۔ مقدمہ کامیاب ہو گیا اور رادھا رانی کو اس کے باپ کی جایداد مل گئی لیکن کم عمری کی وجہ سے وکیل کو اس کا ولی اور سرپرست مقرر کر دیا گیا۔ جب وکیل کو معلوم ہوا کہ رادھا رانی رکمنی کمار رائے سے ہی شادی کرنا چاہتی ہے تو اس نے ہر چند تلاش کی لیکن اس کا پتا نہ چل سکا۔ کچھ مدت بعد وکیل بھی مر گیا۔ رادھانی رانی نے اپنی جائیداد پر قابض ہونے کے بعد ایک دھرم شالہ "رکمنی کمار رائے کا پرساد" کے نام سے بنوائی اور وہاں خیرات کا

سلسلہ جاری کیا۔ اتفاق سے ایک دن ایک نوجوان بنگالی وکیل کی بیٹی کا خط لیکر آیا۔ راوھارانی نے چق کے پیچھے بیٹھکر بات کی، تو معلوم ہوا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے اپنا فرضی نام رکمنی کمار رائے رکھ لیا ہے۔ پھر دونوں نے گذشتہ واقعات ایک دوسرے کو سنائے۔ جب دونوں کو ایک دوسرے کی شخصیت کا یقین ہو گیا تو مناسب ساعت میں انھوں نے شادی کرلی۔"

قصہ دلچسپ ہے لیکن حقیقی دنیا میں ایسے واقعات معمولاً پیش نہیں آتے ہیں۔ داستانوں میں البتہ ایسے اتفاقات اور حادثات کا بیان ہوتا ہے چنانچہ اس قصے کو ناول کے مقابلے میں داستان کے زمرے میں رکھنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شیوبرت لال نے اس قصہ کا بنگالی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ پھر اس ترجمے پر گوری شنکر لال اختر نے نظر ثانی کی تھی چنانچہ اس کی زبان نسبتاً زیادہ صاف اور مکالمے زیادہ چست ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند سطریں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔ معصوم اور کمسن راوھارانی کی زبان پر یہ جملے پھبتے ہیں:

"راوھارانی نے پوچھا: 'یہ کیسا پیسہ ہے؟ یہ تو بڑا معلوم ہوتا ہے۔' آدمی نے کہا: 'یہ ڈبل پیسہ ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا؟ میں نے تمھیں زیادہ قیمت تو نہیں دی۔' راوھارانی کو تعجب ہوا: 'یہ تو اندھیرے میں چمکتا ہے۔ تم نے کہیں بھول سے روپیہ تو نہیں دے دیا'۔ آدمی نے کہا: 'نہیں نئی ٹکسال کا پیسہ ہے یہ اس کے چمکنے کا سبب ہے۔'

راوھارانی نے کہا: 'اچھا گھر چل کر چراغ کی روشنی میں دیکھونگی۔ پیسہ ہو گا تو ٹھیک ہے ورنہ واپس دے دونگی۔ تم کو ذرا دیر وہاں ٹھہرنا ہو گا۔"

(د) فارسی سے ترجمے:

شیوبرت لال نے فارسی کے علمی سرمایے سے بھی خوبی استفادہ کیا تھا لیکن انھوں نے فارسی کی نثری یا منظوم کسی بھی کتاب کا مکمل ترجمہ نہیں کیا، البتہ ان کی مختلف کتابوں میں فارسی کے شعروں کے ترجمے نثر اور نظم دونوں صورتوں میں بہت

ملتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ شیوبرت لال کی تصانیف میں خاصی تعداد ایسی کتابوں کی ہے کہ اگر ان میں سے فارسی کے اشعار اور ان کے ترجموں کو حذف کر دیا جائے تو ان کا وجود بھی باقی نہیں رہ جائیگا۔ یہاں محض چند کتابوں کا نمونہ کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ صوفی ازم :

شیوبرت لال تصوف کو بنیادی طور پر ہندوستانی اور ہندو مذہب اور فلسفہ پر مبنی خیال کرتے تھے بلکہ انھوں نے بہت سی مثالیں دینے کے بعد یہ دعوا کیا ہے کہ :

"یہ ثبوت ہے کہ اسلام کو تصوف سے کوئی بھی واسطہ نہیں تھا۔" (ص ۳۴)

اس کے باوجود انھوں نے اپنی ضخیم تصنیف "صوفی ازم" کے مطالب کی توضیح و تائید کے لیے فارسی اور اردو کے صوفی شعراء کے بہ کثرت اشعار نہ صرف نقل کیے ہیں بلکہ ان کے ترجمے اور تشریحیں بھی کی ہیں۔ کتاب کی تمہید میں انھوں نے لکھا ہے کہ :

"ست سنگ کی غرض بھی یہی ہے۔ اس اصلی غرض کو کسی فارسی کے شاعر نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے ؎

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن   آئین است، سینہ چوں آئینہ داشتن

ترجمہ : تعصب رکھنا ہمارے طریق میں کفر ہے اور ہمارا اصول یہ ہے کہ دل کو آئینہ کی طرح صاف شفاف رکھا جائے"

"اسلامی تصوف پر ایک نظر" کے عنوان سے بحث کرتے ہوئے شیوبرت لال نے لکھا ہے :

"صوفیوں کا طرزِ عمل اسی قسم کا رہا ہے۔ وہ بالکل معصوم ہوتے ہیں۔ نہ وہ کسی سے کبھی الجھتے ہیں اور نہ مذہبی بحث و مباحثہ یا مجادلہ، مناظرہ کی طرف ۔ ہی جاتے ہیں جیسا کہ شروع سے لیکر آج تک اسلامی تصوف کا خاصہ رہا ہے۔ ایک صوفی کا کلام ہے ؎

من آن مورم کہ از پایم بنالند   من نہ زنبورم کہ از نیشم بنالند

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں چیونٹی کی حیثیت رکھتا ہوں۔ چاہے کوئی مجھے بھلے

ہی پاؤں سے پامال کردے۔ میں بھڑ نہیں ہوں کہ لوگ میرے ڈنک سے درد مند ہو کر آہ آہ کریں۔" (ص ۱۸تا۱۹)

تصوف اور اس کے مراحل کے بیان میں شیوبرت لال نے لکھا ہے کہ :

"غور کرنا، غور سے دلی انکشافات کا تماشا دیکھنا اور پھر اس کی طرف سے آنکھ میچ لینا اور اپنے آپ میں محو ہو رہنا تصوف ہے۔ طالبانِ دنیا مقہور اند، طالبانِ عقبا مزدور اند اور طالبانِ مولا مسرور اند، یہ تصوف کا ابتدائی خیال ہے اور انتہائی خیال کا پتا اس شعر سے لگتا ہے۔

ناصحا مفلس نیم، دارم کلاہِ چار ترک　　ترکِ دنیا، ترکِ عقبا، ترکِ مولا، ترکِ ترک

ابتدائی مرحلہ میں صوفی کہتا ہے۔ ہمہ ازوست۔ اِسی سے سب کچھ ہے۔ وسطی مرحلہ میں صوفی کہتا ہے ہمہ اوست۔ وہی سب کچھ ہے کی وہ صدا سناتا ہے۔ ان دونوں کی چوٹی پر آکر وہ انا الحق میں ہی خدا ہوں بول اٹھتا ہے۔ پھر آخری درجہ میں اس کی زبان پر خاموشی کی مہر لگ جاتی ہے۔ یہ تصوف ہے"

(ص ۴۶)

اس کتاب میں شیوبرت لال نے بعض بعض مقاموں پر فارسی کے اشعار مسلسل نقل کیے ہیں مثلاً معراج تصوف کے عنوان سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"مسلمان تصوف کو گمراہی، بیدینی اور ضلالت سمجھتے تھے اور اس پر کفر کا فتوا لگاتے تھے۔ صوفی اس کفر کو معراج تصوف سمجھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ فریدالدین عطار کے چند اشعار تم کو سناتا ہوں۔

اگر در کفر آئی ، عشق بینی　　نمود عشق ہم از عشق بینی

اگر کافر شوی باشی مسلمان　　دلے گفتن چنیں بر جائے نہ تواں

چوں کافر گشتم و کفر آں گندیدم　　بہ کفر آن روئے خویش خوب دیدم

من اندر کافری اسرار دارم　　نمودِ جز وگل دلدار دارم

من اندر کافری بگذیدہ ام یار

ہم اندر کافری من دیدہ ام یار

اس کا مطلب خیز ترجمہ :

کفر میں داخل ہوتے ہی تجھ میں محبت آگئی اور اس محبت کے سلسلے میں محبت کا نظارہ نظر میں آجائیگا۔

اگر کافر ہو جائیگا تب مسلمان بنیگا لیکن ایسی بات ہر جگہ نہیں کہنا چاہئے۔ جب میں کافر ہوا اور کفر کو اختیار کیا تب ہی کفر کی بہ دولت اپنی صورت کو اچھی طرح سے دیکھ لیا یعنی اپنی ذات کو پہچان گیا۔

میری کافری اسرار سے خالی نہیں ہے۔ دلدار کی جزوی اور کُلّی حیثیت مجھ میں ہے۔ اسی کافری کی بدولت میں نے یار (خدا) کو قبول کیا اور اسی کی بدولت اس یار کا دیدار بھی حاصل کر لیا۔

اور بھائی بات بھی سچی ہے۔ بغیر اس کفر کے حقیقت کا پردہ بھی نہیں اٹھتا۔ دین نہایت بڑا پردہ ہے جو حقیقت کے دیکھنے میں مانع رہتا ہے۔ یہ تصوف کا کفر ہی ہے جو اس سے ملا دیتا ہے۔ یہ تصوف کا کفر معراجِ تمنا ہے اور اس معراج تک پہنچنے پر پھر کفر اور ایمان دونوں کا پتا نہیں رہتا" (ص ۱۸۸ تا ۱۸۹)

سماع کے معاملات سے بحث کرتے ہوئے شیوبرت لال نے پہلے مولانا روم کے اشعار نقل کیے ہیں، اس کے بعد شاہ نیاز کے چند شعر لکھے ہیں۔

"ہمہ عالم پُر است از آواز — لیک درہائے گوشِ خود کن باز
اول و آخرش چوں بیحد شد — زاں سبب نام او بہ احد شد
نوی یک کلام لامقطوع — ازحدث وفنا شود مرفوع
یازملاتو دایم است اے کلیم — حیف تو نہ شنوی کلام قدیم

اس کا مطلب خیز ترجمہ :

۱۔ تمام کائنات آواز سے بھری ہوئی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تم اپنے کان کے دروازوں کو کھول رکھو۔

۲۔ چونکہ اس آواز کا اول اور آخر بیحد ہے اس لئے اس کا نام احد رکھا گیا ہے۔

۳۔ تو ایک ایسی مسلسل آواز سنیگا جو حدث و فنا سے اونچی ہو گی۔

۴۔ تیرا دوست ہر وقت تجھ سے بات چیت کر رہا ہے لیکن افسوس ہے تو اس قدیم کلام کو نہیں سنتا ہے"

۲۔ سلطان الاذکار :

اس کتاب میں تصوف کے مختلف مراحل کا بیان صوفی شاعروں کے کلام کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ ذیل میں مختصراً بعض باتیں قلمبند کی جاتی ہیں :

طالب میں یہ جذبہ (طلب یا شوق کا) ضروری ہے۔ اگر ابتدا میں اس جذبہ میں کچھ کمی محسوس ہو تو شوق بڑھ جانے سے وہ بھی بڑھ جاتا ہے ؎

آب خواہی، تشنگی آور داست | تا جو شد ابرِ رحمت سخت سخت

تا نہ گرید طفل، کے جنبد لبن | تا نہ روید لالہ، کے خندد چمن

ترجمہ :۔ اگر پانی کی خواہش ہے اور تو اسے حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنی پیاس کو بڑھا دے تاکہ رحمت کا بادل زور شور کے ساتھ جوش میں آجائے۔

جب تک لڑکا نہیں روتا، ماں کی چھاتی میں حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ جب تک پھول نہیں کھلتا ہے تب تک باغ خنداں نہیں ہوتا ہے۔

یہ طلب اور شوق مرشد کی صحبت اور خدمت سے روبہ ترقی ہوتا ہے۔ یہ طلب تصوف کی پہلی منزل ہے۔ تصوف میں مرشد کی محبت کو عشق کہتے ہیں۔ جیوں جیوں عشق کا قدم آگے بڑھتا جاتا ہے لطافت سے ہمکنار اور ہم آغوش ہونے کا موقع آجاتا ہے۔ قدمِ عشق پیشتر بہتر۔

دل قلا بازیاں بھول جاتا ہے | نظر شاہدِ تمنا کی طرف لگی رہتی ہے

عشق بشگافد فلک را صد شگاف | عشق لرزاند زمیں را از گزاف

عشق جو شد بحر را مانندِ دیگ | عشق ساید کوہ را مانندِ ریگ

ترجمہ : عشق میں وہ طاقت ہے کہ آسمان کے پرخچے اڑا کر پارہ پارہ کر دیتا ہے

زمین کو لرزہ آجاتا ہے۔

دریا اس کے جوش سے اس طرح ابلنے لگتا ہے جیسے چولھے پر دیگ کا پانی ابلتا ہے۔ اگر عشق چاہے تو پہاڑ کو پیس کر ریت کی طرح باریک بنا دے۔

یہ عشق تصوف کی دوسری منزل ہے۔ توحید عشق کی چوٹی ہے۔ بغیر عشق کے کوئی اسے سمجھ کیسے سکتا ہے۔ توحید کیا ہے، تم صوفی کی زبانی سنو۔

چیست توحید آنکہ از غیر خدا فرد آئی در خلا و در ملا

ترجمہ۔ توحید کیا، سوائے خدا کے خلا اور ملا میں یکتا ہو رہنا ہے۔ یہ توحید تصوف کی تیسری منزل ہے۔" (ص ۲۳ تا ۲۸)

پوری کتاب میں اسی طور پر تصوف اور پیری مریدی کے معاملات و مسایل اور اذکار و مشاغل کا بیان کیا گیا ہے، مثلاً ایک اقتباس اور نقل کیا جاتا ہے:

"سلطان الاذکار کا عمل ثلاثہ ہے جس کا اشارہ حضرت مولانا روم کے مشہور شعر میں موجود ہے۔

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بینی سرِ حق، بر ما بخند

اس میں پہلا ذکر لسانی ہے، دوسرا شغل نظری ہے، تیسرا عمل سماعی ہے۔ یہ تینوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ذکر تجلیات کے مشاہدہ کے ساتھ ساتھ سماع پر ختم ہوتے ہیں۔" (ص ۹۱)

یہ محض چند مثالیں شیوبرت لال کی دو کتابوں سے پیش کی گئی ہیں۔ ان کی مختلف کتابوں میں اساتذۂ فارسی کے شعروں کے جو ترجمہ اور تشریحیں ملتی ہیں ان کو اگر یکجا کر دیا جائے تو ایک ضخیم مجموعہ تیار ہو جائیگا۔ فارسی کے شعروں کے ترجمے عموماً لفظی ہیں اور اصل شعر بھی نقل کیا گیا ہے۔ یہ ترجمے معتبر بھی ہیں اور ان کی افادیت بھی ظاہر ہے۔

(ہ) پنجابی سے ترجمے:

شیوبرت لال نے پنجابی زبان میں ایک رسالہ "پنجابی سورما" کے نام سے

نکالا تھا۔ اس میں ان کے مضامین کے پنجابی میں ترجمے شایع ہوتے تھے۔ انھوں نے عمر کا زیادہ حصہ پنجاب میں گذارا تھا اور وہاں کی زبان سے واقفیت حاصل کرلی تھی۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے پنجابی سے اردو میں بھی کچھ ترجمے کیے تھے۔ ان کی کتاب نانک جوگ وغیرہ کی تکمیل میں بھی پنجابی زبان کے بعض مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ پنجابی زبان کے بارے میں اپنے ایک مضمون میں انھوں نے لکھا ہے کہ :

"[۸] جس قدر پنجابی قوم اپنی مادری زبان پنجابی کی بے عزتی کرتی ہے شاید دنیا میں کوئی اور قوم اپنی زبان کی اتنی بے عزتی نہیں کرتی۔ جب میں پنجاب میں آیا پنجابی لوگ اپنی زبان کو برا بھلا کہتے تھے۔ میں نے پنجابی پڑھی۔ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ زبان بطور خود بہت میٹھی ہے اور خیالات کے اظہار کے لیے اس میں لفظوں کا ذخیرہ کافی ہے۔ سب سے پہلے میں نے گرو گرنتھ صاحب کو پڑھنا شروع کیا۔ اب پنجابی شاعروں کے کلام پڑھتا ہوں۔ ممالک متحدہ کے ہندو بھی ہندی کی اسی طرح بے عزتی کرتے تھے مگر پنجابی ان سے دس ہاتھ آگے ہیں۔ ایشور ان پر رحم کرے۔"

شیوبرت لال نے پنجابی شاعروں کے کلام کو پڑھا۔ انھیں اس سے دلچسپی ہوئی اور اپنے شوق سے انھوں نے بعض کلام کا اردو زبان میں ترجمہ بھی کرڈالا، انھوں نے بھلے شاہ کی ایک کافی کا ترجمہ کیا تھا۔ وہ ان کی تمہید کے اختصار کے ساتھ نقل کی جاتی ہے۔

"میاں بھلا شاہ پنجابی شاعروں میں سے ہیں۔ ان کی کافیاں مشہور ہیں۔
ایک نظم اس طرح کی ہے جس کے گیارہ بند ہیں ؎

جھوٹ آکھاں تاں کچھ بچدا ہے — سچ آکھیاں بھانبڑ مچدا ہے
دل دوہاں گلانوں جچدا ہے — جچ جچ کے جبھیا کہندی ہے

منھ آئی بات نہ رہندی ہے

میں نے چاہا کہ اس کا اردو میں ترجمہ کردوں مگر کہنا سہل ہے۔ کرنا مشکل ہے۔
ترجمہ میں وہ لوچ اور فصاحت کہاں آسکتی ہے۔ پنجابی زبان کی قدرتی سلاست کچھ

اتنی ہے کہ وہ کسی اور زبان میں ادا نہیں ہو سکتی۔ نظم اچھی ہے مگر ترجمہ میں بھدی ہے۔ بندوں میں آخری ۹ مصرع کا تعلق بھی طبیعت کو نہیں بھاتا ہے۔

بھلا شاہ کی کافی کا اردو ترجمہ ہے

جھوٹ کہتا ہوں تو دنیا سے بچا رہتا ہوں — سچ جو کہتا ہوں تو آفت میں پھنسا رہتا ہوں
جان اور بوجھ کے گوبت میں بنا رہتا ہوں — پر رہا چاہوں جو چپ، کب میں بھلا رہتا ہوں

بات جو دل میں ہے پوشیدہ نہیں رہتی ہے

کوئی ہشیار بنا، کوئی بنا ہے مجذوب — ایک کو دار ہوئی اور ہوا اک مصلوب
کوئی طالب ہے حقیقت کا کوئی ہے مطلوب — کوئی دشمن ہے خدا کا، کوئی اس کا محبوب

بات جو دل میں ہے پوشیدہ نہیں رہتی ہے

قیل اور قال میں دنیا کا تماشا دیکھو — حث و حجت میں مذاہب کا نظارہ دیکھو
کہیں اندر، کہیں پریوں کا اکھاڑا دیکھو — جہل کا لوگوں نے پکڑا ہے سہارا دیکھو

بات جو دل میں ہے پوشیدہ نہیں رہتی ہے

آب و آتش میں نہیں اور نہ ہے وہ گل میں — تیل میں اس کی نہیں بو ہے، نہ ہے وہ تل میں
نہ وہ خنجر میں، نہ شمشیر میں، نے قاتل میں — وہ اگر رہتا کہیں ہے تو تمھارے دل میں

بات جو دل میں ہے پوشیدہ نہیں رہتی ہے

کوئی معشوق بنا نا زد کھاتا آیا — کوئی عاشق بنا اور صدمے اٹھاتا آیا
کوئی خود روتا ہے اور سب کو رلاتا آیا — کوئی خود ہنستا ہے اور سب کو ہنساتا آیا

بات جو دل میں ہے پوشیدہ نہیں رہتی ہے

صبح کا نور ہو ہیں تیرگیِ شب ہے ضرور — ساتھ میں شورِ انا الحق کے ہے دارے منصور
......جل اٹھا اسی دم تختہ طور — دیکھا انکار میں، اقرار میں، اس حق کا ظہور

بات جو دل میں ہے پوشیدہ نہیں رہتی ہے

آپ وہ لعل ہے، اور لعل کا مخزن ہے وہی — آپ گوہر ہے وہ اور درج ہے معدن ہے وہی
گر وہ بلبل ہے تو بلبل کا نشیمن ہے وہی — وہی ساکن ہے ہکونت ہے وہ مسکن ہے وہی

بات جو دل میں ہے پوشیدہ نہیں رہتی ہے

جس کو اسرار ملا حق کا وہ خاموش ہوا — میرا تیرا اپنا سب بھولا وہ بےہوش ہوا
پی لیا جام جو وحدت کا تو مدہوش ہوا — عیب وہ دیکھے بھلا کس کا، خطاپوش ہوا

بات جو دل میں ہے پوشیدہ نہیں رہتی ہے

مجھ کو ہے پاس لب کھول کے کیا تم سے کہوں — رب کی ہیں صورتیں سارے یہ جو ہیں علم و فنوں
کہیں اور اک کی صورت میں ہے، کہیں وہ جنوں — کہیں معشوق ہے اور ہے وہ کہیں پر مفتوں

بات جو دل میں ہے پوشیدہ نہیں رہتی ہے

انکھ نے دیکھا ہے پر کہنے کی طاقت ہے کہاں — دل نے مانا ہے مگر دل میں نہیں تاب بیاں
کوئی کس طرح بتائے نہیں وہ وہم و گماں — کبھی ظاہر ہے کبھی ہے کسی پردے میں نہاں

جو دل میں ہے پوشیدہ نہیں رہتی ہے

بھلا شاہ کیبک کافی کا یہ ترجمہ نمونہ کے طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ شیوبرت لال پنجابی سے نثر و نظم کے منظوم اور نثری ترجمہ کرنے پر بخوبی قادر تھے۔

(و) دیگر :

سندھی اور گجراتی زبانوں کی تصانیف سے بھی شیوبرت لال نے استفادہ کیا تھا۔ ان علاقوں کی حکایتوں روایتوں کے علاوہ وہاں کے تواریخی قصوں کو بھی شیوبرت لال نے اردو زبان میں لکھا ہے چنانچہ ان کی ایک کتاب "سندھ دیش کے پرانے دیہاتی قصے" کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

ایک جگہ ضمناً انھوں نے گجراتی سے استفادہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"میں نے اپنا ایک رسالہ ان (مسٹر چمپت رائے) کی نذر کیا جو میں نے ایک معمولی گجراتی زبان کی کتاب کو پڑھکر قلمبند کیا تھا۔ اس میری کتاب کا نام جین ہر تانت کلپدرم ہے"

یقینی بات ہے کہ ان زبانوں سے شیوبرت لال نے استفادہ کر کے اور بھی چند کتابیں لکھی

ہونگی لیکن اب اول تو ان کی کتابیں بیشتر نایاب ہیں اور جو ملتی ہیں ان کے بارے میں تفصیلات کا پتا نہیں چلتا۔

شیوبرت لال کی مذہبی تعلیمات کے مراکز میں ہنمکنڈہ (ضلع ورنگل) کو اہمیت حاصل ہے۔ وہاں سے ان کی بیشتر کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ آخر زمانے میں آنند راؤ صاحب عرف دیال آنند نے بھی ان کی تعلیمات کی اشاعت کے سلسلے میں بہت کام کیا تھا۔ شیوبرت لال کی تحریریں تیلگو زبان میں بھی منتقل ہو کر شائع ہوتی رہی ہیں۔ خود شیوبرت لال نے تیلگو اور تمل وغیرہ علاقوں کی روایتوں اور بعض تاریخی واقعوں کو بھی اردو میں قلمبند کیا ہے۔ ان کی مشہور کتاب کبیر جوگ میں بھی دکن کی بعض شخصیتوں کا ذکر آگیا ہے۔ اس باب میں تو ہرگز کوئی شبہ نہیں کہ دراوڑ ماخذ سے شیوبرت لال نے براہ راست یا بالواسطہ طور پر استفادہ کیا تھا لیکن ان کے استفادہ کی نوعیت ایسی نہیں معلوم ہوتی کہ اسے ترجمہ کہا جائے۔

جو بھی ہو واقعہ یہ ہے کہ شیوبرت لال نے مختلف اور متعدد ملکی اور غیر ملکی زبانوں کی روایات وغیرہ سے اردو کے دامن کو بھرنے کی کوششیں کی تھیں۔ مذہبی موضوعات کے علاوہ انھوں نے بعض ٹھیٹھ علمی اور لسانی مسائل سے متعلق بھی کتابیں اور رسالے لکھے تھے۔ ان کے ایسے رسالوں میں درج ذیل خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

۱۔ یجروید کا مکمل ترجمہ

۲۔ قدیم آریوں میں علم تحریر کا رواج

۳۔ ظاہرو باطنی موسیقی

۴۔ ویدانت فلاسفی

۵۔ زند اوستھا کا اردو ترجمہ

حواشی

۱۔ سندر اندرا صفحہ ۳

۲۔ داتا دیال صفحہ ۸۱

۳ تا ۴۔ کٹیلاگ لاہور جلد ۲ صفحہ ۷۸

۵۔ دنیا کی بہتری صفحہ ۱۳۳

۶۔ گلستان ہزار رنگ صفحہ ۴۵۲ تا ۴۶۰

۷۔ اردو کے ممتاز فلسفی شاعر علامہ اقبالؔ کا نقطۂ نظر بھی تقریباً یہی ہے

۸۔ مارتنڈ جولائی ۱۹۱۱ صفحہ ۴۰ تا ۴۲

۹۔ اصل پنجابی مصرع کا اردو میں لفظی ترجمہ شاید اس طرح بہتر ہوگا ع منہ پہ جو آگیسی، وہ بات کہا چھپتی ہے

۱۰۔ جین دھرم صفحہ ۴۱

پانچواں باب

سفرنامے، تذکرے، شخصی مطالعے

(۱)

سفر نامے

شیوبرت لال جہانیاں جہاں گشت تھے۔ انھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ سفر اور سیاحت میں گذارا تھا۔ ملک کے اندر زیادہ تر اہم مقامات کو انھوں نے وہاں قیام کر کے بچشمِ خود دیکھا تھا۔ انھوں نے کئی بیرونی ملکوں کے بھی سفر کیے تھے اور جہاں تک ہو سکا اہم تر مراکز کے بارے میں معلومات فراہم کی تھیں۔ شیوبرت لال کے سلسلۂ حالات میں ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ جہاں جہاں گئے، وہاں کے متعلق جو بھی قابلِ توجہ اطلاعات حاصل ہو سکیں ان کو قلمبند کر لیتے تھے۔ ان کی یادداشتیں بہت کام کی تھیں۔ جب بھی موقع ملتا ان یادداشتوں کو کتابی صورت میں مرتب کر لیتے تھے۔ اپنی ایک کتاب کے دیباچے میں انھوں نے لکھا ہے:

"ملتان جانے کا موقع پہلے نہیں ملا تھا۔ اس مرتبہ اس طرف سے گذرتے ہوئے اس قدیم صوبہ کے حالات اور اس کے قصے فراہم کرنے کا خیال دل میں پیدا ہوا۔ کسی طرح پوچھ پاچھ کر میں نے ایک مختصر رسالہ ترتیب دیا۔ جس میں پورانوں کے عہد سے لیکر انگریزوں تک کے آنے کے مجمل واقعات کے ساتھ ساتھ وہاں کے دیہاتی قصوں کا شمول ہے۔ اس کے بعد سندھ گیا۔ خواہش ہوئی کہ قدیم سندھ کے قصے اگر ہاتھ لگیں تو انھیں اردو زبان کا لباس پہنا دیا جائے۔ دورانِ سفر میں جن مقامات کی سیر کی یا جو باتیں سنیں وہ میرے نوٹ بک میں درج ہیں۔ ممکن ہے کسی وقت وہ کتاب کی صورت میں شائع ہو سکیں۔"

سفر و حضر کے دوران حاصل ہونے والی معلومات کو قلمبند کر لینے کی عادت

نے شیوبرت لال ہی کو فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ اس سے علمی دنیا کو بھی نفع حاصل ہوا اور شیوبرت لال نے زبان اردو میں کئی سفر نامے لکھ ڈالے۔ ان کی فہرست کتب میں ذیل کے نام ملتے ہیں:

۱۔ آئینۂ کشمیر
۲۔ تحفۂ کشمیر حصہ اول، حصہ دوم
۳۔ جاپان اور اس کی حیرت انگیز ترقی
۴۔ سیر ملتان
۵۔ ملتان کے قصے
۶۔ یاترا سندیش

(الف) سفر نامۂ برما، چین، جاپان، امریکہ وغیرہ:

شیوبرت لال نے اس سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اپنے رسالے مارتنڈ کو دھرم جگیاسو کے حوالے کر دیا تھا۔ اب یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ ان کا اصلی نام تھا یا اپنے کسی عقیدت مند کو شیوبرت لال نے دھرم جگیاسو کا خطاب عطا کیا تھا۔ اپنے دوسرے مشہور رسالہ سادھو کی ایڈیٹری وہ اپنے بزرگ عقیدتمند منشی سورج نراین مہر دہلوی کو دے گئے تھے۔ اپنے اس سفر کا حال لکھ کر انھوں نے دھرم جگیاسو کو بھیجنا شروع کیا چنانچہ اس کی پہلی قسط جنوری ۱۹۱۲ء کے رسالہ مارتنڈ میں چھپی تھی۔ سادھو کے ایڈیٹر مہر نے فروری مارچ ۱۹۱۲ء کا مشترکہ شمارہ شائع کیا اور اس میں انھوں نے اس کو "مہرشی شیو کا سفر نامہ" کے عنوان سے چھاپنا شروع کیا۔ مارتنڈ میں شائع شدہ پہلی قسط کو بھی انھوں نے اس تمہید کے ساتھ نقل کیا:

> "امریکہ تشریف لے جانے سے پیشتر مہرشی شیو نے فقیر مہر سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہاں سے اپنے سفر کے دلچسپ حالات اور سادھو کے لیے مضامین برابر بھیجتے رہینگے۔ جنوری کے مارتنڈ میں آپ کا جو سفر نامہ دیا گیا ہے وہ بھی ناظرین کی دلچسپی کی غرض سے سادھو میں نقل کیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد "خط اسمی فقیر مہر" جو سین فرانسسکو سے ۱۰ جنوری ۱۹۱۲ء کو روانہ ہوا تھا، درج کیا گیا ہے۔ اس کی ضروری باتیں یہ ہیں:

"میں یہاں ۲۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو پہنچ گیا تھا مگر شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی اور جہاز سے سیدھے تمام ہندو اور چینیوں کو ایک جزیرہ میں لے گئے جہاں قرنطین ہے۔ بہتوں کو واپس کر دیا گیا۔ ہندوؤں میں صرف میں ہوں جس کو بارہ دن کے بعد شہر میں جانے کی اجازت ملی۔ قرنطین میں لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ سوائے ایک کھاٹ کے اور کچھ بیٹھنے اٹھنے کا سامان نہیں ہوتا۔ میرے کمرہ میں علاوہ چند غریب ہندوؤں کے باقی بد معاش یوروپین تھے جو رات دن شور و غل، دنگا، فساد مچاتے رہتے تھے۔ چینیوں کے لیے الگ کمرہ تھا۔ آپ سے کیا کہوں میں نے کیسی اذیت یہاں آکر اٹھائی ہے۔ اب ہندوؤں کو امریکہ نہیں آنا چاہیے۔ ایک ہندو راج مل طالب علم ڈھائی مہینہ سے پڑا ہے۔ ایک چینی کو چھ مہینہ ہو گئے۔ شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ میں ۳۔ جنوری کی شام کو شہر میں آیا۔ کھانے پینے نہانے دھونے کا مطلق اچھا انتظام نہیں ہے۔ میں کبھی کبھی حیران ہوتا ہوں کہ مالک نے مجھ کو کیوں یہاں بھیجا۔ سورج دیوتا کم نکلتے ہیں۔ ایک دن چھتیس گھنٹے متواتر کھاٹ پر پڑا رہا۔ حد درجہ کا دبلا ہو گیا ہوں۔ خون خشک ہے۔ ایسی حالت ہے کہ کہی نہیں جاتی۔"

اس کے بعد اصل سفرنامہ "میرا سفر، پہلا باب" کے عنوان سے شروع ہوتا ہے۔ تمہید کلیان مختصراً اس طرح ہے:

"مجھ کو عرصہ سے جاپان اور امریکہ کے دیکھنے کا شوق تھا۔ میں نے بہت آدمیوں سے سنا تھا کہ جاپانی اور امریکی بالخصوص بڑی زندہ دل قومیں ہیں۔ ان کے متعلق کتابیں پڑھیں۔ میں جنوری ۱۹۱۱ کی ۲۵ تاریخ کو پتاجی کے درشن کے لیے گھر گیا۔ ایک مہینہ رہ کر لاہور آیا۔ مارچ کے آخری ہفتہ میں پتاجی کا دیہانت ہو گیا۔ میں نے ۲۷ اگست ۱۹۱۱ء کو لاہور چھوڑا اور لالا سیوک رام چڈھا کو لیکر کلکتہ آیا۔ لاہور سے روانہ ہوتے وقت میں نے ڈپٹی کمشنر کے

دفتر سے پاسپورٹ لے لیا تھا۔ ہر ہندوستانی سیاح کو چاہیے کہ اس قسم کا پاسپورٹ ضرور لے لے۔ ہم نے مسرز طامس کک اینڈ سن کے دفتر میں جا کر سفر خرچ اور ٹکٹ کا روپیہ جمع کیا"۔

دوسرے باب میں لالا سیوک رام کی پریشانیوں کا تذکرہ ہے۔ تیسرے باب میں سفر کی ابتداء کا بیان ہے :

"۲۲ اکتوبر کو میں جہاز سے رنگون کی طرف روانہ ہوا۔ یہ میل سٹیمر ہے جو تیسرے دن رنگون پہنچتا ہے۔ کلکتہ سے رنگون کا کرایہ پچاس روپے مع کھانے کے ہے۔ اگر کھانے کی مد شامل نہ ہو تو پینتالیس روپیہ کرایہ ہے۔ تیسرے درجہ کا کرایہ دس روپے ہے۔ میں نے جاپان تک کا کرایہ دو سو بتیس روپیہ دیا تھا۔ جہاز کیا ہوتا ہے۔ ایک چھوٹا سا قصبہ ہوتا ہے، جس میں سینکڑوں کی تعداد میں آدمی رہ سکتے ہیں۔ ہر قسم کی آسایش کا سامان موجود رہتا ہے۔ حلوائی کی دوکان تک رہتی ہے۔ تیسرے درجہ کے مسافروں کے ساتھ جانوروں کی طرح سلوک ہوتا ہے۔

رنگون کو ہندوستان کا ایک حصہ ضرور کہا جاتا ہے مگر اس کو اس سے کوی مناسبت نہیں۔ یہاں عورتوں کو حد درجہ کی آزادی ہے۔ جو چاہیں کریں۔ ذات پانت کا نام و نشان نہیں۔ برہما کی قوم فطرتاً کچھ زیادہ آزاد نظر آتی ہے۔ ان کو کل کی فکر نہیں رہتی۔

۲۵ اکتوبر کو ہمارا جہاز تبدیل کیا گیا۔ جہاز بیچ سمندر میں کھڑا تھا۔ سب لوگ لانچ (چھوٹی کشتی) پر بیٹھ کر ڈاکٹری معائنہ کے لیے گئے۔ جو لوگ ہندوستان سے آئے تھے زیادہ تر مسلمان ہی تھے جو اعظم گڑھ اور جونپور کے رہنے والے تھے۔ ہندو شاذ تھے۔ یہ سب سنگاپور کے جانے والے تھے۔ تجربہ کہتا ہے ہندوؤں کی نسبت مسلمان زیادہ ہمت والے ہیں۔ وہ پردیس میں بے کھٹکے جاتے ہیں اور وہاں کے حالات سے موافقت کر لیتے ہیں۔

ہندوؤں میں صرف پنجابی سکھ بڑے جفاکش اور اولوالعزم دیکھے جاتے ہیں۔ سب پردیس جاکر نوکری کرتے ہیں۔ نوکری کے سوا ان کو اور کچھ نہیں آتا۔ رنگون سے چلکر تین دن لگے۔ ۳۱ کو پنانگ میں پہنچا۔"

اس سفر نامہ کی دوسری قسط مئی ۱۹۱۲ کے سادھو میں چھپی جس میں "ہانگ کانگ اور چینیوں کے کچھ حالات" بیان کیے گئے ہیں۔ اس قسط میں اسلام کے عروج وزوال کا بھی تذکرہ آگیا ہے۔

شیوبرت لال کا ارادہ تھا کہ اس سفر نامہ کو از سر نو مرتب کر کے کتابی صورت میں چھپوائیں لیکن غالباً وہ ایسا نہیں کر سکے۔ موجودہ صورت میں بھی واقعات کے مربوط بیان، اور تقریباً سبھی ضروری تفصیلات کی پیشکش کے اعتبار سے شیوبرت لال کا یہ سفر نامہ اردو کے اچھے سفر ناموں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

(ب) ملتان کے حالات:

"قدیم زمانہ میں ملتان ضرور اپنے عروج پر رہا ہوگا۔ ہندو نوشتہ جات موجود نہیں ہیں کیونکہ ہندوؤں کو تواریخی حالات کی محفوظیت کی بابت کبھی توجہ نہیں تھی۔ ہاں جب سے مسلمان آئے انھوں نے حالات لکھنے شروع کیے۔"

یہ بڑی بات ہے کہ شیوبرت لال نے ہندو ہونے کے باوجود سفر نامے لکھے اور ہندوؤں کے ماضی کی داستانیں قلمبند کی ہیں۔ انھوں نے ملتان کا تعارف کرانے کے بعد اس کی تاریخ اور آبادی کا حال مختصراً لکھا ہے۔ اس سفر نامہ کے بعد انھوں نے درج ذیل عنوانوں سے ملتان کے حالات قلمبند کیے ہیں:

ملتانی قصے، پورانوں میں ملتان کا ذکر، ملتان کے ہندو معابد اور منادر، مسلمانوں کی مذہبی یادگار اور معابد و مساجد، بدحل سنت، ملتان کے قیام کے وقت میں جو شبد خود کہے۔

یہ سفر نامہ مختصر ہونے کے باوجود دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔

(ج) ملتان کا سفر نامہ :

رسالہ سنت سماگم کے شمارہ نمبر ۳۵ میں شیوبرت لال نے "ملتان کے حالات، حادثات، سوانحات اور روایات" شایع کیے ہیں۔ اس کی ابتداء اس طرح کی ہے :

"امرتسر سے روانہ ہوکر شجاع آباد آے۔ اسٹیشن پر حکیم سکھ دیال استقبال کے لیے موجود تھے۔ ان کے گھر قیام کیا۔ چھوٹا اور خوشنما قصبہ ہے۔ شہری آبادی زیادہ ہندووں کی ہے۔ شہر کے باہر زیادہ تر مسلمان ہیں۔ یہ قصبہ ملتان کے آگے ہے۔ فقیر چار گھنٹہ بعد ملتان پہنچا۔ ملتان نہایت پرانی جگہ ہے۔ اس نواح میں اس سے زیادہ قدیم کوئی جگہ نہیں ہے۔ شہر کے اردگرد میلوں تک کھنڈرات کے نشان ہیں۔ مٹی کا قلعہ ٹوٹا پھوٹا زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ کبھی بہت مضبوط رہا ہوگا۔ ملتانی اپنے شہر کی عزت کم کرتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

چار چیز است تحفۂ ملتان — گرد، گرما گدا و گورستان

لیکن یہ مبالغہ آمیز کلام ہے۔ گرمی میں وہاں لاہور اور ہندوستان سے زیادہ گرمی نہیں پڑتی، بھیکھ منگے بھی اتنے نظر نہیں آتے۔ قبرستان کے لئے جو چاہو کہہ لو لیکن وہ قبر نہیں کھنڈرات ہیں۔ ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

چار چیز است تحفۂ ملتان — خرما و خیرہ خرو خارستان

خیرہ یعنی کھیرا یہاں کثرت سے ہوتا ہے۔"

(د) آئینۂ کشمیر :

شیوبرت لال نے ۱۹۱۸ء میں کشمیر کا سفر کیا تھا۔ انھوں نے اس سفر کے حالات لکھنے چاہے۔ اس زمانے میں انھوں نے کشمیر کے حالات کے متعلق چھوٹی بڑی کچھ کتابیں فراہم کیں اور ان کے مطالب بھی اس سفر نامے میں شامل کر دئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سفر نامہ کشمیر کے حالات سے متعلق ایک مربوط کتاب کی صورت اختیار کر گیا۔ انھوں نے اس کا نام آئینۂ کشمیر مقرر کیا اور اپنے رسالہ وگیانی کے نومبر ۱۹۱۸ء کے شمارے میں ایک سرورق کے

ساتھ شایع کردیا۔ اس سرورق پر انھوں نے کشمیر کی تعریف میں جہانگیر، عرفی وغیرہ کے چند فارسی اشعار لکھے ہیں۔ کتاب کو گیارہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ اس طرح:

تمہید

باب اول : کشمیر اور اس کی وجہ تسمیہ

باب دوم : ملک کشمیر اور کشمیر کی دار الحکومت

باب سوم: عجایبات کشمیر باب چہارم : آثار صنادید

باب پنجم : کشمیر کی مختصر پولیٹکل تواریخ

باب ششم : کشمیر جانے کے راستے

باب ہفتم : کشمیریوں کی مذہبی اور مجلسی حالت

باب ہشتم : کشمیر کی موجودہ سلطنت

باب نہم : جموں

باب دہم : جموں شہر باب یازدہم : متفرقات

کتاب کی تمہید اس طرح شروع ہوتی ہے :

"ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید گر مرغ کباب است کہ بابال و پر آید (عرفی)

یہ شعر میں نے اس وقت سنا تھا جب مکتب میں تعلیم پاتا تھا۔ مدت سے کشمیر دیکھنے کا شوق تھا۔ کئی مرتبہ خواہش کی مگر کسی نہ کسی وجہ سے موقع ہاتھ نہیں آیا۔

بے وقت کسی کو کچھ ملا ہے پتا کہیں حکم بن ہلا ہے

اب وقت آیا۔ ۲۲ جنوری ۱۹۱۸ء کو بہ ہمراہی لالہ ترلوک چند جی لاہور سے روانہ ہوے۔ ایک دن راولپنڈی کے دھرم پورہ میں قیام کیا۔ پنڈت سیتارام جی کوی راج کے یہاں دعوت کھائی اور ۲۳ کی شام کو کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ صبح کوہ مری میں پہنچا۔ پہاڑی منظر ہر دو جانب حد درجہ کے خوش نما تھے۔ جہلم کی وادی کے نظاروں کا کیا کہنا ہے۔ طبیعت دیکھ دیکھ کر خوش ہوی۔ نیا دانہ کھاتے، نیا پانی پیتے اور نئی زمین کے مناظر دیکھتے ہوئے ۲۸ جولائی

۱۹۱۸ء کو شری نگر میں داخل ہوا۔ رائے کشوری لال تین میل سے آکر ایک
جگہ میرے انتظار میں کھڑے تھے۔ اپنی غیر معمولی مہمان نوازی سے مجھے
حد درجہ ممنون کیا۔ میں نے رائے صاحب کے بنگلہ کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا۔"

شیوبرت لال نے اس تمہید کے بعد لکھا ہے کہ "میں نے جو کچھ دیکھا، سنا،
اپنے ناظرین کو بھی مختصر لفظوں کی صورت میں دکھانے اور سنانے کا اہتمام کرتا ہوں تاکہ
انھیں بھی گھر بیٹھے کشمیر کے حالات سے واقفیت حاصل ہو۔" کشمیر کے حالات کے سلسلے
میں شیوبرت لال نے اپنے بعض تجربات بھی تحریر کیے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"لاہور کا ایک ہندو رئیس لفٹنٹ گورنر میں ملنے آیا۔ پوچھا: شہر کا کیا حال
ہے؟ جواب دیا: امن ہے۔ صرف آریہ سماجیوں نے ظلم مچا رکھا ہے۔ پھر
ایک معزز مسلمان آیا۔ اس سے بھی وہی سوال ہوا۔ اس نے کسی کی بھی شکایت
نہیں کی: ببیں تفاوت راہ...... الخ"

اس سفرنامہ میں سنی سنائی اور نامعتبر روایتیں بہت قلمبند کردی گئی ہیں۔ ان کو اگر نظر
انداز کردیا جائے تو بطور مجموعی یہ سفرنامہ بھی دلچسپ اور کار آمد ہے۔

شیوبرت لال کے ان سفرناموں سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ وہ سفر کے دوران اپنی نگاہوں
ہی کو نہیں، دل و دماغ کو بھی کھلا رکھتے تھے اور جو کچھ دیکھتے، سنتے تھے بحد امکان اسے
جنسہ قلمبند کردینے کی کوشش کرتے تھے۔ شیوبرت لال کی زندگی بہت مصروف تھی۔
روایتوں اور حکایتوں کی چھان پھٹک اور تحقیق کا انھیں موقع نہیں تھا، اس لئے ان کے
سفرناموں میں بعض غیر معتبر باتیں بھی آگئی ہیں۔ اگر انھیں نظر ثانی کا موقع ملتا تو غالب
گمان ہے کہ ان کو وہ خود بھی خارج کردیتے۔ اس کمزوری کے باوجود ان کے سفرنامے
دلچسپ بھی ہیں اور معلومات افزا بھی۔

شیوبرت لال نے سفرنامے کیہی لکھے تھے لیکن اب بیشتر نایاب ہیں اگر وہ سب دستیاب
ہو جاتے تو اردو میں شاید سب سے زیادہ سفرنامے لکھنے والے صاحب قلم وہی مانے جاتے۔

(۲)

تذکرے

اردو میں تذکرہ نویسی کی روایت قدیم، باضابطہ، اور مسلسل ہے۔ شیوبرت لال کے زمانے میں ان کے ایک ہمعصر لالا سری رام دہلوی اردو شاعروں کا ضخیم ترین تذکرہ لکھنے میں مصروف تھے۔

شیوبرت لال کو شاعروں کے ذکر اور احوال سے کچھ دلچسپی نہیں تھی۔ انھوں نے ہندوؤں کی مختلف نام بر آوردہ شخصیتوں کے تذکرے لکھنے کی طرف توجہ کی۔ اردو میں اس قسم کے کاموں کی بھی کچھ کمی نہیں تھی چنانچہ بعض معروف اور قابلِ ذکر تذکرے یہ ہیں:

نمبر شمار	نام تذکرہ	نام مصنف	موضوع
۱	خزینۃ الاصفیا	مفتی غلام سرور لاہوری	صوفیوں کا تذکرہ
۲	تذکرۃ الکاملین	ماسٹر رامچندر	مشاہیر عالم کا تذکرہ
۳	ثلاثۂ غسالہ	حکیم حبیب الرحمان بنگالی	کتابوں کا تذکرہ
۴	یادِ رفتگان	منشی محمد الدین فوق	صوفیا اور فقرا کا تذکرہ

شیوبرت لال نے تذکرہ نویسی کی اس روایت کو ایک نیا رخ دیا۔ انھوں نے ہندوؤں کے سنتوں، جاں بازوں اور خواتین وغیرہ کے علاوہ بعض مذہبی طبقوں مثلاً جینیوں اور سکھوں وغیرہ کے مذہبی بزرگوں کے بھی تذکرے لکھے۔ اور اس طرح تذکرہ نویسی کو ایک متعین فرقے کے ساتھ مخصوص کر دینے کی کوشش کی۔

تذکرے تو پھر تذکرے ہی ہیں۔ جو بات تذکرے کے طور پر کہی جائے اس کے لیے تحقیق شدہ اور قطعی ہونا کچھ ضروری نہیں ہے بلکہ تذکرے کے طور پر تو کوئی

بھی بات، کسی بھی طرح سے کہی جاسکتی ہے بعض لوگ جو کسی نہ کسی طرح سے اردو کی روایات کو مطعون کرنے میں ہی اپنی ناموری اور شیخی سمجھتے ہیں اردو تذکروں پر بھی طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں حالانکہ خود انھوں نے جو کچھ کیا ہے اس پر بھی وہی بلکہ بعض اور بھی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ شیوبرت لال کے تذکروں کی مخالفت میں بھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن انصاف کو بہرحال ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے۔ اس کے مخصوص حالات میں جو کچھ اس سے ہو سکا اس نے کر کے دکھادیا۔ اس کے کام کی نفی کرنے سے بہتر ہے کہ ہم خود بھی کچھ کریں اور اس سے بہتر کریں۔

(الف) بھگت مال :

ہندوستان کے سنتوں کا ایک تذکرہ سنسکرت زبان میں بھگت مال کے نام سے سبت ۱۵۲۴ بکرمی (۱۴۶۷ء / ۸۷۱ ہجری) میں لکھا گیا تھا۔ شہنشاہ اکبر، کے عہد کے ایک عالم نابھاجی نے سبت ۱۶۵۷ بکرمی (۱۶۰۰ء / ۱۰۰۸ ہجری) میں اسے بول چال کی زبان میں جسے ہندی یا ہندوی یعنی قدیم اردو کہتے تھے نظم کی صورت میں منتقل کیا تھا۔ ظاہرا انھوں نے اس میں اپنے زمانے تک کے بعض سنتوں کے حالات کا اضافہ کر لیا تھا۔ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کے دور میں جب ہندوستانیات کی طرف بطور خاص توجہ دی گئی، نابھاجی کی بھگت مال کا نونیت رائے خوشابی نے فارسی زبان میں ۱۰۹۴ ہجری (۱۶۸۳ء) میں ترجمہ کیا۔ اس مترجم نے بھی اس میں اپنے زمانے تک کے بعض فقیروں اور بھگتوں کے حالات شامل کر لیے اور اس طرح اس کی کتاب میں مزید سینتیس اشخاص کے احوال داخل ہوگیے۔ ان میں ہندو بھی ہیں اور بعض مسلمان بھی مثلاً رامانند، کبیر، نانک، تلسی، دادو، ابراہیم کلال، اور بازید افغان۔

فارسی میں منتقل ہو جانے کے بعد بھگت مال خاص طور سے مقبول اور معروف ہوگئی۔ مختلف لوگ اپنے اپنے طور پر اس کو اپنے زمانے کے مزاج کے مطابق لکھتے رہے۔ اکبر شاہ ثانی کے وقت میں منشی رائے پران چند نامی ایک شخص نے سبت

۱۸۶۵ بکرمی (۱۸۰۸/ ۱۲۲۳ھ) میں اسے اپنے اضافوں کے ساتھ فارسی میں لکھ کر اپنے نام کی مناسبت سے اس کا نام پران بلاس رکھا۔ اس شخص کے اصل الفاظ یہ ہیں :

"چوں بھگت ہائے بھگوان است بہ پران بلاس نام نہادہ"

شیوبرت لال نے بھی اس کتاب کی اہمیت کو محسوس کیا اور انھوں نے بھی اس کی روایت کے مطابق اپنے اضافوں کے ساتھ اسے اپنے وقت کی زبان یعنی اردو میں تین جلدوں میں لکھ ڈالا۔ ان کی تینوں جلدوں کا ذیل میں الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ نیا بھگت مال :

یہ کتاب سنت سماگم کے سلسلے میں شایع ہوئی تھی۔ اس کے سرورق کے اندراجات اس طرح ہیں :

"نیا بھگت مال (جلد اول) جس میں نئے اور پرانے بھکتوں کے دلچسپ حالات اور مفید ارشادات بھی کہیں کہیں شامل کیے گئے ہیں۔

از شیوبرت لال، مقیم رادھاسوامی دھام، ڈاکخانہ گوپی گنج، راج بنارس۔

ہندوستانی پریس لکھنؤ میں چھپی۔ مجموعی قیمت کا فیصلہ بعد ختم کتاب۔"

مولف نے اس کتاب کی "ترتیب" کے تعارف میں جو کچھ لکھا ہے، مختصراً یہ ہے :

"میں نے پہلے یہ نیت کی تھی کہ اپنے طور پر بھگت مال کی ترتیب دوں لیکن منشی تلسی رام اگروال کی ترتیب پسند آئی اور اسی کے موافق ترتیب کا لحاظ رکھا۔ زبان کا بیشک فرق رہیگا۔ زمانہ چاہتا ہے کہ کتابیں بھی چولا بدلتی رہیں"

لالہ تلسی رام اگروال نے بھگت مال کو سمبت ۱۹۱۶ (۱۸۵۹ء) میں اردو زبان میں لکھا تھا۔ ان کے زمانے تک اس کتاب میں بہت کچھ اضافے ہو چکے تھے۔ دعوے جو بھی ہوں لیکن واقعہ یہی ہے کہ ان کی کتاب کو نابھاجی کی قدیم منظوم کتاب سے بس نام کا تعلق رہ گیا تھا چنانچہ شیوبرت لال کی کتاب سے بھی یہ بات بخوبی ظاہر ہے۔ بہر نوع انھوں نے اپنی مبسوط نثری کتاب کے منصوبہ کے بیان میں لکھا ہے کہ :

"اس بھکت مال کی تین جلدیں ہونگی۔ پہلی جلد میں تمام پرانے بھکتوں کے حالات نابھاجی کی نظر کے موافق لکھے جائینگے۔ دوسری، تیسری جلد میں ان بھکتوں کا تذکرہ کیا جائیگا جنھوں نے نابھاجی کے بعد بھکتی کی مشعل کو روشن کیا، یا جن کو نابھاجی نے اپنی کتاب میں شامل نہیں کیا۔ مجھے جو معلوم ہے یا جن کے چرتر میں نے سنے یا لکھے یا پڑھے ہیں سب کو یکجا کرنے کا اہتمام کرونگا۔ کسی خاص عقیدے کی طرفداری ملحوظ نہ رہیگی۔ بیانات مختصر لیکن دل میں اثر پیدا کرنے والے ثابت ہونگے۔ نیا بھگت مال ہر قوم اور ملت کے آدمیوں کے لئے مفید اور کارآمد ہوگا۔ اس کتاب میں شاستر، وید اور پرانوں کے رموز بھی جا بجا دلچسپ پیرایہ میں آئینگے۔"

شیوبرت لال کی اس کتاب نیا بھکت مال میں ڈھائی سو سے زائد سنتوں اور فقیروں کے حالات لکھے گئے ہیں۔ ظاہر ایہ سب تلسی رام اگروال یا ان کے معاصرین میں سے کسی کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ نابھاجی کا نام محض بر بنائے عقیدت لیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب چوبیس ابوب پر منقسم ہے اور ہر باب میں کئی فصلیں ہیں، اس طرح :

پہلا باب۔	کرم دھرم نشٹھا کے بھکت۔	سات فصلیں
دوسرا باب۔	کرم پرچار کی نشٹھا کے بھکت	بیس فصلیں
تیسرا باب۔	سادھو سیوا اور ست سنگ نشٹھا کے بھکت	ستائیس فصلیں
چوتھا باب۔	شرون نشٹھا کے بھکت	چار فصلیں
پانچواں باب۔	کیرتن نشٹھا کے بھکت۔	چودہ فصلیں
چھٹا باب۔	بھیکھ (بھیس) کی نشٹھا کے بھکت	آٹھ فصلیں
ساتواں باب۔	گرو نشٹھا کے بھکت	گیارہ فصلیں
آٹھواں باب۔	پرماتما، پوجا کی نشٹھا کے بھکت	پندرہ فصلیں
نواں باب۔	راس لیلا اور رام لیلا وغیرہ کی نشٹھا کے بھکت	پانچ فصلیں
دسواں باب۔	دیا اور اہنسا نشٹھا کے بھکت،	چھ فصلیں

گیارھواں باب۔	برت نشٹھا کے بھکت۔	دو فصلیں
بارھواں باب۔	پرشاد نشٹھا کے بھکت۔	چار فصلیں
تیرھواں باب۔	دھام نشٹھا کے بھکت۔	آٹھ فصلیں
چودھواں باب۔	نام کی نشٹھا کے بھکت۔	پانچ فصلیں
پندرھواں باب۔	گیان کی نشٹھا کے بھکت	بارہ فصلیں
سولھواں باب۔	ویراگ نشٹھا کے بھکت۔	تیرہ فصلیں
سترھواں باب۔	بھگوت سیوا کی نشٹھا کے بھکت	دس فصلیں
اٹھارھواں باب۔	سیوہارو کی نشٹھا کے بھکت	پانچ فصلیں
انیسواں باب۔	شرنگار نشٹھا کے بھکت	بیس فصلیں
بیسواں باب۔	واتسلیہ۔ نشٹھا کے بھکت	نو فصلیں
اکیسواں باب۔	واس نشٹھا کے بھکت	پانچ فصلیں
بائیسواں باب۔	سکھا بھاو کی نشٹھا کے بھکت	دس فصلیں
تیئیسواں باب۔	آتم نویدن اور شرناگتی نشٹھا کے بھکت	نو فصلیں
چوبیسواں باب۔	پریم اور کتھا نشٹھا کے بھگت	سولہ فصلیں

ہرباب کے شروع میں ایک مختصر سی تعارفی تمہید بھی لکھی ہے جو بہت مفید ہے۔ اس کتاب میں دو مسلمانوں یعنی رس کھان اور سدن قصائی کا مذکور ہے۔ پہلے کا ذکر چھٹے بابب میں کیا ہے یعنی وہ لوگ جو کسی قسم کا بھیس بنا کر رہتے ہیں۔ اور دوسرے کا حال آٹھویں باب میں یعنی ان لوگوں میں جو مورت سے عشق کرتے ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں اس حلقے میں جس سے شیوبرت لال متعلق تھے یہی حکایتیں مشہور رہی ہونگی۔ انھوں نے جو سنا وہی لکھ دیا۔ تذکرہ تو پھر تذکرہ ہے۔ حقیقت حال کا معلوم کرنا اہل تحقیق کا کام ہے۔ حکایتیں اور روایتیں غلط اور بے بنیاد بھی ہوتی ہیں اور کبھی کبھی حقیقت تک رسائی کا ذریعہ بھی بن جاتی ہیں۔ بے سروپا کہانیاں بھی کبھی کبھی نتیجہ خیز

ثابت ہو جاتی ہیں اس لئے ان کی بھی تحقیر ضروری نہیں ہے۔

کتاب کے آخر میں لکھا ہے:

"بھکت مال، پہلی جلد، جسے پرم سادھ نابھاجی نے پرانی بھاشا میں لکھا تھا، اب نئی مروجہ زبان میں ترتیب پاکر ختم ہوئی۔ تمت بالخیر"

اس کے بعد "اطلاع" کے عنوان سے شیوبرت لال نے ۹ دسمبر ۱۹۲۱ء کو تحریر کیا ہے کہ:

"نابھاجی کی بھکت مال نذر کردی گئی۔ اگر گرو کی کرپا ہوی تو آئندہ جلدوں میں جلد ہی ان بھکتوں کے چرتر بھینٹ کیے جائینگے جنھیں قابل پرستش مصنف نے کسی وجہ سے نظر انداز کر دیا تھا یا جو اب اس زمانے میں گذرے ہیں یا موجود ہیں۔ جو لوگ ان کتھاوں کو پڑھینگے ممکن نہیں کہ فراخ دل نہ ہو جائیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ بھکتی کتنی صورتوں میں کی جاسکتی ہے اس کی بہ آسانی سمجھ آجائیگی۔ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ پڑھنے والا بھکتی کی صورت سے محروم نہ رہیگا۔"

اس کے بعد پہلا ضمیمہ ہے، جس کا عنوان اس طرح ہے:

"سنسکرت کی چند ضروری اصطلاحات کی تشریح جن کا بہ خوبی ذہن نشین کرلینا پڑھنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگا"

اور دوسرے ضمیمہ میں "ہندووں کے اہل طریقت جو بھکتی بھاو سے تعلق رکھتے ہیں" یعنی پنتھ، سمپردا، نشٹھا وغیرہ کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

۲۔ سنت مال:

یہ جلد بھی سنت سماگم کے سلسلے میں شایع ہوی ہے۔ اس کے سرورق کی عبارت یہ ہے:

"سنت مال یعنی سنت مت کے خاص خاص آچاریہ اور ان کے بھکتوں کا حال تذکرۃ الفقرا۔ از شیوبرت لال ، مطبوعہ بندے ماترم پریس، لاہور"

اس کتاب کے دیباچے کا خلاصہ اس طرح ہے۔

"بھکت مال جلد اول نابھاجی مہاراج کی تصنیف ہے۔ ہم نے اسے آسان، عام فہم اور مروّجہ اردو زبان کا جامہ پہنایا، تاکہ ہر کس و ناکس اس سے مستفید ہو سکے۔ نابھاجی کے زمانے کے اور ان سے پہلے کے بہت سے بزرگوں کے حالات بھکت مال میں داخل نہیں ہو سکے۔ ممکن ہے، بہتوں کے حالات ان تک نہ پہنچے ہوں یا بہت سے حالات مختصر طور پر قلمبند کیے جانے کی وجہ سے نقل در نقل ہوتے ہوئے ضایع ہو گئے ہوں۔ پرانے بھکت مال میں گرو نانک اور دادو صاحب کے حالات کسی وجہ سے نظر انداز ہو گئے تھے اس لیے بھکت مال میں جہاں تک ممکن ہوا ہم ان کے حالات شایقین تک پہنچائیں گے۔"

شروع میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ تونیت رائے خوشالی کی بھکت مال میں اس کے اضافوں کے باوجود کل سینتیس شخصوں کے حالات تھے اور ان میں کبیر، نانک اور دادو بھی شامل تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیوبرت لال کو بھکت مال کا جو جدید نسخہ ملا اس میں بعض اشخاص کے حالات محذوف ہو گئے تھے اور بہ کثرت لوگوں کا ذکر اس میں داخل کیا جا چکا تھا۔ اس طرح ان کا بنیادی نسخہ پوری طرح اصل سے مختلف اور نامعتبر تھا۔ شیوبرت لال نے پوری دیانتداری کے ساتھ اگر ترجمہ کیا ہو تو بھی ان کے بھکت مال کی کسی روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

سنت مال کے دیباچہ میں شیوبرت لال نے مزید جو لکھا ہے، اس کا اختصار یہ ہے:

"نابھاجی کے بھکت مال میں ویشنو بھکتوں کے چرتر زیادہ تر آئے ہیں۔ شیو شاکتی وغیرہ سمپر داوں کے بھکتوں کے تذکرے قریب قریب بالکل ہی داخل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ اس جلد میں تو صرف سنت چرتر سنانے کا اہتمام کیا جائیگا۔ آیندہ جلدوں میں اور سمپر داوں کے بزرگوں کی بھی باری آتی جائیگی۔ ہم نے مختلف پنتھوں کے پیروکاروں کو خطوط بھیجے لیکن کامیابی

نہیں ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے طریقوں کے بانیوں کے چرتروں
سے ناواقف ہیں۔"

کتاب کے شروع میں مفصل مقدمہ ہے جس میں سوال وجواب کی صورت میں یہ واضح کیا ہے کہ سنت مت کیا ہے۔ اس کتاب کو بھی چوبیس ابواب میں، اور ہر باب کو چند فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر باب میں کسی ایک گرو اور اس کے چیلوں کا حال لکھا گیا ہے "پہلا باب کبیر اور ان کے چیلوں کے ذکر پر مشتمل ہے۔ دوسرا باب گورنانک اور ان کے سلسلے کے بزرگوں سے متعلق ہے۔ اسی طرح تیسرا باب دادودیال اور ان کے شاگردوں کے احوال پر مبنی ہے وغیرہ۔

شیوبرت لال نے اس کتاب میں بعض پتے کی باتیں ضمناً لکھ دی ہیں مثلاً دادو صاحب کے ذکر میں ہے:

"ہندوؤں کا ہمیشہ سے دستور چلا آتا ہے، نیچی قوم کا جو آدمی بزرگ، صاحب عزت اور مذہبی پیشوا ہوتا ہے اسے برہمن جاتی میں شامل کر کے طرح طرح کی روایتیں گھڑ لیتے ہیں۔" (ص ۷ ۱۳ تا ۱۳)

بات اتنی ہی نہیں ہے۔ بدنام کرنے کے لیے تقریباً سبھی قسم کے ہتھکنڈے کام میں لائے جاتے ہیں چنانچہ شیوبرت لال ہی نے اپنی نہایت مشہور تصنیف کبیر جوگ میں لکھا ہے:

"۲براہمنوں پر کبیر صاحب کی بڑی مہربانی تھی مگر براہمنوں نے کبیر صاحب سے خوب بدلہ لیا۔ کاشی جی میں ہولی کے دنوں میں ہر سال کبیر صاحب کا سانگ نکالنے لگے۔ کسی کو ہولی کا بھنڈوا بنالیا اور وہ پھکڑ اور گالی گلوچ کے دوہے بولتا ہوا اور ہر دوہے میں کبیر صاحب کا نام شامل کرتا ہوا گلی کوچوں سے نکلا اور جس کو جی چاہا ماں بہن کی گالیاں دینی شروع کیں۔ کوئی اس سے باز پرس بھی نہیں کر سکتا کیونکہ ہولی کے بھنڈوے کی گالی معاف ہوتی ہے۔ اس عمل سے براہمنوں نے اپنی دانست میں کبیر صاحب کو ہولی کا بھنڈوا بنا

دیا۔ پورب میں ہر جگہ یہ رسم اب تک جاری ہے۔ بھنڈوے کبیر گایا کرتے ہیں اور سب کو بے نقط سناتے پھرتے ہیں۔ ان بھنڈووں کے دوہے کبیر صاحب کی ساکھیوں کے وزن کے ہوتے ہیں اور سب میں کبیر شبد ملار ہتا ہے۔ اس فحش گیت کا نام ہی کبیر رکھ لیا گیا ہے وہ اس قدر مکروہ اور فحش ہوتے ہیں کہ یہاں ان کو داخل کرنا بد تہذیبی سمجھی جائیگی"۔

ان گیتوں میں کبیر کے خدا تک کو ظالم نہیں چھوڑتے چنانچہ ان کا وہ سارا کلام جو اُن کے عقیدے کے خلاف ہے، اسی سلسلے کا ہے۔ یہ سلوک اکثر دوسرے فقرا کے ساتھ بھی ہوا ہے چنانچہ ان کے حالات لکھتے وقت نہایت احتیاط سے کام لینا ضروری ہے اور تاوقتیکہ مستند شہادتیں موجود نہ ہوں محض حکایتوں، روایتوں اور متفرق شعروں پر اعتماد کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرنا نہایت گمراہ کن ہوگا۔

شیوبرت لال نے سنت مال میں اپنے مآخذ کی نشاندہی نہیں کی ہے۔ ان کے زمانے میں شاید اس کا چلن بھی نہیں ہوا تھا، چنانچہ ان کے معاصر شعرائے اردو کے ضخیم ترین تذکرے کا بھی یہی حال ہے۔ خوشی اس بات کی ہے کہ شیوبرت لال نے حتیٰ امکان ہر شخص کے زمانے کو معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن لوگوں کا زمانہ متعین نہیں ہے ان کے وقت کو تخمیناً لکھ دیا ہے۔ جہاں یہ بھی نہیں ہو سکا وہاں صدی کا ذکر کر دیا ہے۔ دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو سنت شعر کہتے تھے، ان کے کلام کا نمونہ درج کر دیا ہے۔ انھوں نے جو بھی حکایتیں اور قصے سن رکھے تھے، اس کتاب میں سب جمع کر دئے ہیں۔ وہ محقق نہیں تھے۔ تحقیق کے کام کے لیے جو فرصت اور طمانیت درکار ہے وہ انھیں میسر نہیں تھی۔

سنت مال کے آخر میں کیی تتمے ہیں۔ دوسرے تتمے میں ذیل کی باتیں قابل توجہ ہیں:

"سنت مال میں ہم نے پرم سنت کبیر سے لیکر سوامی شوگن آچاریہ تک کے حالات درج کیے ہیں۔ ان میں سے سب شبد مارگی اور شبد ابھیاسی تھے۔

شبدیوگ کے عامل ہی زیادہ تر سنت پنتھ کے پیرو سمجھے جاتے ہیں۔ اسی ایک بات کو ہم نے اپنی جانچ کی کسوٹی مقرر کیا ہے۔ اس میں رادھا سوامی مت کے اچاریہ اور اس کے بھگتوں کے حالات اس وجہ سے نہیں داخل کیے گئے کہ وہ ایک علاحدہ کتاب و گیان سنتاین میں موجود ہیں" (ص ۳۱۰)

یہ کتاب شیوبرت لال کی پہلی کتاب "نیا بھگت مال" کے مقابلے میں زیادہ مفید اور معلومات افزا ہے۔ اگرچہ تحقیق کے نقطۂ نظر سے یہ بھی قابلِ اعتماد نہیں ہے، اس سے حقایق تک رسائی حاصل کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے۔

شیوبرت لال نے ہندو عورتوں اور بہادروں وغیرہ کے حالات بھی اسی طور پر بہت لکھے ہیں اور ان سب کے بھی متعدد مجموعے چھپ کر شایع ہو چکے ہیں۔ وہ سب بھی ایک طور پر تذکرے ہی ہیں لیکن جہاں تک تحقیق کا معاملہ ہے ان کا بھی وہی حال ہے اس لیے ان کا تفصیلی تعارف غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(۳)

شخصی مطالعے

شیوبرت لال اپنے مذہب کا سلسلہ کبیر سے ملاتے رہے ہیں اور ان کی نظر میں کبیر آدسنت تھے۔ ان کو کبیر سے جو خصوصی عقیدت تھی، اس کی بنیاد یہ تھی کہ ان کے مرشد نے انھیں کبیر کے کلام کے مطالعہ کی تلقین کی تھی۔ لکھتے ہیں :

"حضور ؒ مہاراج نے بڑی کرپا کی۔ کبیر صاحب کی ساکھیوں کا خزانہ جو ست سنگرہ حصہ اول میں منتخب ہے حوالہ کیا۔ سیکڑوں مرتبہ پڑھا۔ جب پڑھیے تازہ لطف آتا ہے۔ اب جولاہے کے تانے بانے کی کچھ کچھ سمجھ آنے لگی۔ کبیر صاحب کی بانی کا پرچار ہم نے شروع شروع میں آریہ گزٹ، لاہور کے کالموں میں کیا تھا۔ اس میں ساکھیوں کی تشریح ہوتی تھی۔ لوگوں نے پسند کیا۔ جہاں تک ممکن ہوا کبیر صاحب کے متعلق تمام روایتوں اور حکایتوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی"۔

انھوں نے کبیر کے حالات میں متعدد کتابیں لکھ کر شایع کیں چند یہ ہیں :

۱۔ کبیر صاحب کی ساکھی ۲۔ کبیر صاحب کی شبداولی

۳۔ کبیر صاحب کالنجک مکمل ۴۔ کبیر جوگ مکمل

۵۔ کبیر و کبیر پنتھ ۶۔ کبیر درپن

۷۔ کبیر چر تر سندیش ۸۔ کبیر دوہاولی

۹۔ سنگھ ناد (کبیر) ۱۰۔ کبیر بھجناولی

۱۱۔ سادھو کی صدا (کبیر کے شبد کی تشریح)

۱۲۔ کبیر چر تر ۱۳۔ کبیر گوڑھ شبد ویاکھیا

۱۴۔ کبیر بھگت اور ان کی تعلیم ۱۵۔ کبیر آدیہ گیان پرکاش

شیوبرت لال نے کبیر کے حالات اور کلام کا مدتوں بغور مطالعہ کیا تھا اور اس کی تشریح و توضیح بھی کی تھی۔ اکثر معروف روایتوں کی انھوں نے تردید کی تھی اور بعض حکایتوں کو قبول بھی کیا تھا۔ انتہائی عقیدت کے باوجود انھوں نے کبیر کے بارے میں حقایق تک پہنچنے کی جو کوشش کی ہے وہ قابلِ قدر ہے۔ کبیر سے متعلق ان کی تحریروں کا ذکر گذشتہ اوراق میں جگہ جگہ آچکا ہے اس لیے یہاں ان کی تکرار مناسب نہیں معلوم ہوتی ہے۔

کبیر کے علاوہ بھی انھوں نے مختلف مذہبی شخصیتوں کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ ان کی بعض تحریریں ضخیم ہیں اور کچھ مختصر بھی ہیں۔ اس جگہ ان کے ایک مختصر مجموعے کا تعارف کرلیا جاتا ہے۔ اسی سے حقیقت حال کی پیشکش کے معاملے میں ان کے طرز عمل کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ جین برتانت کلپدرم :

اس میں مصنف کے بقول "جین دھرم کے مہاتماوں کے چرتر" لکھے گئے ہیں۔ اس کا دیباچہ ۲۹ر مارچ ۱۹۱۱ء کو لکھا گیا تھا۔ اس مجموعے کے دیباچے میں مصنف نے لکھا ہے کہ :

> "جین مذہب کے بزرگوں کے حالات ہندوؤں کو عام طور پر نہیں معلوم ہیں جن کی وجہ سے اکثر فضول اور ناحق غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔ اس میں جینی اور ہندوؤں دونوں کا قصور ہے۔ جینی مہاشے اس لیے کہ وہ اپنے دھرم کے فلسفہ اور تتو وچار کی اشاعت نہیں کرتے اور ہندوؤں کا قصور یہ ہے کہ وہ تحقیقات سے کام نہیں لیتے۔ جین دھرم کی بابت صرف چند کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ ان چند سوانحات میں اگر جین دھرم کے اصول کے خلاف کوئی بات نظر آئے تو میں اس کے لیے ہر وقت معافی مانگنے کو تیار ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک ہندو فرقے کے پیرو کار اپنے بزرگوں کے حالات تمام

آدمیوں کو سنائیں تاکہ تنگ خیالی اور تنگ دلی دور ہو۔"

شروع زمانے میں ہی ہندو فرقوں کی طرف ان کا یہ رویہ توجہ طلب ہے۔ ان کی سبھی تصانیف اسی رویہ کی مظہر ہیں۔ اس مختصر سے مجموعے میں انھوں نے جین مذہب کے سات اکابر کا مجمل تعارف کرایا ہے۔ پہلا مضمون رشبھ دیو سے متعلق ہے، جس میں کہا ہے:

"اس آریہ ورت میں راجہ ہی ملک اور مذہب کا سرغنہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ حال صرف آریہ ورت کا نہیں تھا بلکہ آریہ ورت کے رہنے والوں نے جہاں جہاں نو آبادیاں بنائی تھیں وہاں بھی اسی اصول پر عملدر آمد ہوتا تھا چنانچہ پارسیوں کا بھی یہی معاملہ تھا۔"

شیوبرت لال کا عقیدہ یہ تھا کہ "تمام دنیا اصل و نسل کی نظر سے ہندو ہے" وہ دنیا کے تمام لوگوں کو اسی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی دلی خواہش تھی کہ اس سرزمین کے ہر بسنے والے کو ہندو بنالیں چنانچہ پارسیوں کا مذکورہ اقتباس میں حوالہ بھی اسی بنا پر ہے۔ جین مت کی قدامت کے سلسلے میں شیوبرت لال نے لکھا ہے:

"اگر جین بالکل نئے ہوتے تو میمانسا، سانکھیہ وغیرہ شاستروں میں ان کے مسایل کی تردید کی کوششیں نہ ہوتیں۔"

شیوبرت لال کا مقصد چونکہ جینیوں کو "ہندو" کے دایرے میں لانا تھا، انھوں نے کسی بھی اختلافی مسئلہ سے بحث نہیں کی ہے اور اس قسم کے جملے لکھ کر وہ آگے بڑھ گئے ہیں:

"یہ طریق کب سے ہے، بہت بحث طلب مضمون ہے۔" (ص ٦)

"یہ ملک بھارت ورش مشہور تھا چونکہ رشبھ دیو کا لڑکا بھرت سب سے قدیم ہے، ممکن ہے یہ نام اسی کی وجہ سے رکھا گیا ہو۔ اس وقت اس پر بحث کرنا

فضول ہے" (ص ۹)

"یہ (دگمبر اور سویت امبر) اختلافات ان جینیوں میں کیسے پڑ گئے، کہا نہیں جاسکتا" (ص ۱۹)

"جینیوں کا خیال ہے کہ گوتم بدھ مہابیر سوامی کے شاگرد تھے۔ یہ خیال صحیح ہے یا غلط میں کچھ نہیں کہہ سکتا" (ص ۲۹)

چونکہ بیشتر امور کے بارے میں مصنف نے قطعی بات تحریر کرنے سے غالباً عمداً احتراز کیا ہے، اس مجموعے کے سارے ہی مضمون تشنہ اور بے نتیجہ ہیں۔ اس صورت حال کا خود مصنف کو بھی احساس تھا چنانچہ اس کے دیباچے میں انھوں نے لکھا ہے:

"ان کے لکھنے سے میرا مطلب یہ کبھی نہیں ہے کہ میں کسی کی دلآزاری کروں یا کسی کے مذہبی عقائد کو گزند پہنچاؤں۔ اگر اس کو پڑھکر کسی جینی واقف کار مہاشے کو اپنے بزرگان دین کے حالات فراہم کرنے کا شوق ہو تو میں سمجھونگا میری محنت ٹھکانے لگی...... آخر میں میں پھر ایک دفعہ اپنی لاچاری کی معذرت کرتا ہوں"

حواشی

۱۔ سندھ دیش کے قصے ص ۷۶

۲۔ کبیر جوگ جلد ۱ حصہ ۱ ص ۴۷ تا ۴۸

۳۔ کبیر چرتر سندیش ص ۱۰ تا ۱۱

۴۔ جین برتانت کلپدرم ص ۶

چھٹا باب

علمی تصانیف

شیوبرت لال کا شوق علمی بے حد و بے انتہا تھا۔ اس کا اندازہ خصوصیت کے ساتھ ان کے سفرناموں کے مطالعہ سے ہوتا ہے لیکن حالات نے انھیں مذہب کی راہ پر لگا دیا تھا اور مذہب نے انھیں ایسی راہ دکھائی کہ وہ اسی میں کھو کر رہ گئے، اور پھر سارے ہی معاملے انھیں ہیچ پوچ معلوم ہونے لگے۔

شروع زمانے کے اپنے حالات کا بیان کرتے ہوئے ایک جگہ انھوں نے چنار (ضلع مرزاپور) کے قلعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"۱۸۸۸ء میں میں نے کالج چھوڑا اور چنار میں چرچ مشن اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہو گیا۔ چنار تواریخی مقام ہے۔ یہاں ہندوؤں کا ایک بہت ہی پرانا قلعہ اب تک موجود ہے۔ قلعہ پہاڑی کے ایک حصے کو کاٹ کر بنایا گیا ہے اور اس کے رقبہ کا آدھے سے کچھ کم حصہ گنگاجی میں ہے۔ باہر سے تو وہ محض ایک اونچا ٹیلہ سا نظر آتا ہے مگر اندر جانے پر اس کی وسعت کا پتا لگتا ہے۔ اس کے بھیتر بہت سی نئی اور پرانی عمارتیں موجود ہیں۔ وسط میں ایک جگہ یوگی راج بھرتری ہری جی کی سمادھی بھی ہے جو کسی زمانے میں اُجین کے فرمانروا اور مشہور مہاراجا وکرم کے بڑے بھائی تھے۔ کہتے ہیں کہ راج پاٹ چھوڑنے کے بعد یہاں آ گئے تھے۔ ہندو بیشتر اس سمادھی کی زیارت کے لیے آیا کرتے ہیں۔ بعض عقیدتمند خیال کرتے ہیں کہ بھرتری ہری اب تک حیات ہیں مگر یہ صرف ان کی عقیدے کی بات ہے۔ قلعے کے باہر شہر کے شمال میں ایک مندر بھی ملیگا جو اس مشہور مصنف یوگی کے نام سے منسوب ہے۔ بودھوں کے زمانے میں یہ شہر غالباً ان کی مذہبی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہوگا

اور کیا عجب قلعہ ویہار یا خانقاہ رہا ہو کیونکہ جس وقت قلعہ کی جنوبی دیوار پھٹی تھی اس میں سے بودھوں کی بہت سی مورتیاں بر آمد ہوئی تھیں جن کے نیچے پالی حرفوں میں بہت کتبے لکھے ہوئے تھے۔ راقم کی موجودگی میں بابو ہنومان پرشاد رئیس چنار کی متابعت میں ان کے لیے ان تصویروں اور کتبوں کے عکس لئے گیے تھے جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں تحقیقات کی غرض سے بھیجے گئے تھے۔ ہندو کہتے ہیں کہ جب باون جی مہاراج نے راجا بلی کو چھلا تھا ان کا پہلا قدم اسی جگہ پڑا تھا اور اسی وجہ سے چنار کا سنسکرت نام "چرن آدی" یعنی پہلا چرن تھا اور مالک کی شان، یہ قلعہ سچ مچ بالکل پاوں کی علامت کا واقع ہوا ہے۔ دکن کی طرف ایڑی اور اتر کی طرف کچھ کچھ پنجے کے نشان نظر آتے ہیں۔ اس قلعے میں اودل (آلھا کے بھائی) کے بیاہ کا منڈپ اب تک باقی ہے۔ جس بات کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا وہ یہ تھی کہ چنار میں بعض بعض ہندوؤں کے گھروں میں مسلمان شہیدوں کی قبریں تھیں"۔

اس اقتباس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ابتدائی عمر میں شیوبرت لال کو ملک کی تاریخ اور آثار قدیمہ سے دلچسپی رہی تھی۔ جس زمانے میں وہ بریلی میں آریہ سماج ہائی اسکول میں ملازم تھے، اپنی بیوی کے کہنے سے ہندوؤں کی قدیم اور تاریخی شخصیتوں خصوصاً عورتوں کے حالات جمع کر رہے تھے اور ان حالات پر مشتمل انھوں نے چند کتابیں شایع بھی کر دی تھیں۔ اسی زمانے میں انھوں نے ایک مختصر سا رسالہ علم تحریر سے متعلق بھی لکھا تھا۔ یہ رسالہ انھیں دنوں میں جیبی سایز کے سولہ صفحوں پر چھپ گیا تھا۔ اس کے سرورق کی عبارت اس طرح تھی:

"مفید و کارآمد پمفلٹوں کا سلسلہ۔ پمفلٹ نمبر ۳۸۔ قدیم آریوں میں علم

تحریر کا رواج۔ عالمانہ و محققانہ پیرایہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ قدیم آریہ فن
تحریر سے واقف تھے اور انھوں نے تحریر کا علم اور کسی قوم سے نہیں سیکھا۔
بعض بعض معترضین کا معقول جواب دیا گیا ہے۔
حسب اجازت مہاشے شیوبرت لال صاحب ورمن ایم اے ۱۹۰۳ء عیسوی
ستیہ دھرم پرچارک پریس، ہریدوار، مہاشے منشی رام مالک و پروپرائٹر کے
اہتمام سے چھپ کر شایع ہوا۔ قیمت فی جلد دو روپے"

یہ شیوبرت لال کی ابتدائی کاوش ہے۔ عقیدت نے اس میں بہت سے ایسے دعوے کیے
ہیں جو صحیح نہیں تھے۔ چنانچہ بعد میں جب وہ ملک کی حدوں سے باہر نکلے اور چین، جاپان
وغیرہ ممالک کا سفر کیا تو انھیں غلطی کا احساس ہوا اور انھوں نے اس کا اعتراف بھی کیا:
مثال کے طور پر رسالۂ مذکورہ میں انھوں نے لکھا تھا:

"اگر آریوں کے قدیم نوشتہ جات پر یقین کیا جاوے تو آریہ ورت سے زیادہ
قدیم دنیا کا اور کوئی ملک نظر نہیں آتا اور اگر آج کل کے محققین کی بات بھی
کچھ وزن رکھتی ہے تو بھی آریہ بہ مقابلہ مصری و فونیشین قوموں کے قدیم
ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا مابعد الذکر قوموں کا مقلد ہونا زیادہ تر قابل تسلیم معلوم
ہوتا ہے، بہ مقابلہ اس کے کہ سابق الذکر کو پیرو مان لیا جاے۔ اب رہا آریوں
میں فن تحریر کا رواج، اس کی نسبت اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ ان کی
شایستگی بلا قلم و تحریر کے قایم ہوی تھی تو پانِنی کے سوتروں میں جن
سکہ جات، طریقہ پیمایش، ہنر و حکمت وغیرہ کا حوالہ دیا گیا ہے، ان کی تائیدی
سند فضول ہوگی۔ پانِنی کے ایک سوتر سے صاف ظاہر ہے کہ اس رشی کو علاوہ
آریہ ورت کے اور دور دراز ملکوں میں فنِ تحریر کے رائج ہونے کا علم تھا۔

اپنے سفرنامے میں انھوں نے اپنی غلطی کا اعتراف اس طرح کیا ہے :

"۲۔ کہتے ہیں علم تحریر کے موجد بھی چینی ہیں۔ شاہنشاہ تو ہے ہے، نے اس کو سب سے پہلے ایجاد کیا تھا۔ وہ مسیح سے بتیس سو برس پہلے گذرا ہے۔ اس سے پہلے رسّوں میں گرہ دیکر چینی وقت یاد رکھتے تھے۔ اس بادشاہ کے بعد شاہنشاہ جنگ ننگ نے ہل ایجاد کیا اور چینی تہذیب کو فروغ دیا۔ علم تحریر کا رواج ہمارے ملک میں بھی بہت پرانا نہیں ہے۔ پہلے لوگ ویدوں کو بر زبان یاد رکھتے تھے۔ قدیم سنسکرت لغت میں سوئی اور قلم کے لیے کوئی لفظ نہیں ملتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم ایجاد نہیں ہے۔ کہتے ہیں پالی زبان جو لکھی گئی تھی اور پٹنہ کی نند بنس کے زمانے سے اس کا رواج ہوا۔ الغرض اگر چینی علم تحریر کے اصلی موجد ہوں تو کیا تعجب ہے کیونکہ ان کے یہاں تمام تواریخی واقعات محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ پریس یعنی مطبع بھی ایجاد چین ہے۔"

یہاں محض دلچسپی کی خاطر شیو برت لال کے سفر نامہ کا ایک اور اقتباس نقل کیا جاتا ہے :-

"۳۔ میں نے سنگاپور میں بہت سے چینی دیکھے جو اپنی چوٹی کو گھڑی کی زنجیر کی طرح پاکٹ میں رکھتے تھے۔ اس کے رکھنے کا رواج سترھویں صدی کے ابتدائی زمانہ سے پیدا ہوا میرا خیال تھا کہ چینیوں نے یہ ہندوؤں سے سیکھا ہوگا مگر تحقیقات سے اس کا پتا لگا۔ کہتے ہیں کہ سترھویں صدی میں منچو تاتاروں نے ملک کو فتح کیا اور حکم دیا کہ اس کی رعایا سر کے سارے بال بنوایا کرے۔ صرف بیچ کے بال نہ بنوا وے اور ان کو لمبا رکھے۔ یہ تاتاری شاہی فتح کی یادگار تھی، چینیوں نے پہلے اس رواج کی مخالفت کی۔ تب بادشاہِ وقت نے بہتوں کو رشوتیں دے دیکر اس طرف مائل کیا۔ جب اس کا رواج ہو گیا، ساری قوم نے فیشن بنالیا۔ جو لوگ بادشاہ کے حامی تھے وہ ایسی چوٹیاں رکھتے تھے۔ اب نئی روشنی والے سب کے سب نے چوٹی اتروا دی"

جو بھی ہو، واقعہ یہ ہے کہ علم تحریر سے متعلق شیوبرت لال کے مذکورہ رسالے کی تاریخی اہمیت ہے اور غالب گمان ہے کہ اس سے پہلے شاید ہندوستان کی کسی بھی زبان میں اس موضوع سے متعلق کوئی چیز نہیں لکھی گئی تھی۔ شیوبرت لال کے اس رسالہ کو ڈاکٹر محمد انصار اللہ نے اپنے حواشی کے ساتھ مجلہ نقوش لاہور کے ۱۹۹۰ کے سالنامے میں چھپوادیا ہے:

شیوبرت لال کی کتابوں کی فہرست میں درج ذیل نام بھی توجہ طلب ہیں:

۱۔ آریہ ورت ویونانی فلاسفی ۲۔ خانہ داری کی فلاسفی

۳۔ سنسکرت زبان کی عظمت ۴۔ ژندپاژند

افسوس ہے کہ یہ کتابیں اب نایاب ہیں، اس لیے ان کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔ ان کے بارے میں قیاس کہتا ہے کہ یہ اسی قسم کے پمفلٹ ہونگے جیسا کہ علم تحریر سے متعلق ہے اور یہ بھی انھوں نے بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں ہی، شاید بریلی کے قیام کے زمانے میں لکھے ہونگے۔ واللہ اعلم

حواشی

۱۔ گلستان ہزار رنگ ص ۶۹ تا ۷۰
۲۔ سادھو مئی ۱۹۱۲ ص ۱۰۱
۳۔ ایضاً ایضاً ص ۹۸ تا ۹۹
۴۔ گلستان ہزار رنگ ص ۴۵۲ تا ۴۵۵

ساتواں باب

مذاہب سے متعلق کتابیں

۱۔ تمام دنیا اصل و نسل کی نظر سے ہندو ہے :

مذہبیات سے متعلق شیوبرت لال کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہم بلکہ بنیادی کتاب شاید یہی ہے۔ یہ ان کی آخری عمر کی تصنیف ہے اور اس کی ابتدا انھوں نے ان جملوں سے کی ہے۔

"الف۔ تمام دنیا اصل اور نسل کی نظر سے ہندو ہے، اور

ب۔ تمام دنیا صرف معمولی توجہ کرنے سے ہندو ہو سکتی ہے۔" (ص ۵)

پہلی بات ان کے عقیدے میں شامل تھی اور دوسری پر انھیں پورا یقین تھا۔ وہ ساری عمر اسی مقصد کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔ ان کے تمام رسالے اور ساری کتابیں اسی جدوجہد کے سلسلے کی کڑی ہیں۔ لفظ ہندو کی اصل کا بیان انھوں نے اس طرح کیا ہے :

"ہندو اصل میں سندھو ہے۔ سنسکرت زبان کے قریب قریب تمام الفاظ جو 'س' سے شروع ہوتے ہیں پارسی زبان میں ہائے ہوز سے ہو جاتے ہیں جیسے سپت، ہفت بن جاتا ہے۔ اسی طرح سندھو ہندو بن گیا۔" (ص ۹ تا ۱۰)

اس دعوے کے لئے انھوں نے صرف ایک لفظ پیش کیا ہے۔ محض ایک دو مثالوں پر کلیے قایم نہیں کیے جاتے ہیں۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ محض نام کے تبدیل ہونے سے مفہوم یا اصل شے تبدیل نہیں ہو جاتی ہے سپت اور ہفت دونوں معنی کے اعتبار سے ایک ہی ہیں لیکن سندھ اور ہند کو کوئی بھی شخص ایک نہیں کہہ سکتا ہے۔ خود شیو برت لال بھی ایسا نہیں کہتے چنانچہ لکھتے ہیں :

"۱۔ جب سندھ میں دلورا راجا کی حکومت تھی، ایک نجومی آیا جو نہ صرف ہندستان بلکہ یونان تک کے فن کا ماہر تھا"۔

صاف ظاہر ہے کہ دونوں علاقے الگ الگ ہیں۔ سندھ کا محلِ وقوع تو سب جانتے ہیں،

البتہ ہند (= ہندوستان) کے علاقے کو سمجھنے کے لئے شیو برت لال کے سفر نامے کے یہ دو اقتباس مفید ہیں :

"کہ (کلکتہ سے) پنجاب یا ہندوستان جانے والوں کو سہولت ہو" اور :

ان میں کہ پنجابی سکھ، مسلمان، کابلی کچھ ہندوستانی سب لوگ موجود تھے، جو ہندوستان سے آئے تھے ان میں زیادہ تر اعظم گڈھ اور جونپور کے تھے۔"

یعنی شیو برت لال کے روز مرہ کے مطابق ہندوستان پنجاب اور کلکتہ (بنگال) کے درمیان میں واقع ہے اور اس کے اہم تر مقامات اعظم گڑھ اور جونپور ہیں۔ زیر مطالعہ کتاب میں انھوں نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ :

"آم کا پھل ہے۔ اس کا خاص وطن ہندوستان ہے۔ پنجاب میں اکیس برس بودوباش رکھی لیکن ہر سال آم کھانے کی خواہش میں ہندوستان (راج بنارس) میں آیا کرتا تھا۔" (ص ۵۷)

اس طرح انھوں نے ہندوستان کے علاقے کو قطعی طور پر متعین کر دیا ہے اور اس کے بارے میں ان کا کہنا ہے :

"تمام دنیا کے انسان اسی ہندوستان کی سرزمین سے نکلے ہیں اور یہ سب کے سب ہندو ہیں اور چاہے کوئی کہیں کا ہندو ہو سب کی نظر ہندوستان کی طرف رہیگی" (ص ۱۲)

اس سلسلے میں ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ :

"ہم اپنے اس خیال میں کسی مغربی محقق کی تحقیقات کو شمولیت کا موقع نہیں دینا چاہتے اور نہ ان کے مقلد یا پیروکار بنتے ہیں۔ وہ کوتاہ اندیش اور کوتاہ بیں ہیں۔ ہم اپنی نظر کو وسیع اندیش، وسعت پسند اور وسعت بیں رکھنا چاہتے ہیں" (ص ۱۰)

انھوں نے متعدد اصطلاحوں کی اپنے مخصوص انداز سے توضیح کی ہے مثلاً :

آدم + نوح = آدی منوہ = وہ مرد جو قدیم ہے۔

مصری (مصر کا باشندہ) = مشری = مخلوط النسل

ایران = آریہ ستھان = آریہ آن

ژند = چھند، پاژند = اپ چھند

مذاہب کی ابتداء سے متعلق بھی ان کی بحث دلچسپ ہے۔ لکھتے ہیں:

"مذاہب کی جڑ تو ہندوستان ہی میں ہے۔ آریہ ورت کا پہلا مذہب ویدک ہے اس کے بعد ہزاروں شقیں نکلیں، جو شاکھائیں کہلاتی ہیں انھیں رشی شاکھوں کا عربی ترجمہ سلسلۃ المشائخ ہے۔ بعد کو براہموں کا شرعی طریق آیا۔ شریعت براہموں کا ورثہ بنی اور معرفت یا طریقت کشتریوں کی وراثت قرار پائی۔ براہمن اس علم سے نابلد تھے۔ انھیں کشتریوں کی شاگردی اختیار کرنی پڑی۔ براہمن اور کشتریوں کی مذہبی خانہ جنگیاں سخت عبرتناک محاربۂ عظیم ہے تقلیدی اور ایک طرح پر مخالفانہ مذاہب تین نظر آتے ہیں: یہود، نصارا اور مسلمان۔ یہودی طریق مشری (مصری) اور پارسی مذہب کا خوشہ چین ہے۔ نصارا نے یہودیوں سے نکل کر بودھوں وغیرہ سے اپنے اصول اخذ کیے اور اسلام یہودی اور نصارا کی مجموعی مشمول اور انتخابی صورت ہے۔" (ص ۱۳ تا ۱۵)

شیوبرت لال کو اعتراف ہے کہ "میری معلومات قریب قریب سب کی سب ہندوؤں کی زبانی روایات سے متعلق ہیں کیونکہ ان میں سچائی کا حصہ زیادہ ہے۔" انھوں نے "ہندوؤں کی زبانی روایات" کی بنیاد پر جس کے لیے کوئی تحریری سند موجود نہیں ہے، اس کتاب کا صرف حصہ اول لکھا ہے جس میں دراوڑوں، بودھوں، پارسیوں اور آتش پرستوں کے مذاہب سے بحث کی گئی ہے۔ جینیوں کا ذکر محض ضمناً کہیں کہیں آگیا ہے مثلاً صفحہ ۹۴، ۹۵ پر مہابیر سوامی کی تعریف کی گئی ہے وغیرہ۔ کتاب کا خاتمہ اس جملے پر ہوا ہے کہ:

"آئندہ جلدوں میں دنیا کی اور اقوام کی نسبت اس مضمون پر بحث کی جائیگی جو امید ہے کم دلچسپ نہ ہوگی۔" (ص ۱۸۱)

لیکن دوسری جلدوں کے اس طور پر لکھنے کی غالباً نوبت نہیں آسکی البتہ ذیل کی کتابیں اسی سلسلے میں شایع ہوی تھیں :

۱۔ پارسی مذہب کا مخرج وید ہے ۲۔ عیسائی مذہب کا مخرج وید ہے

۳۔ ہندو دھرم اور بدھ دھرم کی مشابہت۔

۲۔ جین دھرم :

اس کتاب کے اندرونی سرورق پر ذیل کی اطلاعات درج کی گیی ہیں :

"جین متر منڈل ٹریکٹ نمبر ۵۲ جین دھرم۔ بے لوث، بے رورعایت اور غیر متعصبانہ نظر سے دنیا کے ایک نہایت قدیم فطرتی، فلسفیانہ اور عاقلانہ مذہب پر طالبعلمانہ اور محققانہ نظر سے مختصر لیکن واضح ریویو جو رادھاسوامی مت کے پیرووں کے لیے بالعموم اور سناتنی اور آریہ سماجی بھائیوں کے مطالعہ کے لیے بالخصوص قلمبند کی گئی۔

بیڑ رکھنا ہے براتم چھوڑ دو ہٹ دھرمی کو دھرم کا ہم کرتا نے آئے سچے مرمی کو تصنیف لطیف مہرشی شیوبرت لال جی صاحب، مقیم رادھاسوامی دھام پرکاشک : جین متر منڈل دریبہ کلاں دہلی فروری ۱۹۲۸ء

ویر نروان سمت ۲۴۵۴ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپی۔"

کتاب کے شروع میں "گذارش" کے تحت بھولا ناتھ درخشاں مختار عدالت بلند شہر نے ۱۵جنوری ۱۹۲۸ کو لکھا ہے کہ :

"جین متر منڈل دہلی نے سال گذشتہ مہاویر جینتی کے موقع پر چند عنوان مخصوص کر کے ٹریکٹ لکھنے کی تحریک کی تھی۔ "جین دھرم کی قدامت" کے عنوان سے مہرشی جی نے لکھا۔ جین قوم کے مایۂ ناز جید رقم بابو چمپت رائے بیرسٹر نے مہرشی جی کا یہ ٹریکٹ منتخب قرار دیا۔ اس پر حسب وعدہ متر منڈل نے سندِ اعزازی (مان پتر) پیش کی اور ٹریکٹ کو شایع کیا۔ ہم کو فخر ہے

کہ رادھا سوامی پنتھ کی ماننے والی ایسی بھی ایک ہستی آج ہے جو جین دھرم کی قدامت پر قابل قدر مضمون لکھ کر بیباکانہ پبلک کے روبرو پیش کرنے کے ہمت رکھتی ہے۔"

چمپت رائے نے اس کی تمہید لکھی ہے۔ اس میں قابلِ توجہ حصہ یہ ہے:

"بعض امور پر آپ کے خیالات سے جینیوں کو پورا پورا اتفاق نہ ہوگا۔ خود میرے اور آپ کے خیالات میں بہت بھاری اختلاف زمانۂ قدامت ہندومت و جین مذہب کے بارے میں ہے۔ آپ ہندو مذہب کو زیادہ پرانا تصور کرتے ہیں، میں جین مذہب کو قدیم تر سمجھتا ہوں"۔

انھوں نے اصل کتاب میں بھی جا بجا اختلافی حواشی تحریر کیے ہیں۔ خود شیوبرت لال نے کتاب کا بہت مفصل دیباچہ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

"جین سنسکرت مادۂ 'جن' سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہی فتح کرنے کے ہیں یعنی اپنے آپ کو قابو میں لانا۔ اہنسا پرمو دھرمہ، بنیادی اصول ہے۔ جن باکمال آدمیوں نے اس کی اہمیت کی جانب توجہ دلائی ان کی تعداد جین دھرم کے نوشتوں میں چوبیس مانی جاتی ہے۔ ان کو تیرتھنکر یا گورو کہتے ہیں۔ ان میں رشبھ دیو پہلے اور مہابیر سوامی آخری تھے۔ جین دھرم ویدک دھرم سے بھی زیادہ قدیم ہے، یہ خیال قابل تسلیم نہیں ہے۔ جین دھرم غالباً ویدک مت سے پرانا نہیں۔ میں کم از کم رگ وید کو دنیا کی سب سے زیادہ قدیم کتاب تسلیم کرتا ہوں اور دنیا کا کوئی طریق بھی اس سے زیادہ پرانی کتاب پیش نہیں کر سکتا۔ رشبھ دیو سے پہلے دھرم کرم کے معاملات آج کل کے ہندو دھرم کی طرح برہموں کے ہاتھوں میں تھے۔ ورن آشرم کی نہ صرف بنیاد پڑ چکی تھی بلکہ ہر ورن کے فرائض مخصوص ہو چکے تھے۔" (ص ۹ تا ۱۴)

اس بیان سے اختلاف کرتے ہوئے تین حاشیے لکھے گئے ہیں:

ا۔ "اس مضمون کے صفحہ ۴۶ پر قابل مصنف نے خود رگ وید میں رشبھ دیو

کا نام آنے سے جین دھرم کو رگ وید یا ویدک دھرم سے قدیم تر تسلیم کیا ہے"

۲۔ "خود مصنف نے دوسرے رسالہ میں بعد تحقیقِ مزید اس کی تردید کر دی ہے"

۳۔ دھرم کرم کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کرم یگ کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ بھوگ بھومی کی رچھا میں کوئی دھرم یا مذہب عملاً موجود نہیں ہوتا۔ چونکہ جوگ بھومی کے بعد کرم یگ کے عین آغاز میں رشبھ دیو جی ہوئے جنھوں نے قدرتی مذہب کا پرچار کیا اور انھیں نے ورن قائم کیے۔ برہمن ورن بھرت چکرورتی کے زمانے میں قائم ہوا اس لیے یہ خیال کہ رشبھ دیو جی سے پہلے دھرم کرم برہموں کے ہاتھ میں تھا، بے ثبوت ہے"

اس کے آگے مصنف نے لکھا ہے:

"رشبھ دیو جی پہلے انسان تھے جنھوں نے براہمنی عظمت کو دھکا پہنچایا اور عملاً مذہبی اور روحانی معلم کی صورت میں اپنے آپ کو ظاہر کیا اور اس طرح برہمن اور کشتریوں کے درمیان کشمکش کی حالت پیدا ہوئی۔ کشتریوں کو ہمیشہ سے اس بات کا بجا غرور رہا ہے کہ روحانیت ان کی میراث ہے۔ جین مت اور ویدانت میں دویت اور ادویت کا فرق ہے۔ ہندو ایشور کو بغیر سوچے سمجھے خالق، ازلی، ابدی سب کچھ مانتا ہے۔ جینی صاف لفظوں میں ایسے فرضی یا خیالی ایشور کی ہستی سے منکر ہے۔ وہ سوچے سمجھے ایشور کی ہستی کا قایل ہے۔ بہ حیثیت ہندو شرم کے ساتھ اقرار کرتا ہوں کہ ہندوؤں نے جینیوں کے ساتھ ایسا کمینہ اور ذلیل برتاؤ کیا ہے جو شاید کسی وحشی سے وحشی انسان نے دوسرے وحشی انسان کے ساتھ کبھی نہ کیا ہوگا۔ وجہ محض یہ ہے کہ وہ یگیہ میں جانوروں کی قربانی کو منع کرتے تھے اور ایشور کو سمجھ بوجھ کر ماننے کے لیے کہتے ہیں۔ ہندو کہتے ہیں وید ہمارے آسمانی صحیفے ہیں۔ ہم گرنتھ والے

ہیں۔ جینی غیر اہل کتاب اور نر گرنتھ ہیں۔ جینیوں کی دھرم پستکیں بعد میں اردھ ماگدھی پراکرت میں لکھی گئیں۔ پھر سنسکرت کی طرف میلان ہوا اور مارواڑی، گجراتی اور تامل وغیرہ زبانوں میں بھی ان کی تصانیف کم نہیں ہے۔ ہندوؤں نے کہا کہ چونکہ یہ ویدوں کی نندا کرتے ہیں یہ ناستک ہیں۔ سب کی زبان سے متفقہ فتوا بر آمد ہوا: ان کو کھولتے ہوئے تیل کے کڑاہوں میں ڈال کر جلادو ان کی تمام کتابیں دریا میں غرق کردو۔ ہندو ہندو کے خون کا پیاسا ہوتا ہے۔ لوھر ایک مرتبہ کشتریوں کا بے رحمانہ قتل ہوا۔ لوھر وہی برتاو جینیوں کے ساتھ ہوا۔ یہی سلوک بودھوں کے ساتھ ہوا۔ جینیوں کے کتب خانے کے کتب خانے برباد کردئے گئے۔ نر گرنتھی گرنتھی نہ ہونے پائیں۔ صرف ایک کتاب باقی رہ گئی، امر کوش جو امر سنگھ جینی نے تصنیف کی تھی۔ بچوں تک کے دلوں میں یہ وہم داخل کیا جاتا ہے کہ جو جینی دیوتا کو دیکھے یا ان کے مندر میں جائے وہ نرک میں جائے گا۔ میں جینیوں کو ہندوؤں سے علاحدہ نہیں سمجھتا۔ دونوں ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں"۔ (ص ۱۵ تا ۴۳)

اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے اس کے مطالب بارہ ابواب میں منقسم ہیں۔ اس طرح:

۱۔ دھرم کرم ۲۔ سرسری تواریخی نظر

۳۔ جینیوں کے فرقے ۴۔ جین تیر تھنکروں کے حالات۔ چھ فصلیں

۵۔ کیا جینی مورتی پوجک یابت پرست ہیں؟

۶۔ جین مت کا کرم کانڈ۔ دو فصلیں

۷۔ جینیوں کا طرز معاشرت ۸۔ جین دھرم کا مقصد اور اس کی پراپتی

۹۔ جین دھرم کا فلسفہ ۱۰۔ جین دھرم کے فلسفہ کے سات تتو۔ نو فصلیں

۱۱۔ جین دھرم کا فلسفہ، مختصر صورت میں بطور سوال وجواب

۱۲۔ ویدانت اور جین دھرم میں فرق۔ اس باب میں تین ضمیمے ہیں یعنی:

۱۔ جین دھرم۔ موجودہ حیثیت ۲۔ ہندو دھرم پر جین مت کا اثر

۳۔ جین مت پر مابعد زمانہ میں ظلم

اس آخری ضمیمہ میں جو کہا گیا ہے اس کا خلاصہ اس طرح ہے :

"مسلمانی سلطنت کے ابتدائی زمانے تک جو ہندو آچاریہ اٹھا وہی ہاتھ صاف کرتا رہا۔ کمارل بھٹاچاریہ (جسے یتیم پاکر جینیوں نے پالا اور سکھایا پڑھایا تھا) اور پھر سوامی شنکر آچاریہ جی نے اس ظلم کی حد کردی۔ وہاروں کے کتبخانوں سے کتابیں چھین چھین کر کشتیاں بھر بھر کر دریاؤں میں ڈوبائی گئیں۔ معصوم نہتھے جینی جتی گرم تیل کے کڑاہوں میں بھر بھر کر جھونکے گیے۔ اور یہ کیوں ہوا؟ اہنسا کے اصول کی معصوم اشاعت کو بند کرنے کے لیے۔ معصوموں سے اس قدر نفرت کیوں کی گئی؟ جواب یہی ہو سکتا ہے کہ ہندو آخر ہندو ہیں" (ص ۱۴۸)

حاشیہ پر شاید مصنف ہی نے لکھا ہے۔ "لفظ ہندو کے لغوی معنی ظالم، لیٹرے کے ہیں۔"

کتاب کا تیرھواں باب "جین دھرم کی جے" کے عنوان سے ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ "کشاتر دھرم پر مود ھرمہ، جین دھرم کشاتر دھرم"۔ یہاں جملۂ معترضہ کے طور پر یہ کہنا غالباً مناسب ہے کہ شیوبرت لال خود کو کشتری مانتے تھے، قدرتی طور پر ان کا میلان کشاتر دھرم کی طرف ہونا ہی چاہئے تھا۔ کسی خاص مکتبۂ فکر وخیال کی طرف طبیعت کا میلان ہونا قدرتی عمل ہے لیکن جب اس میلان میں شدت آجائے تو وہ مذموم ہو جاتا ہے اور اسی کو تعصب اور تنگ نظری کہتے ہیں۔ کشتریوں اور براہموں کی آویزشوں کا تذکرہ شیوبرت لال نے اپنی متعدد کتابوں میں کیا ہے اور موجودہ کتاب میں تو وہ پوری طرح گویا بیقابو ہو گئے ہیں اور انھوں نے صاف لفظوں میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں :

"ہندو غلامی کا طریق ہے۔ براہموں نے موقع پاکر غیر براہموں کو اپنا محکوم بنایا۔ جین دھرم اس غلامی سے آزاد کرانے اور غلامی پر فتح پانے کے لیے

آیا تھا۔ براہموں اور کشتریوں کے درمیان قومی خانہ جنگی کا باعث صرف یہی ہے۔ براہموں نے قوم کی قوم کو برباد کر کے ہندو (= غلام) بنا دیا۔ کشتری اس کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن اگر غلامی پسند غلام غلامی کی حالت میں رہنا چاہتے ہیں تو کوئی کیا کرے۔ ہندو اور براہمن ناموں کے درمیان مرادی اور مجازی اور اصطلاحی فرق ہے۔ ہندو ہندو ہے۔ براہمن براہمن ہے۔ براہمن ہندو نہیں ہے۔ نہ ہندو کہلانا پسند کرتا ہے بلکہ اپنے آپ کو ہندو پن کے دایرے سے جدا رکھتا ہے اس لیے یہ کہنا کہ ہندو ایک قوم ہے بالکل غلط ہے اور بے سر وپا بات ہے۔ ہندو قوم کے اجزاء میں براہمن گروہ ہندو عنصر نہیں ہے۔ برہموں نے جس جس طرح قوم کو پامال کیا، اپنا غلام بنایا اور غیر قوموں کی غلامی کے لیے ان کے ہاتھوں میں عملاً سپرد کیا اس کی بدیہی کیفیت دکن میں جاکر دیکھو۔ کسی دکھنی برہمن سے پوچھو، اسے ہندو کہلانے سے گریز ہوگا کیونکہ وہ اپنے دلوں میں جانتا ہے کہ ہندو غلامی کا مرادف لفظ ہے۔ جو کچھ کوشش ہندو سنگھٹن کے نام سے کی جا رہی ہے، برہموں کی وجہ سے وہ کبھی کامیابی کا منہ نہ دیکھیگی کیونکہ ہندو اور براہمن سنگھٹن امر محال اور بالکل غیر عملی ہے۔" (ص ۱۵۴ تا ۱۵۵)

خود ہندوؤں کے اور ان کی کتابوں کے بارے میں بھی شیو برت لال کا دل اور قلم حقیقت حال کے اعلان کے لئے گویا تڑپ گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"جین دھرم اہنسا کا معلم ہے۔ ہندو شروع ہی سے گوشت خور ہنسک ہیں۔ بات بنانا اور ہے۔ ہندو لٹریچر دیکھو۔ سب کی سب گوشت خوری کے مضمون سے بھری پڑی ہیں۔ والمیکی رامائن، منو سمرتی، مستند گرنتھ ہیں، آخری کتاب میں تو مختلف قسم کے جانداروں کے گوشت کے پنڈدان تک کا حکم ہے اور ہوتا کیوں نہیں۔ جب ویدک یجیوں میں پشوبدھ کا حکم ہے تو یہ کیسے محفوظ رہ سکتے تھے۔ مہرشی سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج کی ستیار تھ

پرکاش میں جو راجا جے کشن داس جی مرحوم کی زیر سرپرستی چھپی تھی گوشت خوری کی حمایت تھی۔ آریہ سماج میں گھاس پارٹی اور ماس پارٹی کی تمیز برسوں جاری رہی۔ دونوں لڑاکو قوموں کے لٹریچر اب بھی کسی کسی کتبخانے میں ملینگے۔ جس کا جی چاہے اپنا اطمینان کرلے۔ اب آریہ سماج تک اہنسا کا واعظ ہے" (ص ۱۵۳)

حقیقت جو بھی ہو وہ کسی کے چھپانے سے نہیں چھپتی لیکن اہمیت اس بات کی ہے کہ یہ بیان داتا دیال مہرشی شیوبرت لال کا ہے۔ جین دھرم کے بارے میں بھی انھوں نے قطعی دوٹوک الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ:

"جین دھرم قابلِ قدر، قابلِ مطالعہ، قابلِ قبول اور قابلِ عمل طریق ہے"
(ص ۱۴۳)

ہمارے زمانے میں تو اس قسم کی باتیں جن پر خود عمل کرنے کا بالکل ارادہ نہیں ہوتا ہے دوسروں کو خوش کرنے کے لیے یا کسی سیاسی مصلحت اور وقتی ضرورت سے کہتے رہنے کا چلن زیادہ سے زیادہ ہوتا جارہا ہے لیکن شیوبرت لال پر تعجب ہے کہ انھوں نے یہ دعوا کس طرح کیا، جب کہ یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے جین دھرم کو نہ تو کبھی قبول کیا اور نہ اس طریق پر آخری سانس تک پوری طرح انھوں نے کبھی عمل ہی کیا۔ اس کتاب میں جین دھرم سے متعلق شیوبرت لال کی تصانیف کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں ذیل کی کتاب کا بھی ذکر آیا ہے:

"جین دھرم کی تمام مذہبوں پر فوقیت (اردو)"

اس کتاب کے نام سے اندازہ کیا جانا چاہیے کہ شیوبرت لال بہ ضرورت کیا کچھ لکھ سکتے تھے۔ اس مقام پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ان کی تحریروں میں بار بار یہ مذکور آیا ہے کہ آدمی کے قول و عمل میں تفاوت نہیں ہونا چاہیے۔

شیوبرت لال نے ساری عمر انگریزوں کے دورِ اقتدار میں گذاری تھی۔ وہ انگریزی حکومت کو ملک کے لیے اور خاص طور سے ہندوؤں کے لیے خیر و برکت کا

باعث سمجھتے تھے، اور اس کا انھوں نے اپنی تحریروں میں بار بار ذکر بھی کیا ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ: "[۴] انگریزوں کو ایشور نے ہماری رکشا کے لیے بھیجا ہے"

اس لیے وہ مسیحیت کو ناپسند کرنے کے باوجود، انگیز کرتے تھے۔ یہ حقیقت ان کے علم میں تھی کہ عیسائی مشنریوں کی تبلیغی مساعی رنگ لا رہی ہیں لیکن اس پر انھوں نے کماحقہٗ تشویش کا اظہار کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا بلکہ اس بارے میں انھوں نے جو لکھا یہ ہے:

"[۵] بعض آدمیوں نے تو فتوی دیدیا ہے کہ ہندو موت کے منہ ہی میں ہیں اور یہ چند سالوں کے مہمان ہیں۔ ان صاحبوں کی نظر مردم شماری کی تعداد پر رہتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں کے درمیان تبدیلِ مذہب کی بلا زور شور کے ساتھ جاگزیں ہوگیی اور روز جڑ پکڑتی جا رہی ہے لیکن اس سے ہندوؤں کے اصلی ہندوپن میں کیا فرق آ رہا ہے یا آئیگا اس پر کسی کی نظر نہیں ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ خامی کے بعد پختگی کا دور آتا ہے۔"

شیوبرت لال کے نزدیک ہندوؤں ہی نہیں، ساری دنیا کے لیے زیادہ خطرہ اسلام سے تھا اور وہ اپنی تحریروں کے ذریعے سے دنیا کو اس خطرہ سے بار بار آگاہ کرتے رہے تھے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

"[۶] پہلے اسلام کی آبادی بہت کم تھی مگر مذہبی جوش نے آناً فاناً میں دنیا کا تختہ درہم برہم کر دیا اور ایشیا کو کون کہے، یوروپ کے ملک بھی اس کے ہاتھ آگئے اور ساری دنیا تھرا گئی۔ آج دنیا میں اسلام کی آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ فطرتاً اسلام کی عالمگیر اخوت خود اشاعت کا کام کر رہی ہے۔ گورنمنٹ ہند بھی کوتاہ بینی سے اس کو دانستہ یا نادانستہ ترقی کا موقع دے رہی ہے۔ فارس، افغانستان، عرب، مصر، زنجبار، مراکو وغیرہ مسلمانی ملک ہیں، جہاں پُرجوش مسلمان آباد ہیں اور سب کے دل متحد متفق اور ایک سے ہیں۔ ان سب کی آواز ایک ہے، دل ایک ہے، حوصلہ ایک ہے، خواہش ایک ہے۔ ہم

کو لامحالہ حضرت محمدؐ کی دلی طاقت کی تعظیم کرنی پڑتی ہے جس کے ترقی
کرنے والے جذبات آج تک کس طرح محیط سیلاب بنے ہوئے دنیا کو متاثر
کر رہے ہیں اور عیسائیوں کے گھمنڈ کو جو مسلمانوں کو جاہل، وحشی اور بد
اخلاق بتاتے رہے ہیں، قدم قدم پر ٹھوکر دئے جا رہے ہیں۔ مسلمانی
سلطنتوں کے ساتھ جو کچھ زیادتیاں یوروپین قوموں نے کی ہیں وہ کانٹے کی
طرح سب کے دلوں میں کھٹک رہی ہیں۔ دلوں کے اندر غصہ کی آگ کس
طرح مشتعل ہو رہی ہے اس کی کیفیت انگلینڈ میں رہنے والے ہندوستانی
مسلمانوں کی آواز کے سننے سے بہ آسانی معلوم ہو سکتی ہیں۔"

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ شیوبرت لال اپنی تحریروں میں مسلمانوں اور اسلام پر طنز و تعریض ہی نہیں، ان کی مخالفت کا بھی موقع ہاتھ سے عموماً جانے نہیں دیتے۔ اتنا ہی نہیں، وہ بار بار انگریز اور انگریزی حکومت کو بھی اس طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔

مسلمانوں سے شیوبرت لال کو ایک شکایت یہ بھی ہے کہ انھوں نے قدیم ہندوستانی اصطلاحوں کو ہی نہیں قدیم ہندوستانی شخصیتوں کے واقعات کو بھی اسلامی رنگ دے دیا ہے چنانچہ سیلاب منو کا خاصی تفصیل سے ذکر کر کے بتایا ہے کہ یہی طوفان نوح ہے۔ اسی طرح لکھتے ہیں کہ :

"شری [۸] رامچندر جی کے تعمیر کردہ سمندری پُل کو آدم کا پل کہتے ہیں۔ ہم نے پنجاب کے دوران قیام میں تمام ہندوستانی قصوں کو مسلمانی رنگ دیا ہوا سنا ہے۔ راجہ رسالو (شالباہن) سیالکوٹ کا راجہ ہندو تھا، وہ مسلمان بتایا جاتا ہے۔ اس کا زمانہ دو ہزار برس کا ہوا جب حضرت محمد کا ظہور بھی نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح ہیر رانجھا کا قصہ مسلمانی ہو گیا۔ رانجھا بالا ناتھ جوگی کا شاگرد تھا جو گرد گورکھ ناتھ کا شاگرد تھا۔ سسی پانو، کے نام تو خالص ہندو ہیں گو انھیں مسلمانی رنگت دی گئی ہے۔ اسی طرح اور جگہ بھی سلوک ہوا ہے۔ ابراہیم ادہم بودھ سادھ تھا، وہ مسلمان بتایا جاتا ہے اور فریدالدین عطار کی مشہور

کتاب تذکرۃ الاولیا میں اسی حیثیت سے اس کا تذکرہ آیا ہے اور علی ہذا القیاس"
غرض اختلافات طرح طرح کے تھے اور ان سب کے باوجود شیوبرت لال باہمی یگانگت اور اتحاد کے دعویدار ہیں۔ ان کے اس دعوے کی قدر کی جانی چاہئے۔

۳۔ سنت مت کی حقیقت :

شیوبرت لال نے یہ مختصر سا رسالہ "خاص ست سنگیوں کے لیے" لکھا ہے اور اس کے سرورق پر یہ شعر بھی درج کیا ہے ؎

کرنی کرے سو پتر ہمارا کتھنی کتھے سو ناتی
رہنی رہے سو گورو ہمارا ہم رہنی کے ساتھی

یہ رسالہ دو حصوں پر منقسم ہے :

پہلا حصہ شاستر انجو　　　　دوسرا حصہ نج انجو

پہلے حصے میں اپنشدوں وغیرہ کے حوالے سے سنت مت کی مختلف اصطلاحوں کی وضاحت کی گیی ہے۔ آخر میں کبیر کے مندرجہ بالا شعر کی تشریح کی گئی ہے لکھا ہے :

"یہ پرم سنت کبیر صاحب کا کلام ہے۔ کتنا اچھا کلام ہے۔ موتیوں میں تولنے کے لایق ہے۔ کرنی سے تعلق رکھتے رکھتے جب انسان میں رہنی آجاتی ہے تو وہ نرباسنا ہو جاتا ہے۔ اس میں باسنا نہیں رہتی۔ ساری خرابی باسنا کی ہے۔ یہ چلی جائے، سارا روگ دور ہو جائے۔ باسنا کی نفی ہو جائے تو اثبات باقی رہ جائے۔" (ص ۱۶)

یہ حث ان جملوں پر ختم ہوتی ہے :

"کُل سے جدائی اور محرومیت کا باعث صرف بھرم ہے کیونکہ بھرم قانون قدرت کے سلسلہ میں پہلی کڑی ہے۔ اس بھرم اور چکر کی صورتیں بھوگ اور بھوگ کے سامان اور ان کے سلسلہ میں کام، کرودھ، لوبھ، موہ، اہنکار وغیرہ کی دھاریں نکلتی ہیں جن کا رخ کمال اور پورنتا کی جانب رہتا ہے۔" (ص ۱۷)

دوسرا حصہ نج ابھیاس عبارت سے شروع کیا ہے :

"رادھاسوامی مت کا دوسرا نام سنت مت ہے۔ سنت مت میں جس یوگ کا سادھن کرایا جاتا ہے اس کا نام سرت شبد یوگ ہے۔" (ص ۱۸)

اس کے بعد سرت شبد یوگ اور سادھن کے عمل کے متعلقات کی توضیح کی گئی ہے۔

رسالے کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے :

"یہ حالت صرف ست سنگ اور ابھیاس کرنے سے آپ ہی آپ سہج ریت سے انسان میں آجاتی ہے اور بغیر کٹھنائی کے وہ اس سے واصل ہو کر ایک ہو رہتا ہے۔ پھر نہ کچھ کرنا ہے نہ دھرنا ہے۔ صرف اصلیت بحر اصلیت میں وچرنا ہے یہ سارے شغل اشغال اور سارے سادھنوں کا مقصد ہے، معراج ہے، اصلیت ہے اور حقیقت ہے۔" (ص ۲۲)

شیوبرت لال رادھاسوامی مت یا سنت مت یعنی مذہبِ فقرا کے ماننے والے تھے اس لیے انھوں نے اپنی تقریباً ساری ہی تحریروں میں اس مت سے متعلق تھوڑی بہت بحثیں ضرور کی ہیں اور چھوٹی بڑی متعدد کتابیں[9] یادگار چھوڑی ہیں۔ چند یہ ہیں :

۱۔ رادھاسوامی مت میں مسئلۂ توحید

۲۔ رادھاسوامی مت دنیا کا عجیب و غریب مذہب

۳۔ رادھاسوامی درپن حصہ اول، دوم

۴۔ رادھاسوامی مت پرکاش حصہ اول، حصہ دوم

۵۔ سچا سناتن آریہ دھرم

۶۔ سرت شبد یوگ

۷۔ سنت مت کی کنجی

۸۔ وحدت اور رادھاسوامی مت

۹۔ شبد یوگ کے شغل کی بابت مختصر ہدایت

عقیدتمندوں نے ان کے بچن جمع کر لیے تھے اور ان کے بھی کئی مجموعے چھپ کر شائع

ہو چکے ہیں مثلاً :

۱۔ آخری ست سنگ کے آخری چمن ۲۔ ارشادات حصہ اول، حصہ دوم

۳۔ چمن سار حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم، حصہ چہارم

۴۔ داتا دیال کے سات چمن

شیو برت لال ہندوؤں کے قدیمی روایتی مذہب سے پوری طرح متفق نہیں تھے اسی لیے انھوں نے اپنے زمانے کے ایک صاحب علم اور روشن خیال گرو کا انتخاب کیا۔ انھوں نے روایتی مذہب کے بارے میں مختلف کتابوں میں اپنے تاثرات قلمبند کیے ہیں۔ اس سلسلے کی ان کی کتابوں میں سے ذیل کی کتاب لایق توجہ ہے :

"سناتن دھرمیوں کی دلچسپ داستان حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔"

شیو برت لال اپنے مذہب کو مذہب فقرا قرار دیتے تھے اور اسے تصوف کا مرادف مانتے تھے۔ انھوں نے تصوف اور معرفت کے عنوان سے بھی بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ ان میں سے کچھ کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :

۱۔ اسرار معرفت ۲۔ بہار تصوف ۳۔ خمخانۂ عرفان

۴۔ خمخانہ خیالات ۵۔ خمکدۂ خیالات ۶۔ خمکدۂ تخیلات

۷۔ خمکدۂ سرشار ۸۔ صوفی ازم ۹۔ صحبت فقرا

۱۰۔ صوفیانہ تخیلات ۱۱۔ صوفی مذہب کی اصطلاحات کی شہادت

۱۲۔ گلدستۂ عرفاں ۱۳۔ گلدستۂ تخیلات ۱۴۔ گلدستہ معرفت

۱۵۔ گنجینۂ تخیلات حصہ اول، دوم، سوم ۱۶۔ گنجینۂ معرفت

۱۷۔ گنج معرفت ۱۸۔ مستی کا جام ۱۹۔ ہمارا تصوف

افسوس یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر اب نایاب ہیں۔ جو دستیاب ہیں ان میں سے بعض کا مجمل تعارف گذشتہ ابواب میں کرا لیا جا چکا ہے۔

حواشی

۱۔	سندھ دیش کے پرانے دیہاتی قصے	ص ۸۸
۲۔	سادھو، فروری مارچ ۱۹۱۲	ص ۲۳۳
۳۔	ایضاً ایضاً	ص ۲۴۰
۴۔	مارتنڈ جنوری ۱۹۱۱	ص ۲۶
۵۔	تمام دنیا ہندو ہے	ص ۵ تا ۷
۶۔	مارتنڈ جنوری ۱۹۱۱	ص ۲۲ تا ۲۳
۷۔	تمام دنیا ہندو ہے	ص ۴۷ تا ۴۹
۸۔	ایضاً	ص ۷۸ تا ۷۹
۹۔	گلستان ہزار رنگ	ص ۴۵۲ تا ۴۵۹

خاتمہ

شیوبرت لال عجیب آزاد مزاج، آزاد خیال اور آزاد طبیعت شخص تھے۔ انھوں نے خود اپنے بارے میں لکھا ہے:

"[1] میں باذات خود نہ ہندو ہوں، نہ مسلمان ہوں۔ میں خود کیا ہوں، اس کا حال تو تم کو میری تصنیف و تالیف سے معلوم ہوگا۔ میں مسلمان مُردوں کی خاطر مسلمان بحر ان کو مسلمانوں کے موافق دعا دیتا ہوں اور ہندو مُردوں کی خاطر ہندوؤں کے طرز عمل کا پیرو ہو کر پرارتھنا اور ارادھنا سے سرادھ کرتا ہوں تاکہ انھیں بہ آسانی میری دعا اور پرارتھنا کا فیض پہنچے اور اگر خیال کی دھارا میں طاقت و لطافت اور صداقت ہے تو وہ ضرور اپنا عمل کرنے سے نہ چوکے گی۔ مسلمانوں کے لیے میں سچا مسلمان ہوں اور ہندوؤں میں سچا ہندو ہوں"

اس اقتباس میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے، یہی ان کی ترقی کا راز ہے اور یہی ان کے زوال کا باعث بھی ہوا ہے۔ انھوں نے قرآن شریف کی تعلیم حاصل کی اور مذہبِ اسلام کی کتابیں پڑھیں۔ انھوں نے رسول اکرم ﷺ اور حضرت علیؓ وغیرہ کی سوانحات لکھیں۔ یہ کتابیں ہندوؤں کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکتی تھیں۔ مسلمانوں کے لیے بھی ان کتابوں کی اہمیت نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے نہیں لکھی گئی تھیں۔ اور مسلمانوں کے لیے ان کو استناد کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ ان موضوعات سے متعلق مستند اور معتبر کتابیں بازار میں بہ کثرت دستیاب تھیں۔ یہی معاملہ ان کی ان تمام کتابوں کا بھی تھا جو پارسی، سکھ، آریہ سماج، بدھ اور جین وغیرہ مذاہب سے متعلق انھوں نے لکھی تھیں۔ یہ حقیقت خود ان کی نظر سے بھی پوشیدہ نہیں تھی چنانچہ بعض کتابوں کے سرورق کے اندراج سے بھی ظاہر ہے کہ وہ خود بھی اس بات کو سمجھتے تھے کہ ان کی کتابیں ایک مخصوص اور محدود حلقے ہی میں پڑھی جا سکتی تھیں مثلاً:

نام کتاب	مخاطبین

۱۔ جین دھرم ــــ رادھاسوامی مت کے پیرووں کے لیے بالعموم اور سناتنی اور آریہ سماجی بھائیوں کے مطالعہ کے لیے بالخصوص

۲۔ سنت مت کی حقیقت ــــ خاص ست سنگیوں کے لیے۔

اس مقام پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ محبت اور عقیدت کتابوں کو سر پر رکھ سکتی ہے، آنکھوں سے لگا سکتی ہے، سینے سے چمٹا سکتی ہے لیکن ان کی توسیع واشاعت میں بھی معاون ہو سکتی ہے، یہ بات مشتبہ ہے۔ شیوبرت لال کے عقیدتمندوں نے ان کی کتاب کو سینے سے لگا کر رکھا تھا، یہ بالکل صحیح ہے لیکن انھوں نے ان کی توسیع واشاعت کی بھی کوشش کی تھی یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔ ان کے بہ کثرت رسالوں میں سے کسی کو اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ اس میں مالی دشواریوں کا ذکر مل جائیگا۔ مارتنڈ کے جولائی ۱۹۱۰ء کے شمارے میں ہے:

"مارتنڈ کے پڑھنے والو! میں کیمیا گر نہیں، نہ دولتمند ہوں۔ دو سال سے سخت مالی نقصان اٹھا کر مارتنڈ کو محض قوم کی خدمت کے خیال سے نکال رہا ہوں۔ وہ اپنا کام کرتا ہے۔ اس کام کا نتیجہ بھی کچھ ہو رہا ہے مگر میں سخت پس وپیش میں ہوں۔ آپ سے ہو سکے تو فوراً خرید ار بڑھا کر اس کے جاری رکھنے میں مدد دیجیے ورنہ مجبوراً مجھ کو اب مارتنڈ بند کر دینا پڑیگا۔"

گنے چنے جاں نثار عقیدتمند تھے جو گرو کے مشن کو جاری رکھنے کے لیے اپنی ہر چیز داؤں پر لگائے ہوئے تھے اور کام چلتا رہا۔

بے شک شیوبرت لال کو رائے سالک رام صاحب سے نسبت حاصل تھی لیکن ان کی آزادی اور انفرادیت پسندی نے انھیں ایک الگ راہ پر لگا دیا تھا، اس لیے جس حلقے سے ہر قسم کے تعاون کی توقع ہو سکتی تھی، وہی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسالہ سادھو کے دفتر میں آگ بھی لگائی گئی۔ یہ صحیح ہے کہ شیوبرت لال نے اس قسم کے خیالات کا بھی اظہار کیا ہے کہ:

"آریہ سماج خالص ظور پر مذہبی جماعت ہے"

اور :

عقیل ہندو کبھی آریہ سماج کی دشمنی سے تعلق نہیں رکھتا"

لیکن ان کی آخر عمر کی تحریروں میں بھی ایسے جملے مل جائیں گے جن میں آریہ سماج کے بارے میں ان کی مختلف رائے کی غمازی ہوتی ہے۔ شیوبرت لال کے مزاج میں جو جدت پسندی تھی اس کا اظہار انھوں نے اپنی اکثر تحریروں میں کیا ہے۔ جب کوئی نیا مضمون سوجھ جاتا تھا تو بڑے سے بڑے عالم سے بھی اختلاف کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے، مثال کے طور پر ایک جگہ ہے :

"[۲] اوروں کو تو کیا کہا جائے، خود سوامی شنکر اچاریہ جیسے سنسکرت زبان کے متبحر اور جید عالم نے اس لفظ کی ماہیت نہیں سمجھی۔ دھوکا کھا بیٹھے۔ اسی طرح ان کے شاریرک بھاشیہ میں جہاں کرم کانڈ کا مضمون آتا ہے وہ یوں ہی اسے ٹال گئے۔ لیکن اپنشد میں اما لفظ پر کچھ روشنی نہ ڈال سکے۔ میری ٹیکاؤں کو پڑھ کر اپنی تسلی کر لیں"

شیوبرت لال نے "براہموں اور کشتریوں کے درمیان خصومت" کا ذکر اپنی ایک سے زیادہ کتابوں میں کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ :

کشتری[۳] اور براہموں کے درمیان صدیوں تک خوں ریزیاں ہوتی رہیں پرسرام نے اکیس مرتبہ کشتریوں کا قتل عام کیا۔ کوشش یہ تھی کہ دنیا سے کشتریوں کا نام و نشان ہمیشہ کے لیے مٹا دیا جائے۔ جینیوں کے ساتھ برہموں کی عداوت کا سبب مذہبی اختلاف نہیں بلکہ قدیم رقابت ہے۔"

اس قسم کی تحریروں کا مقصد جو بھی رہا ہو، واقعہ یہ ہے کہ ان سے بعض لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے مخالفانہ جذبات پیدا ہوتے تھے اور یہ صورت حال بھی ان کی مقبولیت میں کمی کا سبب بنی تھی

یہ تو خارجی اسباب تھے لیکن ایک اور بڑا سبب بھی تھا، وہ یہ کہ شیوبرت لال نے خود کو اتنا مصروف کر لیا تھا کہ انھیں اپنی تحریروں پر نظر ثانی کا موقع بھی نہیں ملتا

تھا۔ اس کمی کا انھیں بہ شدت احساس تھا اور اس کا انھوں نے بار بار ذکر بھی کیا ہے۔ اس سلسلے میں دل کو بہلانے کے لیے بات یہ کہی جا سکتی تھی کہ مقصود اپنی بات کو پہنچانا تھا زبان و بیان بے اصلاحی اور ناقص ہو تو اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن زبان و بیان کی اہمیت کو نظر انداز کرنا بڑی غلطی ہے۔ شیخ ابراہیم ذوقؔ نے خوب کہا ہے ؎

جوہر خوب کو درکار ہے آرایش خوب
خوب تو آب کی خوبی سے ہے ٹھہرا گوہر

بات اگر اچھی طرح اچھے لفظوں میں کہی جائیگی تو موثر ہوگی اور اگر زبان ناقص اور بھونڈی ہوگی تو عقید تمند کا سر شاید جھوم جائے، عام سمجھدار آدمی کے کانوں پر وہ ضرور گراں گزرے گی۔ شیوبرت لال کی تحریروں میں زبان و بیان کی ایسی خامیاں عام ہیں جو ایک سرسری نظر میں بھی درست کی جا سکتی تھیں۔ اکثر شعر لفظوں کی معمولی سی کمی بیشی یا رد و بدل سے بہت بہتر ہو سکتے تھے۔ بہر نوع اب شیوبرت لال کی یہی غیر نظر ثانی شدہ اور بے اصلاحی تحریریں ہمارے سامنے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان تحریروں کی بنیاد پر انھیں اردو کے معتبر لکھنے والوں میں جگہ نہیں دی جا سکتی ہے لیکن اس حقیقت کو بہر حال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے پیچھے زبردست تحریری سرمایہ چھوڑا ہے اور اس میں نظم و نثر کی بیشتر اصناف کے نمونے موجود ہیں۔ شاید ہی کوی صنف ایسی ہوگی جس میں اس شخص نے قلم آزمائی نہ کی ہو۔ ہماری نظر میں اتنی بات بھی اس کے لیے کافی ہے کہ ان کو اردو کے مصنفین کی صف میں جگہ دی جائے۔ اور ان کی تحریروں میں جو معلومات کا خزانہ محفوظ ہے اس سے فایدہ اٹھایا جائے۔ خذف ریزوں کے ڈھیر ہی میں سے موتی نکالے جاتے ہیں۔ شیوبرت لال کی تحریروں میں بھی کیسی قسم کے موتی بلاشبہ موجود ہیں اور ان کی قدر نہ کرنا ظلم ہے۔

حواشی

۱۔ پرلوک سدھار ص ۱۰۷

۱۔ تمام دنیا ہندو ہے ص ۵۹ تا ۶۰

۲۔ چھاندوگیہ اپنشد ص ۱۵

مراجع مصادر

(الف) مہرشی شیوبرت لال ورمن کی تصانیف اردو میں

(بیشتر کتابوں پر سالِ طباعت کا اندراج نہیں ہے۔)

۱۔ آخری ست سنگ کے آخری بچن: مرتب موتی لال مختار، مطبع رفاہ عام گورکھپور، اگست تا دسمبر ۱۹۳۹ء

۲۔ آبدار موتی: بندے ماترم سٹیم پریس لاہور، جون جولائی ۱۹۲۵ء

۳۔ آزادی کی کنجی: (ناقص الاول)

۴۔ اپنشد بھاشیہ بھومیکا: آفتاب برقی پریس امرتسر، اکتوبر نومبر ۱۹۲۶ء

۵۔ ادبھت اپاسنا یوگ: رادھا سوامی دھام، ضلع مرزاپور، دسمبر ۱۹۸۳ء پہلا ایڈیشن

۶۔ ادبھت سندیش: آریہ سٹیم پریس، لاہور، اکتوبر ۱۹۱۴ء

۷۔ اسرار کامیابی: بہ سلسلہ دیال، حیدر آباد،

۸۔ الحیات بعد المممات: سرسوتی بھنڈار، لاہور، ۱۹۱۰ء دوسری بار

۹۔ امر سنگھ راٹھور: ناشر نرائن دت سہگل اینڈ سنز، لاہور، بارِ سوم

۱۰۔ اوم ناول: پرکاش سٹیم پریس، لاہور، نومبر دسمبر ۱۹۲۷ء

۱۱۔ اہل باطن: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، حیدر آباد، اپریل ۱۹۵۵ء

۱۲۔ ایتریہ اپنشد: یونانی دواخانہ پریس، الہ آباد، مارچ ۱۹۲۸ء

۱۳۔ بچوں کا دل بہلاو: ناشر جے اس سنت سنگھ اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۲۶ء

۱۴۔ بالمیکی رامائن اصلی باتصویر: آزاد بک ڈپو، امرتسر

۱۵۔ بدھ دھرم کا علمِ اخلاق: بھارت لٹریچر کمپنی، لاہور، پہلی بار

۱۶۔ بردھی سدھار (سنت سماگم نمبر ۱۳): میتھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس، لکھنؤ

۱۷۔ بویک کلپدرم: ساہتیہ پرکاشن منڈل، ہنمکنڈہ، مارچ۔اپریل ۱۹۷۱ء

۱۸۔ بھڑکدار موتی: امرت الکٹرک پریس، لاہور،

۱۹۔ بھگت بھگونت بھگتی۔ کرشن سداما: انقلاب سٹیم پریس، لاہور، بار دوم

۲۰۔ پرلوک سدھار: پرکاش سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۲۰ء

۲۱۔ پرشن اپنشد: آفتاب برقی پریس امرتسر، مارچ۔اپریل ۱۹۲۷ء

۲۲۔ پرم سندیش: آریہ سٹیم پریس، لاہور

۲۳۔ پنچ دشی اردو حصہ اول: رادھا سوامی ست سنگ بھون خیریت آباد، ستمبر تا نومبر ۱۹۷۵ء

۲۴۔ ایضاً حصہ دوم: ایضاً ایضاً دسمبر تا اپریل ۷۶۔۱۹۷۵ء

۲۵۔ پنتھ سندیش: آریہ سٹیم پریس، لاہور،

۲۶۔ تابدار موتی: رفیق عام پریس، لاہور

۲۷۔ تحفۂ درویش یعنی فقیر پرساد: مرتب ٹھاکر نندو سنگھ جی رادھا سوامی دھام گوپی گنج، فروری ۱۹۲۲ء

۲۸۔ تڑپدار موتی: ہندوستان پریس، لاہور

۲۹۔ تمام دنیا اصل و نسل کی نظر سے ہندو ہے: سنت کاریالیہ، الہ آباد، اپریل مئی ۱۹۳۶ء

۳۰۔ توحید کا خزانہ: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل ہنمکنڈہ، مارچ ۱۹۶۳ء

۳۱۔ تیتریہ اپنشد: آفتاب برقی پریس امرتسر، جنوری فروری ۱۹۲۸ء

۳۲۔ جاں نثار موتی: رفیق عام پریس، لاہور

۳۳۔ جین برتانت کلپدرم: سیوک سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۱۱ء

۳۴۔ جین دھرم: دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی، ۱۹۲۸ء

۳۵۔ چمکدار موتی: ہندوستان پریس لاہور، بار دوم

۳۶۔ چھاندوگیہ اپنشد: یونانی دواخانہ پریس، الہ آباد، جنوری تا جون ۱۹۲۹ء
۳۷۔ حکومت کا راز: ملہوترہ پرنٹنگ کمپنی، لاہور،
۳۸۔ دلدار موتی: ہندوستان پریس، لاہور، بار دوم
۳۹۔ دمدار موتی: اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور،
۴۰۔ دنیا کی بہتری: دفتر دیال، حیدر آباد، جلد ۶ نمبر ا
۴۱۔ راج بھگتنی میرابائی: پنجابی سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۲۴ء
۴۲۔ رادھا سوامی جوگ: پنجابی سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۱۹ء، بار اول
۴۳۔ رادھا سوامی مت کی فضیلت اور آنند یوگ: پنجابی سٹیم پریس، لاہور، جنوری ۱۹۳۲ء
۴۴۔ رائے شالگرام صاحب بہادر: صحیفہ مشین پریس، حیدر آباد، جون جولائی ۱۹۵۶
۴۵۔ رنگدار موتی: ناشر، جے اس سنت سنگھ اینڈ سنز، لاہور،
۴۶۔ روحانی تعلیم: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل ہنمکنڈہ، ستمبر ۱۹۶۵ء
۴۷۔ روحانی رامائن: مشمولہ ست سنگت گورکھپور، جنوری ۱۹۳۷ء
۴۸۔ سادھو کی صدا۔ کبیر کے ایک شبد کی تشریح: دفتر شیو شنبھو، لاہور
۴۹۔ سار سندیش: ست سنگت، گورکھپور، مارچ تا مئی ۱۹۳۳ء
۵۰۔ سار شبد: دیال سیریز ہنمکنڈہ، مرتب نند و بھائی، مارچ ۱۹۶۳ء
۵۱۔ ست سناتن دھرم یا ست مانو کلیان دھرم: رفیق مشین پریس، حیدر آباد، جنوری فروری ۱۹۶۹ء
۵۲۔ ست کبیر کی شبد اولی مع کبیر کی ساکھی: ناشر بنس دھاری لال اخگر، منیجر وگیانی، لاہور
۵۳۔ ستی برتانت، ناشر رام دتا مل، تاجر کتب، لاہور
۵۴۔ سرت شبد یوگ کلپدرم: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل ہنمکنڈہ، مئی تا ستمبر ۱۹۶۹ء
۵۵۔ سکھ سدھار (سنت سماگم نمبر ۷ تا ۹): لال سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۲۰ء

۵۶۔ سلطان الاذکار یا شغل آواز: رفیق مشین پریس، حیدرآباد، جولائی اگست ۱۹۷۱ء

۵۷۔ سنت مال یا تذکرۃ الفقرا: بندے ماترم پریس، لاہور، ۱۹۲۳ء پہلی بار

۵۸۔ سنت مت اور اس کی تعلیم: رادھا سوامی جنرل ست سنگ ہمممکنڈہ، ستمبر ۱۹۶۸ء

۵۹۔ سنت مت یا مذہب فقرا: بندے ماترم سٹیم پریس، لاہور،

۶۰۔ سندر اندرا: کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور، ۱۹۰۹ء

۶۱۔ سندری رادھا رانی: جارج سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۰۹ء

۶۲۔ سندھ دیش کے پرانے دیہاتی قصے حصہ اول: بندے ماترم پریس لاہور، ۱۹۲۴ء

۶۳۔ سنگھ ناد کبیر کے ایک شبد کی تشریح: مطبوعہ لاہور

۶۴۔ سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج: سلیمی برقی پریس، الہ آباد، جولائی اکتوبر ۱۹۳۶ء

۶۵۔ شاہی بھکاری: گیلانی الکٹرک پریس، لاہور، ۱۹۲۸ء پہلی بار

۶۶۔ شاہی بھگتنی: پنجابی پریس، لاہور، ۱۹۲۳ء بار دوم

۶۷۔ شاہی بھوت: کانشی رام پریس، لاہور

۶۸۔ شاہی بھگت (ناٹک): ناشر: لاجپت رائے ساہنی لاہور، ۱۹۲۳، دوسری بار

۶۹۔ شاہی تپسوی: مشہور عالم پریس، لاہور

۷۰۔ شاہی جادوگرنی: کانشی رام پریس، لاہور

۷۱۔ شاہی چور: کانشی رام پریس، لاہور

۷۲۔ شاہی ڈاکو: ناشر: لالا رام دتہ مل اینڈ سنز لاہور، بار پنجم

۷۳۔ شاہی ساہسی: مشہور عالم پریس، لاہور

۷۴۔ شاہی لکڑ ہارا: آریہ سٹیم پریس، لاہور

۷۵۔ شبد گنجار حصہ اول، مرتب، نندو بھائی، کمال پرنٹنگ پریس، دہلی، ۱۹۵۴ء دوسری بار

۷۶۔ شجر مراد یا بویک کلپدرم: پرکاش سٹیم پریس، لاہور، بار اول

۷۷۔ شریمد بھگوت گیتا: رادھا سوامی دھام، ضلع مرزاپور، ۱۹۳۶ء

۷۸۔ شری پنچدشی اردو: انڈین سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۱۷ء بار اول

۷۹۔ شری وگیان راماین: بھارت لٹریچر کمپنی، لاہور، ۱۹۱۸ء
۸۰۔ شیوجی کی ادبھت کہانی: صحیفہ مشین پریس، حیدرآباد، مارچ ۱۹۵۶ء
۸۱۔ شیوراتری وچار: شیوساہتیہ پرکاشن منڈل، سکندرآباد، فروری ۱۹۷۸ء
۸۲۔ صوفی ازم: رادھاسوامی جنرل ست سنگ ہنمکنڈہ، مئی تا اگست ۱۹۶۶ء
۸۳۔ طرحدار موتی: رفیق عام پریس، لاہور
۸۴۔ علم خیال۔ اے وکٹر سگنو کی کتاب کا ترجمہ: شیوساہتیہ پرکاشن منڈل، ہنمنکڈہ، اپریل ۱۹۶۸ء
۸۵۔ قدیم آریوں میں علم تحریر کا رواج: ستیہ دھرم پرچارک پریس ہریدوار، ۱۹۰۳ء
۸۶۔ ایضا: مرتب ڈاکٹر محمد انصار اللہ، مجلہ نقوش، لاہور، سالنامہ ۱۹۸۹ء
۸۷۔ کبیر بھجناولی: مرتب لاجپت رائے ساہنی، بیری آرٹ پریس، دہلی، ساتویں بار
۸۸۔ کبیر جوگ۔ مکمل: رادھاسوامی ست سنگ، نظام آباد، ۱۹۵۵ء
۸۹۔ کبیر چرتر سندیش، دیال نواس، الہ آباد، فروری ۱۹۴۰ء، دوسری بار
۹۰۔ کبیر درپن۔ کبیر، کبیر کی تعلیم اور کبیر پنتھ: شیوساہتیہ پرکاشن منڈل، حیدرآباد ۱۹۵۸ء
۹۱۔ کبیر دوہاولی۔ ارتھ سہت: آزاد بکڈپو، امرتسر
۹۲۔ کبیر و کبیر پنتھ (سنت سماگم جلد ۴ نمبر ۱، ۲): مشین پریس، الہ آباد، ۱۹۲۳ء پہلی بار
۹۳۔ کبیر گوڑھ شبد و یاکھیا: مئی ۱۹۳۶ء
۹۴۔ کٹھ اپنشد: آفتاب برقی پریس امرتسر، مئی جون ۱۹۲۷ء
۹۵۔ کرم یوگ: کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، لاہور
۹۶۔ کلید معرفت المعروف بھجن کی ماہیت: شیوساہتیہ پرکاشن منڈل، ہنمکنڈہ، دسمبر ۱۹۷۳ء
۹۷۔ کوشتکی اپنشد: یونانی دواخانہ پریس، الہ آباد، جون ۱۹۲۸ء، بار اول
۹۸۔ کوشتکی براہمن اپنشد: رادھاسوامی دھام، ضلع مرزاپور، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۲۸ء
۹۹۔ گایتری منترم کی تشریح: رادھاسوامی جنرل ست سنگ، ہنمکنڈہ، اپریل

۱۹۶۳ء، دوسری بار
۱۰۰۔ گیان پرکاش: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، حیدر آباد، جولائی اگست ۱۹۶۰ء
۱۰۱۔ گیان کلپدرم: آریہ سٹیم پریس، لاہور
۱۰۲۔ مانڈوکیہ اپنشد: آفتاب برقی پریس، امرتسر، نومبر دسمبر ۱۹۲۸ء
۱۰۳۔ ملکانہ راجپوت۔ تین حصے: مرکنٹائل پریس، لاہور،
۱۰۴۔ مکتوبات مہرشی حصہ اول، دوم، سوم، چہارم: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، حیدر آباد، ۱۹۵۷ء
۱۰۵۔ منڈک اپنشد: آفتاب برقی پریس، امرتسر، جولائی اگست ۱۹۲۷ء
۱۰۶۔ مورتی پوجا: مشمولہ وگیانی، لاہور، دسمبر ۱۹۱۸ء
۱۰۷۔ مہاراماین: ست سنگت پبلشنگ ہاؤس گورکھپور
۱۰۸۔ مہاراماین مکمل (بہ سلسلہ دیال جلد ۱۲ تا ۱۴): رفیق مشین پریس، حیدر آباد، ۱۹۵۰ تا ۱۹۵۲ء
۱۰۹۔ مہاشیوراتری: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، سکندر آباد، جنوری، فروی ۱۹۷۷ء
۱۱۰۔ نانک جوگ: پنجابی سٹیم پریس، لاہور ۱۹۱۹ء
۱۱۱۔ نج اپکار سدھار: لال سٹیم پریس، لاہور
۱۱۲۔ نظاہر قانون روحانی۔ حصہ اول: مشمولہ ست سنگت گورکھپور، مارچ اپریل ۱۹۳۲ء
۱۱۳۔ نغمہ یزدانی: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، حیدر آباد، فروری ۱۹۵۸ء
۱۱۴۔ نندو بھائی کی ساکھی یا گیان بردھک دوہے: رادھا سوامی دھام، گوپی گنج، اکتوبر ۱۹۲۱ء
۱۱۵۔ نور یزدانی یا امر جیوتی = بویک سندیش: دائرہ پریس، حیدر آباد، دسمبر ۱۹۵۹ء
۱۱۶۔ نیا بھگت مال جلد اول (بہ سلسلہ سنت سماگم) رادھا سوامی دھام، گوپی گنج، ۱۹۲۲ء
۱۱۷۔ نیر اعظم: مرتب بابو موہن لال نیر، گیتا پرنٹنگ ورکس، دہلی، ۱۹۳۹ء، طبع اول
۱۱۸۔ نیر اعظم: دیال سیریز، حیدر آباد، (مختصر ایڈیشن)

۱۱۹۔ واج سنئ سنہتا اپنشد: یونانی دواخانہ پریس الہ آباد، جولائی تا ستمبر ۱۹۲۸ء

۱۲۰۔ وچار کلپدرم: مشمولہ سرسوتی بھنڈار، لاہور، جلد ا، نمبر ۳، بار اول

۱۲۱۔ وضعدار موتی: ناشر، بے اس سنت سنگھ اینڈ سنز، لاہور،

۱۲۲۔ وگیان راماین: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، ہنمکنڈہ، نومبر دسمبر ۱۹۷۰ء

۱۲۳۔ ہماری ماتائیں: ناشر، لاجپت رائے پرتھی راج ساہنی، لاہور

۱۲۴۔ ایضا دیال ایڈیشن: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، ہنمکنڈہ، مئی جون ۱۹۶۸ء

۱۲۵۔ ہندو آدرش: دیال سیریز، جنوری تا مارچ ۱۹۴۷ء

۱۲۶۔ ہوشیار موتی: رفیق عام پریس، لاہور، ۱۹۲۸ء

(ب) شیو برت لال کی تصانیف کے ترجمے ہندی (دیوناگری) میں:

۱۲۷۔ ادبھت موتی: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ، سنبت ۱۸۸۶ء

۱۲۸۔ پنگل ساکھی: مرتب، نندو بھائی، فقیر ساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ ۱۹۵۶ء

۱۲۹۔ جیمن برتانت: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ ۱۹۵۶، پہلی بار

۱۳۰۔ رحمن نیت دوہاولی: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ، شک سنبت ۱۸۸۵ء

۱۳۱۔ شاہ دیوان ضابط: مرتب، کوبیر ناتھ سریواستو، سیما پریس، وارانسی، ۱۹۸۳ء

۱۳۲۔ شاہی بھوت: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ،

۱۳۳۔ شاہی پتی پرائن: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ،

۱۳۴۔ شبد گنجار۔ حصہ اول، دوم، سوم: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ، سنبت ۲۰۲۶

۱۳۵۔ کبیر گوڑھ شبد ویاکھیا: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ، شک سنبت ۱۸۸۶ء

۱۳۶۔ نیر اعظم (ہندی) شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ،

۱۳۷۔ نیر اعظم۔ دیوناگری خط میں: مرتب ڈاکٹر محمد انصار اللہ، ناشر شیو برت لال اکیڈیمک ریسرچ سوسائٹی رجسٹرڈ، علی گڑھ۔ ۱۹۹۶ء

۱۳۸۔ نیر اعظم دیوناگری خط میں مع انگریزی ترجمہ: مرتب، ڈاکٹر محمد انصار اللہ،

ناشر شیو برت لال اکیڈیمک ریسرچ سوسائٹی رجسٹرڈ، علی گڑھ۔ ۱۹۹۹ء
۱۳۹۔ ہنسک موتی: شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ ۱۹۷۲ء

(ج) دوسرے مصنفین کی کتابیں: اردو، ہندی انگریزی وغیرہ میں

۱۴۰۔ اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ: مصنف ڈاکٹر محمد عزیر، انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ۔ ۱۹۵۵ء
۱۴۱۔ تاریخ اقلیم ادب، حصہ اول: مولف ڈاکٹر محمد انصار اللہ، لیتھو کلر پرنٹرس، علی گڑھ ۱۹۷۹ء
۱۴۲۔ تاریخ فرشتہ جلد ۲: مصنف ابوالقاسم فرشتہ (اردو ترجمہ)
۱۴۳۔ خمخانہ جاوید جلد ۲: مصنف، لالا سری رام دہلوی، امپیریل بک ڈپو پریس، دہلی، ۱۹۱۹ء
۱۴۴۔ داتا دیال مہرشی شیو برت لال ورمن: مولف، ڈاکٹر محمد انصار اللہ، ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء
۱۴۵۔ داتا دیال مہرشی شیو برت لال ورمن۔ حیات وخدمات: مولف ڈاکٹر محمد انصار اللہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۴ء
۱۴۶۔ داتا دیال مہرشی شیو برت لال ورمن اوران کی کتابیں: مولف ڈاکٹر محمد انصار اللہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۴ء
۱۴۷۔ دیال جوگ جلد اول: مصنف، ٹھاکر نندو سنگھ جی شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل حیدرآباد، اگست ۱۹۵۶ء
۱۴۸۔ فرہنگ کبیر: مولف ڈاکٹر محمد انصار اللہ مشمولہ سہ ماہی مجلہ فکر وتحقیق، نئی دہلی، جلد ۱، نمبر ۱، جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء
۱۴۹۔ کٹیلاگ آف سنسکرت مینوسکرپٹس: جلد اول، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۳۲ء
۱۵۰۔ گلستان ہزار رنگ: مرتبین، موہن لال نیر وغیرہ، ساری دنیا بکڈپو، امرتسر، ۱۹۱۴ء

۱۵۱۔ گلدستہ حفیظ اللہ خاں (دو حصے): مصنف، مولوی حفیظ اللہ خاں سانڈوی حفیظ تخلص، مطبع نولکشور لکھنؤ، ۱۹۱۲ء

۱۵۲۔ گلدستہ نذیر حصہ اول: مصنف، منشی نذیر احمد قریشی شدت تخلص یوسفی برقی پریس، لکھنؤ، ۱۹۳۶ء بار اول

۱۵۳۔ مہرشی شیوبرت لال کی جیونی، مکمل۔ مولف: دیوی چرن حتل، شوساہتیہ پرکاشن منڈل، علی گڑھ

۱۵۴۔ ہندی ساہتیہ کوش جلد ۲، وگیان منڈل لمیٹڈ، بنارس، ۱۹۸۶ء

(و) رسالے

۱۵۵۔ ماہنامہ زبان دہلی: ایڈیٹر، نازک رقم اکبرآبادی، مالک ڈاکٹر کے بی مترا، نمبر ۲، ۳، ۱۹۱۱ء

۱۵۶۔ ماہنامہ زمانہ کانپور: ایڈیٹر، دیا نراین نگم، جون ۱۹۳۹ء

۱۵۷۔ ماہنامہ سادھو، لاہور: ایڈیٹر، شیوبرت لال ورمن، فائل بابت ۱۹۰۹ء، ۱۹۱۱، ۱۹۱۲

۱۵۸۔ رسالہ ست سنگت: رادھا سوامی دھام ضلع مرزاپور، ایڈیٹر موتی لال مختار، فائل بابت ۱۹۳۳، ۱۹۳۴، ۱۹۳۵ء

۱۵۹۔ ماہنامہ شیو شنبھو، لاہور: ایڈیٹر، گوری شنکر لال اختر، فائل بابت ۱۹۱۷ء، ۱۹۱۸ء

۱۶۰۔ ماہنامہ مارتنڈ، لاہور: ایڈیٹر، شیوبرت لال ورمن، فائل بابت ۱۹۱۰ء، ۱۹۱۱ء

۱۶۱۔ ماہنامہ مان سروور، الہ آباد: ایڈیٹر گوری شنکر لال اختر، دسمبر ۱۹۳۰ء، نومبر ۱۹۳۳ء، فروری ۱۹۴۱ء

۱۶۲۔ ماہنامہ من مگن، لاہور: ایڈیٹر نند کشور ملہوترہ، ست سنگت، نمبر ۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء

۱۶۳۔ ماہنامہ وگیانی لاہور: ایڈیٹر شیوبرت لال ورمن، فائل بابت ۱۹۱۷ء، ۱۹۱۸ء

☆☆☆